اسلامی عقائد

ترتیب

ڈاکٹر مفتی عبدالواحد

دار الافتاء جامعہ مدنیہ لاہور

مکتبہ قاسمیہ

۱۷- اردو بازار ○ لاہور

اسلامی عقائد

مئولف

ڈاکٹر مفتی عبد الواحد صاحب

پیشکش: طوبیٰ ریسرچ لائبریری

toobaa-elibrary.blogspot.com

نام کتاب ـــــــ اسلامی عقائد
مرتب ـــــــ ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب
ناشر ـــــــ مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور
طبع اول ـــــــ ۱۹۹۸ء
تعداد ـــــــ ایک ہزار



ـــــ ملنے کے پتے ـــــ

۱: مکتبہ قاسمیہ ۱۷ اردو بازار لاہور
۲: ادارہ تعلیمات دینیہ (شاخ) مسجد نمبر ۵۵ مزنگ روڈ لاہور
۳: دارالافتاء جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ لاہور

فہرست مضامین

مقدمہ ۱۲
پہلا باب — اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا بیان ۱۶
وجود باری تعالیٰ پر قرآن کا طریق استدلال ۱۶
اقسام صفات الٰہیہ۔ صفات ذاتیہ اور صفات فعلیہ ۱۹
مراتب صفات الٰہیہ اور صفات متشابہات ۲۰
اللہ تعالیٰ کی تمام صفات قدیم ہیں ۲۲
اللہ تعالیٰ کی صفات میں ترتیب نہیں ہے ۲۲
اللہ تعالیٰ کی صفات نہ عین ذات ہیں نہ غیر ذات ہیں ۲۲
اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں ۲۳
اسماء حسنی ۳۴
اللہ تعالیٰ ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں ۳۴
اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات قدیم ہیں ۳۶
امہات صفات (صفات ذاتیہ) کا بیان ۳۷
۱۔ صفت حیات ۳۷
۲۔ صفت قدرت ۳۷
۳۔ صفت ارادہ و مشیت ۴۱
۴۔ صفت کلام ۴۲
۵۔ صفت سمع ۴۴
۶۔ صفت بصر ۴۴
۷۔ صفت علم ۴۴
۸۔ صفت تکوین و تخلیق ۴۵

باب	عنوان	صفحہ
	اللہ تعالیٰ نے عالم کو کس طرح پیدا کیا؟ اور عالم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے تعلقات	۴۶
	ممکنات اور ان کے آثار و خواص سب اللہ تعالیٰ کی ایجاد ہیں	۵۲
	خیر و شر دونوں کا خالق ہے	۵۳
	بندوں کے افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے	۵۵
	اللہ تعالیٰ کی تنزیہات	۵۶
	پہلی تنزیہ۔ وہ کسی کا کسی چیز میں محتاج نہیں	۵۶
	دوسری تنزیہ۔ حق تعالیٰ کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں ہوتا	۵۷
	وحدۃ الوجود کی تحقیق	۵۸
	وحدۃ الشہود کی تحقیق	۵۹
	تیسری تنزیہ۔ اس کی ذات و صفات کو کبھی فنا اور تغیر نہیں	۶۰
	چوتھی تنزیہ۔ کوئی چیز اس پر واجب نہیں	۶۰
	پانچویں تنزیہ۔ اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہیں کہ انکو بدا ہو۔	۶۲
	بدا کی تین قسمیں	۶۳
	بدائی الامر اور نسخ کے درمیان فرق	۶۳
	بدا کی تینوں قسمیں ایک دوسرے کو لازم ہیں	۶۳
	عقیدہ بدا کا نتیجہ	۶۴
	عقیدہ بدا کا قرآن کے مخالف ہونا	۶۴
	قائلین بدا کے دلائل اور ان کے جواب	۶۵
دوسرا باب	انبیاء و رسل سے متعلق عقائد	۶۴
	شریعت میں نبی کس کو کہتے ہیں؟	۶۷
	لفظ نبوت اور رسالت کا مفہوم	۶۷
	نبی اور رسول میں فرق	۶۸

باب	عنوان	صفحہ
	نبوت و رسالت عطیہ الٰہی ہے اکتسابی نہیں	۶۸
	کسی ایک نبی کو جھٹلانا تمام انبیاء کو جھٹلانے کے مترادف ہے	۶۹
	انبیاء پر ایمان کے بغیر اللہ پر ایمان معتبر نہیں	۶۹
	انبیاء علیہم السلام امین ہوتے ہیں	۷۰
	انبیاء علیہم السلام منصب نبوت سے کبھی لائق معزولی نہیں ٹھہرتے	۷۱
	سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ ڈارون کے نظریہ ارتقاء کا رد	۷۱
	عصمت انبیاء علیہم السلام	۷۳
	عصمت انبیاء کے عقیدے پر اعتراض اور اس کا جواب	۷۵
تیسرا باب	معجزات یا دلائل نبوت	۸۲
	عادت اللہ کی دو قسمیں ہیں (۱) عام مستمر عادت (۲) خاص موقت عادت	۸۴
	قدرت اور عادت کے درمیان فرق	۸۴
	معجزہ کا دلیل نبوت ہونا	۸۵
چوتھا باب	انبیاء علیہم السلام میں حضرت محمد ﷺ کے امتیازات	۹۲
	حضرت محمد ﷺ پر ختم نبوت اور اس کے دلائل	۹۲
	حضرت محمد ﷺ کی نبوت کا سابقہ آسمانی کتابوں سے ثبوت	۹۷
	حضرت محمد ﷺ کی بعثت و نبوت تمام عالم کے لئے عام ہے	۱۰۰
	حضرت محمد ﷺ تمام پیغمبروں کے سردار اور سب سے افضل ہیں	۱۰۱
	حضرت محمد ﷺ کو تمام مخلوقات سے زیادہ علوم عطا ہوئے	۱۰۱
پانچواں باب	عقیدہ حیات النبی	۱۰۳
چھٹا باب	مبتدعین کا نبی ﷺ کی شان میں غلو اور اس کا جواب	۱۱۰

باب	عنوان	صفحہ
	پہلا غلو۔ آپ ﷺ کے لئے جمیع ماکان ومایکون کا علم ماننا	۱۱۰
	دوسرا غلو۔ آپ ﷺ کو مختار کل ماننا	۱۱۲
	تیسرا غلو۔ آپ ﷺ کو عالم الغیب کہنا	۱۱۳
ساتواں باب	فرشتوں کا بیان	۱۱۶
آٹھواں باب	کتب الٰہیہ کا بیان	۱۱۸
نواں باب	عقائد متعلق علامات قیامت	۱۲۸
	قیامت کی علامات دو قسم کی ہیں صغریٰ اور کبریٰ	۱۳۱
	قیامت کی علامات صغریٰ کا بیان	۱۳۳
	قیامت کی علامات کبریٰ کا بیان	۱۳۴
	ظہور مہدی علیہ السلام	۱۳۵
	خروج دجال	۱۳۶
	نزول عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام	۱۳۸
	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ ہونے اور صلیب پر چڑھائے نہ جانے کے دلائل	۱۳۹
	حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد شریعت محمدیہ کا اتباع کریں گے	۱۳۴
	خروج یاجوج ماجوج	۱۳۶
	خروج دخان یعنی دھوئیں کا ظاہر ہونا	۱۳۷
	مغرب سے طلوع آفتاب	۱۳۸
	دابۃ الارض کا نکلنا	۱۴۰
	ٹھنڈی ہوا کا چلنا	۱۴۰
	غلبہ حبشہ	۱۴۱
	آگ کا نکلنا	۱۴۱

باب	عنوان	صفحہ
دسواں باب	قبر میں عذاب و راحت اور فرشتوں کا سوال ثابت ہے	۱۴۳
گیارہواں باب	عقائد متعلقہ عالم آخرت	۱۴۹
	قیامت کا آغاز کس طرح ہوگا؟	۱۵۰
	قیامت برحق ہے	۱۵۰
	دلائل بعث بعد الموت	۱۵۱
	ابطال عقیدہ تناسخ	۱۵۳
	وزن اعمال	۱۵۴
	شفاعت کبریٰ	۱۵۴
	نامہائے اعمال کی تقسیم	۱۵۵
	نامہائے اعمال پڑھنے کے بعد محاسبہ شروع ہوگا	۱۵۶
	حوض کوثر	۱۵۸
	پل صراط	۱۵۹
بارہواں باب	شفاعت ہو سکتی ہے	۱۶۱
	شفاعت ہوگی	۱۶۱
	شفاعت کس کے لیے نہ ہوگی؟	۱۶۲
	شفاعت کے لئے ضابطہ	۱۶۲
تیرہواں باب	جنت و دوزخ سے متعلق عقائد	۱۶۵
	جنت و جہنم حق ہیں	۱۶۵
	جنت اور جہنم دونوں پیدا ہو چکی ہیں اور فی الحال موجود ہیں	۱۶۵
	جنت اور جہنم دونوں دائمی ہیں ان کے لیے کبھی فنا نہیں ہے	۱۶۸
	ایک سوال اور اس کا جواب	۱۶۸
	دوسرا سوال اور اس کا جواب	۱۶۹
	مسلمان گناہگار کا جہنم میں داخلہ دائمی نہ ہوگا	۱۷۲

باب	عنوان	صفحہ
	اعراف حق ہے	۱۷۳
	آخرت میں دیدار الٰہی	۱۷۴
چودھواں باب	عقائد متعلق صحابہ کرام	۱۷۸
	تمام انبیاء کے بعد حضرت محمد ﷺ کے صحابہ کا مرتبہ ہے	۱۷۸
	خصوصیات صحابہ کرام	۱۷۹
	انبیاء کے بعد سب سے افضل انسان حضرت ابوبکر ؓ ہیں	۱۸۴
	خلفائے راشدین کے بعد عشرہ مبشرہ کا درجہ ہے	۱۹۱
	عشرہ مبشرہ کے بعد اہل بدر پھر اہل احد اور پھر اہل بیعت رضوان کا درجہ ہے	۱۹۳
	حضرت عثمان ؓ کے بعد صحابہ کے مابین جو اختلافات پیش آئے ان کا مبنی اجتہاد ہے ہوا و ہوس نہیں	۱۹۴
پندرھواں باب	تقدیر کا بیان	۱۹۸
	اشکالات اور ان کا حل	۱۹۹
	بندوں کی قدرت و اختیار کا بیان	۲۰۳
	استطاعت کے دو معنی (۱) سلامتی اسباب (۲) قدرت حقیقی	۲۰۴
	بعض اعمال سے تقدیر و قضا کے بدل جانے کی حقیقت	۲۰۵
سولہواں باب	امامت و خلافت	۲۰۷
	اسلامی حکومت کی تعریف	۲۰۸
	خلافت راشدہ	۲۰۸
	بادشاہ اسلام	۲۰۸
	خلیفہ اور امیر کی شرائط	۲۰۹
	امامت کے بارے میں مذہب شیعہ	۲۱۱
	فرائض امیر مملکت اور خلیفہ	۲۱۳

باب	عنوان	صفحہ
	طریقہ انتخاب امیر	۲۱۴
	زبردستی امیر و خلیفہ بننا	۲۱۵
سترہواں باب	ایمان کا بیان	۲۱۷
	اصطلاح شریعت میں ایمان	۲۱۷
	زبان سے اقرار	۲۱۸
	ایمان اور اعمال صالحہ	۲۱۹
	ایمان کے کم و بیش ہونے کی حقیقت	۲۲۰
	ایمان اور اسلام	۲۲۰
	موت کا عذاب دیکھ کر ایمان لانا مقبول نہیں	۲۲۳
	کبیرہ گناہ سے ایمان نہیں جاتا	۲۲۳
	کسی ویرانے میں بالغ ہونے والے اور وہ شخص جس کو دعوت اسلام نہ پہنچی ہو ان کے اسلام و ایمان کا مسئلہ	۲۲۴
اٹھارواں باب	شرک کا بیان	۲۲۷
	شرک فی العلم	۲۳۶
	شرک فی التصرف	۲۴۳
	شرک فی العبادت	۲۵۰
	شرک فی العادت	۲۵۴

تعارف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ اما بعد

اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے دنیوی تعلیم سے آراستہ مسلمانوں کی دینی تعلیم کے لیے ایک نصاب و کورس ترتیب دینے کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ کورس تین مضامین پر مشتمل ہے۔

۱۔ اسلامی عقائد

۲۔ اسلامی اصول

۳۔ اسلامی احکام و مسائل

یہ نصاب کسی اچھے عالم دین سے پڑھا جائے جو اس کی خوب اچھی طرح تیاری کر کے پڑھائیں اور تعلیم کی ترتیب یہ ہو کہ روزانہ ایک گھنٹہ تعلیم ہو جس میں دو سبق پڑھائے جائیں۔ ہفتہ وار ناغہ کی رعایت کرتے ہوئے یہ نصاب چھ مہینے میں پورا کرایا جا سکتا ہے۔ احکام و مسائل کا سبق پورے چھ مہینے چلے جبکہ عقائد اور اصول کی کتابیں تین تین مہینے میں مکمل کی جائیں۔ پہلی سہ ماہی میں عقائد کی کتاب پڑھائی جائے اور دوسری سہ ماہی میں اصول کی کتاب کی تعلیم ہو دوران تعلیم اس بات کا اہتمام کیا جائے کہ سبق کے وقت میں سبق سے خارج اور غیر متعلق بحثوں میں نہ لگیں۔

عقائد اور اصول پر اپنے دور کی ضروریات اور اپنے زمانے کے ذوق کے مطابق کوئی جامع کتاب نظر نہ آئی اس لئے ان موضوعات پر معتبر کتابوں سے متفرق مواد کو لے کر ایک جگہ ترتیب دیا گیا اور اس طرح سے اسلامی عقائد اور اصول دین کے نام

سے دو کتابیں وجود میں آئیں۔

احکام و مسائل میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب "مسائل بہشتی زیور" کو اختیار کیا گیا ہے البتہ اس کے ساتھ ایک ضمیمہ (Supplement) کا اضافہ کیا گیا ہے جس میں چند اور ضروری باتوں کو جمع کیا گیا ہے۔

یہ کتابیں انشاء اللہ پڑھنے والوں کی دینی ضروریات کو بھی پورا کریں گی بہت سے ذہنی خلجان کو بھی دور کریں گی اور بہت سی گمراہیوں کے مقابلہ میں موثر ہتھیار ثابت ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں اور نافع خلائق بنائیں۔ زندگی کے تمام ہی شعبوں سے تعلق رکھنے والے حضرات کے لیے انشاء اللہ بہت ہی مفید نصاب ہے جسکی تحصیل بہت ہی مختصر وقت میں کی جا سکتی ہے۔

وہ تمام حضرات جنہوں نے ان کتابوں کی تالیف اور نشر و اشاعت میں تعاون کیا ہے خصوصاً دارالافتاء جامعہ مدنیہ کے معاون مولوی مختار احمد سلمہ۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس پر بھرپور اجر عطا فرمائیں۔ آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین۔

عبدالواحد

دارالافتاء۔ جامعہ مدنیہ لاہور

شوال المکرم ۱۴۱۸ھ

مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ علی نوالہ و الصلوۃ و السلام علی سیدنا محمد بقدر حسنہ و جمالہ و علی اھل بیتہ و آلہ

انسان خیال کرے کہ دنیا میں ہمیشہ کوئی نہیں رہا۔ آخر ہر شخص ایک روز یہاں سے جائے گا اور آخرت میں اپنا کیا پائے گا لہٰذا ضروری ہے کہ یہاں سے کمال حاصل کر کے جائے تاکہ وہاں کے عذابوں سے بچے اور دائمی عیش و آرام پائے۔ اور وہ کمال یہ ہے کہ اپنے خالق و مالک کے سب احکام کو جانے اور مانے اور ان احکام کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ کے جن میں ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء کے عمل کی حاجت ہو جیسے نماز' روزہ یعنی عبادات اور معاملات دوسرے وہ کہ جن میں اعضاء کے عمل کی حاجت نہ ہو بلکہ ان کا صرف مان لینا ہی کافی ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کو ایک جاننا اور اس کو سمیع و علیم و بصیر سمجھنا یا قیامت اور جنت و دوزخ کو حق سمجھنا۔

علماء نے لوگوں کی آسانی کی خاطر قرآن و حدیث سے پہلی قسم کے احکام نکال کر ان کو تفصیل سے جدا مرتب کیا اور اس علم کا نام فقہ رکھا اور دوسری قسم کے احکام کو الگ تفصیل سے لکھا اور اس کا نام عقائد رکھا۔

علم عقائد کو علم کلام بھی کہا جاتا ہے جس کی ایک وجہ یہ ہے کہ جب اس علم کی تدوین ہوئی تو ہر مسئلے کے عنوان میں لفظ کلام لایا کرتے تھے اور یوں کہا کرتے تھے الکلام فی کذا یعنی فلاں مسئلہ اور عقیدہ میں کلام شروع ہے۔ اس وجہ سے اس علم کو ہی علم کلام کہا جانے لگا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ کلام الٰہی کے بارے میں اس علم میں زیادہ تحقیق ہے لہٰذا اس کی وجہ سے اس کو علم کلام کہنے لگے۔

ائمہ علم کلام

امام ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ جو تین واسطوں سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں اور ۳۳۳ھ میں فوت ہوئے۔ یہ ماترید جو کہ سمرقند کے قریب ایک گاؤں ہے وہاں کے رہنے والے تھے۔

امام ابو الحسن اشعری رحمہ اللہ ۲۶۰ھ پیدا ہوئے اور ۳۳۰ھ سے اوپر میں وفات پائی۔ یہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔

یہ دونوں حضرات اہلسنّت و الجماعۃ کے عقائد میں امام ہیں۔ صرف چند ایک مسائل میں ان کا آپس میں اختلاف ہے مثلاً۔

۱۔ امام ماتریدی رحمہ اللہ تکوین کو مستقل صفت الٰہی مانتے ہیں جب کہ امام اشعری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ صفت قدرت ہی سے متعلق ہے۔

۲۔ امام ماتریدی رحمہ اللہ کے نزدیک افعال کا حسن و قبح عقل سے سمجھا جا سکتا ہے جب کہ امام اشعری رحمہ اللہ کے نزدیک ان کا پتہ شرع ہی سے چلتا ہے عقل سے نہیں۔

۳۔ امام ماتریدی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ کہنا کہ میں مومن ہوں انشاء اللہ جائز نہیں بلکہ فقط یوں کہنا چاہئے کہ میں مومن ہوں اور امام اشعری رحمہ اللہ کے نزدیک انشاء اللہ کو ساتھ لگانا جائز ہے۔

ان جیسے اختلافی مسائل میں شافعیہ امام اشعری رحمہ اللہ کے تابع ہیں۔ اس وجہ سے ان کو اشعریہ کہا جاتا ہے اور حنفی امام ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ کے تابع ہیں۔ اس سبب سے ان کو ماتریدیہ کہتے ہیں۔ متاخرین یعنی بعد کے علماء دونوں کو اشاعرہ کہنے لگے۔ (تغلیبا")

شروع کے دور میں علم عقائد میں وہ دینی عقائد جو کہ قرآن و حدیث سے ثابت تھے ذکر کرتے تھے جیسا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی کتاب فقہ اکبر میں ملتا ہے۔

فلسفیانہ بحثوں کو ان میں دخل نہ تھا۔ البتہ معتزلہ کے رد کا اہتمام کیا جاتا تھا تاکہ عام لوگ ان کی گمراہی سے بچے رہیں۔

معتزلہ کے وجود میں آنے کا قصہ یہ ہوا کہ ایک شخص واصل بن عطاء حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی مجلس میں یہ کہنے لگا کہ کبیرہ گناہ کرنے سے آدمی نہ مومن رہتا ہے نہ کافر ہوتا ہے (اور ایمان و کفر کے درمیان ایک درجہ ہے)۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا قد اعتزل عنا (یعنی یہ شخص ہم جمہور اہل اسلام سے الگ ہو گیا) اسی روز سے یہ لوگ معتزلہ کہلائے جانے لگے۔ واصل بن عطا کا گروہ بھی اپنے آپ کو معتزلہ کہتا تھا اور اس نیت سے کہتا کہ وہ باطل سے الگ ہے۔ تفسیر کشاف کے مصنف نے اپنے لئے اسی وجہ سے ابو المعتزلہ کی کنیت اختیار کی۔ معتزلہ اپنے آپ کو اصحاب العدل و التوحید (عدل و توحید کے علمبردار) بھی کہتے تھے علی ہذا القیاس جو لوگ جمہور اہل اسلام سے عقائد میں مخالف ہوتے گئے ان کے فرقوں کے جدا جدا نام مقرر ہوتے گئے۔

واصل کے بعد اس کے پیرو مدت دراز تک اپنے عقائد کو فلسفیانہ دلائل سے مدلل کر کے بھکاتے رہے۔ یہاں تک کہ امام ابو الحسن اشعری اور ان کے استاد ابو علی جبائی معتزلی کے درمیان اصلح للعبد (جس میں بندے کا زیادہ فائدہ ہے) کے مسئلہ میں گفتگو ہوئی۔ اس مسئلہ میں ابو علی جبائی لاجواب ہو گیا اور امام اشعری رحمہ اللہ نے معتزلہ کے عقائد کی کوتاہی پر متنبہ ہو کر ان عقائد کو ترک کیا اور وہ اور ان کے پیروکاروں نے عقائد حقہ کا اثبات اور مخالفین خصوصاً معتزلہ کا رد کرنا شروع کیا۔ گویا متقدمین میں مخالفین کا رد کرنا ان ہی سے شروع ہوا ہے۔ پھر خلفائے عباسیہ کے عہد میں منطق اور فلسفہ کا یونانی زبان سے عربی میں ترجمہ کیا گیا تو متاخرین نے مخالفین اور خصوصاً فلاسفہ کا انہی کے دلائل سے رد کرنے کی خاطر منطق اور فلسفہ سے علم کلام کو بھر دیا لیکن محققین نے علم کلام میں اس طرح کے اشتغال کو پسند نہیں کیا کیونکہ عقلی اور حسی تحقیق کسی حد تک کیوں نہ ہو شکوک و شبہات کی آلائش سے پاک نہیں ہوتی۔

جاننا چاہئے کہ وہ عقائد جو کتب اسلامیہ میں درج کئے جاتے ہیں تین قسم کے ہیں۔

قسم اول: وہ ہیں کہ جو یقینی اور قطعی ہیں اور پھر ان کی تین نوع ہیں۔

نوع اول۔ وہ کہ جو قرآن کی ظاہر عبارت سے ثابت ہیں۔

نوع دوم۔ وہ کہ جن کا مضمون نبی ﷺ سے بہ نقل متواتر ثابت ہو خواہ لفظ حدیث متواتر ہوں یا نہ ہوں

نوع سوم۔ وہ کہ جن پر امت کا اجماع ہو گیا ہو خواہ وہ دلیل کہ جس کی وجہ سے امت نے اس مسئلہ پر اتفاق کیا ہے قطعی ہو یا نہ ہو اور ہم کو معلوم ہو یا نہ ہو۔

حکم: ان مسائل کا منکر دائرہ اسلام ہی سے خارج ہوتا ہے۔

قسم دوم: وہ عقائد ہیں جو دلائل عقلیہ سے ثابت ہیں جن کے ثبوت پر شرع کا مدار ہے یا اکثر باتیں شرع کی ان پر موقوف ہیں خواہ ان کی تائید میں کوئی شرعی دلیل ہو یا نہ ہو جیسا کہ ثبوت باری تعالیٰ اور مسئلہ ثبوت صفات باری تعالیٰ اور مسئلہ ثبوت نبوت اور مسئلہ عصمت انبیاء

حکم: ان مسائل کا بھی وہی حکم ہے جو قسم اول کے مسائل کا ہے۔

قسم سوم: وہ مسائل ہیں کہ جو اخبار آحاد سے ثابت ہیں یا علماء نے ان کو قرآن و حدیث سے استنباط کر کے ثابت کیا ہے۔ ان میں باہم اسلامی فرقوں کا اختلاف ہے جیسے مسئلہ قدم قرآن اور مسئلہ فضیلت انبیاء بر ملائکہ اور مسئلہ کرامات اولیاء حق وغیرہ۔

ان مسائل میں اہلسنت سلف صالحین صحابہ و تابعین کے پیرو ہیں اور ان کے مخالف لوگ محض اپنے خیالات سے ان نصوص کا انکار یا تاویل کرتے ہیں جو اگرچہ کفر تو نہیں لیکن فسق اور گمراہی ہے۔

پہلا باب

اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا بیان

اللہ تعالیٰ اپنی قدیم ذات اور صفات کے ساتھ خود بخود موجود اور موصوف ہے اور اس کے سوا تمام اشیاء اسی کی ایجاد سے موجود ہوتی ہیں اور اسی کے پیدا کرنے سے عدم سے وجود میں آتی ہیں۔ خدا تعالیٰ کو خدا اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ خود بخود ہے اور اس کی ذات و صفات کے سوا تمام عالم اور اس کی تمام اشیاء حادث اور نوپیدا ہیں

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء آفرینش عالم سے اس وقت تک دنیا کے ہر حصہ اور ہر خطہ میں تقریباً سب کے سب خدا کے قائل رہے ہیں اور دنیا کے تمام مذاہب و ملل اور ادیان سب اس پر متفق ہیں کہ خدائے برحق موجود ہے۔ جو چند ایک منکرین مذہب ہیں ان کا کہنا ہے کہ خدا کا کوئی واقعی وجود نہیں خدا محض ایک موہوم اور فرضی شے ہے جس کو انسانی دماغ نے قوانین طبعیہ (Physical Laws) سے مرعوب ہو کر اختراع کر لیا ہے اور تمام اعمال و افعال اور تمام اقوال و احوال بلکہ تمام کائنات میں اس کو مدبر اور متصرف سمجھ کر اپنے وجود کی باگ اس کے ہاتھ میں دے دی اور بے وجہ اپنی امید وبیم کو اس کے ساتھ وابستہ کر لیا اور اس کو اپنا معبود سمجھ لیا ہے حالانکہ کائنات کا یہ نظام خدا کے بغیر ہی چل رہا ہے۔

منکرین خدا کا یہ دعویٰ محض فرضی و خیالی ہے جس کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں۔

وجود باری تعالیٰ پر قرآن کا طریق استدلال

حقیقت یہ ہے کہ خدا کا اعتراف انسان کی اصل فطرت میں داخل ہے۔ یہی فطرت ہے جس کو قرآن مجید نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْۢ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُھُوْرِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ
وَاَشْھَدَھُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی شَھِدْنَا

اور جب کہ تیرے رب نے آدم کی پیٹھ سے ان کی نسل کو نکالا
اور خود ان کو ان ہی پر گواہ کیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔
سب بول اٹھے کہ ہاں ہم گواہ ہیں۔

لیکن چونکہ خارجی اسباب سے اکثر یہ فطری احساس دب جاتا ہے اس لئے خدا نے جابجا اسی فطرت کو متنبہ کیا ہے۔

اَفِی اللّٰہِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کیا اللہ کے بارے میں بھی شک ہو سکتا ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔

اور چونکہ خارجی اسباب کی وجہ سے بعض اوقات یہ فطری احساس اس قدر دب جاتا ہے کہ محض اشارہ اور تنبیہہ کافی نہیں ہوتی اس لئے اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ تجربی اور حسی مقدمات کے ذریعہ سے استدلال بھی کیا۔

انسان کو آغاز تمیز میں جن بدیہی اور حسی مقدمات کا علم ہوتا ہے ان میں ایک یہ ہے کہ وہ جب کسی چیز کو مرتب باقاعدہ اور منتظم دیکھتا ہے تو اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ کسی دانش مند نے ان چیزوں کو ترتیب دیا ہے۔ اگر کسی جگہ ہم چند چیزیں بے ترتیب رکھی دیکھیں تو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ آپ سے آپ یہ چیزیں اکٹھی ہو گئی ہوں گی لیکن جب وہ اس ترتیب اور سلیقہ سے چنی گئی ہوں کہ ایک ہوشیار صناع بھی بہ مشکل اس طرح چن سکتا ہے تو یہ خیال کبھی نہیں ہو سکتا کہ آپ سے آپ یہ ترتیب پیدا ہو گئی ہو گی۔ پھر کیونکر ممکن ہے کہ نظام عالم جو اس قدر باقاعدہ مرتب اور موزوں ہے وہ خود بخود قائم ہو گیا ہو۔ قرآن مجید میں خدا کے وجود پر اسی سے استدلال کیا ہے۔

صُنْعَ اللّٰہِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ کُلَّ شَیْءٍ

یہ خدا کی کاریگری ہے جس نے ہر شے کو خوب پختہ طور سے بنایا

مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ھَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ

رحمن کی کاریگری میں تم کوئی فرق نہیں پاتے ہو۔ پھر دوبارہ نظر دوڑاؤ کیا تم کوئی دراڑ دیکھتے ہو۔

خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا — خدا نے ہر شے کو پیدا کیا پھر اس کا ایک اندازہ معین کیا۔

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا — خدا کے طریقے میں تم رد و بدل نہیں پا سکتے۔

ان آیتوں میں عالم کے بارے میں تین اوصاف بیان کئے ہیں۔ (۱) کامل اور بے نقص ہے (۲) موزوں اور مرتب ہے (۳) ایسے اصول اور ضوابط کا پابند ہے جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتے۔

اب دلیل یوں بنی کہ عالم اور یہ کائنات کامل اور بے نقص ہے اور موزوں و مرتب ہے اور غیر متبدل اصول کی پابند ہے اور جو چیز کامل' مرتب اور مستحکم النظام ہوتی ہے وہ خود بخود پیدا نہیں ہو جاتی بلکہ کسی صاحب قدرت اور صاحب اختیار نے اس کو پیدا کیا ہوتا ہے لہذا یہ کائنات بھی کسی ایسے خالق کی تخلیق ہے جو صاحب قدرت اور صاحب اختیار ہے آخر ایسا کیوں نہ ہو؟ کیا کسی قصر شاہی کو دیکھ کر جس میں طرح طرح کے بالا خانے اور کمرے اور قسم قسم کے فرش اور قالین بچھے ہوئے ہوں اور حوض اور فوارے اس میں جاری ہوں۔ کوئی یہ کہنے لگے کہ یہ محل ماہر کاری گروں کی کاریگری نہیں بلکہ اتفاق سے ایسی ہوا چلی کہ مٹی اور پانی کے بکھرے ہوئے ذرات میں حرکت پیدا ہوئی جس سے یہ کمرے اور یہ بنگلے اور یہ برآمدے اور یہ راستے اور یہ حوض اور فوارے خود بخود وجود میں آ گئے اور یہ قالین اور یہ کرسیاں خود بخود بن کر یہاں سج گئے۔ کیا جس شخص کے دماغ میں کچھ بھی عقل ہے وہ اس کو دیوانگی نہ سمجھے گا؟۔

ایک مرتبہ دہریوں کا ایک گروہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے پاس ان کو قتل کرنے کے ارادہ سے آیا۔ امام صاحب نے ان سے فرمایا کہ تم ایسے شخص کے بارہ میں کیا کہتے

ہو کہ جو یہ کہے کہ میں نے دریا میں سامان سے بھری ہوئی ایک کشتی دیکھی ہے جو اس کنارے سے خود بخود سامان لے جاتی ہے اور دوسرے کنارے پر لے جا کر اتار دیتی ہے اور دریا کی موجوں کو چیرتی ہوئی سیدھی نکل جاتی ہے اور کوئی ملاح اس کے ساتھ نہیں خود بخود سامان اس میں لد جاتا ہے اور خود بخود اتر جاتا ہے۔ ان لوگوں نے کہا یہ بات تو ایسی خلاف عقل ہے کہ کوئی عاقل اس کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ امام صاحب نے فرمایا افسوس تمہاری عقلوں پر۔ جب ایک کشتی بغیر ملاح کے نہیں چل سکتی تو سارے عالم کی کشتی بغیر ملاح کے کیسے چل سکتی ہے اس پر وہ مبہوت ہو گئے اور سب کے سب تائب ہو کر آپ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے۔

دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے
انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں مزید کوئی تفصیل کسی کو معلوم نہیں اس لئے اس بارے میں کچھ خیال آرائی کرنے کی ضرورت نہیں البتہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے جس کے بیان کا آگے ذکر ہے۔

صفات الٰہیہ

اقسام صفات الٰہیہ

صفات کی دو قسمیں ہیں ایک صفات ذاتیہ اور دوسری صفات فعلیہ

صفات ذاتیہ

ان صفات کو کہتے ہیں کہ ذات ان کی ضد کے ساتھ موصوف نہ ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتیہ حیات' علم' قدرت' ارادہ سمع اور بصر اور کلام ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ تو متصف ہو سکتا ہے انُ کی ضد یعنی موت' جہل' عجز وغیرہ کے ساتھ

متصف نہیں ہو سکتا۔ ان کو امہات الصفات بھی کہتے ہیں کیونکہ ان کا رتبہ اللہ تعالیٰ کی دیگر صفات پر مقدم ہے اس لئے کہ اگر مثلاً اس کے لئے حیات نہ ہو تو خدا نہ رہے لہٰذا حیات پہلے ہو گی تب کچھ اور صفات پائی جائیں گی۔

صفات فعلیہ

ان صفات کو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ان کی ضد کے ساتھ موصوف ہو سکے اور ان کا تعلق غیر کے ساتھ ہو۔ جیسے مارنا اور جلانا' عزت دینا اور ذلت دینا' رزق دینا اور نہ دینا۔ یہ صفات فعلیہ صفت تکوین میں داخل ہیں گویا کہ صفت تکوین ان سب کا اجمال ہے اور یہ سب اس کی تفصیل ہیں۔

مراتب صفات الٰہیہ اور صفات متشابہات

اللہ تعالیٰ کی صفات جو قرآن و حدیث میں مذکور ہیں وہ دو قسم کی ہیں۔

ایک وہ کہ جن کے معنی واضح اور ظاہر ہیں جیسے علم اور قدرت اور ارادہ اور کلام وغیرہ ایسی صفات کو صفات محکمات اور واضحات کہتے ہیں اس بارہ میں اہل حق کا اتفاق ہے کہ ان صفات کے ظاہری معنی پر اعتقاد رکھنا ضروری اور لازم ہے اور اس قسم کی صفات میں کسی قسم کی تاویل جائز نہیں۔

دوسری قسم وہ ہے کہ جس کے معنی میں خفاء اور ابہام ہے۔ محض لغوی معنی سے کوئی قطعی اور یقینی علم حاصل نہیں ہوتا۔ رائے اور قیاس یا کشف و الہام ان میں سے کسی کی بھی وہاں تک رسائی نہیں۔ جیسے وجہ (چہرہ) اور ید (ہاتھ) اور نفس اور عین (آنکھ) اور ساق (پنڈلی) اور قدم اور اصابع (انگلیاں) اور عرش پر مستوی ہونا۔ اس قسم کی صفات کو صفات متشابہات کہتے ہیں۔

صفات متشابہات کے بارے میں بعض فرقوں مثلاً معتزلہ اور مجسمہ (مشبہ) نے

اہل سنت کے خلاف روش کو اختیار کر کے افراط و تفریط اور راہ حق سے تجاوز کو اختیار کیا۔

فرقہ معتزلہ ان کے ظاہری معنی کو چھوڑ کر تاویلات کرتا ہے مثلاً ید سے قبضہ اور وجہ (چہرہ) سے اللہ کی ذات مراد لیتا ہے اور دلیل میں یہ آیت پیش کرتا ہے لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (اس کی مثل کوئی شے نہیں ہے) کہ اگر اس کے لئے ہاتھ اور منہ وغیرہ چیزیں ثابت ہوں تو اللہ تعالیٰ مخلوق کے مشابہ ہو جائے گا۔

فرقہ مشبہہ کہ جس کو مجسمہ بھی کہتے ہیں ان کا قول یہ ہے کہ ہاتھ منہ وغیرہ اعضاء جو آیات و احادیث میں آئے ہیں اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں اور وہ عرش پر ایسا ہی بیٹھا ہے کہ جس طرح کوئی بادشاہ دنیا میں اپنے تخت پر بیٹھتا ہے۔ مگر فرقہ مشبہہ کے اس عقیدہ کو آیت لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ بالکل رد کرتی ہے۔

اہل سنت و الجماعت کا قول یہ ہے کہ یہ صفات متشابہات کتاب و سنت میں جس طرح ثابت ہیں۔ ان کو اسی طرح تسلیم کیا جائے اور معتزلہ کی طرح تاویل نہ کی جائے اور مجسمہ کی طرح اللہ تعالیٰ کی تنزیہ اور تقدیس کا انکار نہ کیا جائے بلکہ ان کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دی جائے اور تنزیہہ و تقدیس کے لئے لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ زبان سے کہے اور دل سے اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہے لیکن ہماری طرح کا ہاتھ نہیں ہے اور اللہ کا چہرہ ہے لیکن ہماری طرح کا چہرہ نہیں ہے۔ بالفاظ دیگر یوں کہئے کہ اللہ کا ہاتھ ہے لیکن مخلوق کا سا نہیں بلکہ اللہ کی شایان شان ہے اور اس کی اصل حقیقت ہماری سمجھ سے بالاتر ہے بس اللہ ہی جانتے ہیں کہ وہ کیسا ہے۔ تمام سلف صالحین اور ائمہ اربعہ کا یہی عقیدہ ہے چنانچہ فقہ اکبر میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں فما ذكره الله تعالى من ذكر الوجه واليد و النفس و العين فهوله صفات ولا يقال ان يده قدرته و نعمته لان فيه ابطال الصفة وهو قول اهل القدر والاعتزال ولكن يده صفته بلا كيف انتهى یعنی قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے وجہ اور ید اور نفس اور عین کا ذکر کیا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی صفات

ہیں اور یہ نہ کہنا چاہئے کہ ید سے اللہ کی قدرت یا نعمت مراد ہے اس لئے کہ اس طور سے اللہ کی صفات کو باطل کرنا لازم آتا ہے اور یہ قول قدریہ و معتزلہ کا ہے بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ مثلاً ید اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے جو کم اور کیف سے پاک اور منزہ ہے۔ (اور حقیقت اس کی اللہ کو معلوم ہے)۔

اللہ تعالیٰ کی تمام صفات قدیم ہیں

جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات قدیم یعنی ازلی اور ہمیشہ ہمیشہ سے ہیں۔ اگر مخلوق نہ بھی پیدا ہوتی تو اس میں پیدا کرنے کی قدرت تو ضرور ہے اس وجہ سے خالق اس کی صفت قدیم ہے۔ اس کا خالق ہونا مخلوق کے پیدا ہونے پر موقوف نہیں بلکہ مخلوق کا پیدا ہونا اس کے خالق ہونے پر موقوف ہے۔ اگر اس میں پیدا کرنے کی صفت نہ ہوتی تو یہ مخلوق کیسے پیدا ہوتی۔

اللہ تعالیٰ کی صفات میں ترتیب نہیں ہے

یہ بھی جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں ترتیب نہیں ہے یعنی یہ کہنا درست نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی فلاں صفت پہلے ہے اور فلاں صفت بعد میں۔ اس کی تمام صفات ازلی اور قدیم ہیں۔ یہ کہنا درست نہیں کہ اس کا علم اس کی قدرت سے پہلے ہے یا اس کی قدرت اس کے علم کے بعد ہے یا اس کی حیات اس کے علم سے پہلے ہے۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ سے حیی اور علیم اور قدیر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات نہ عین ذات ہیں نہ غیر ذات ہیں

ایک کا دوسرے کے عین ہونے کا مطلب ہے کہ دونوں مفہوموں کا مصداق ہر اعتبار سے ایک ہی ہو۔

اور ایک کا دوسرے کے غیر ہونے کا مطلب ہے ان میں سے ایک دوسرے کے بغیر موجود ہو سکتا ہے۔

اس تفسیر کے مطابق ذات حق اور صفات میں نہ عینیت ہوئی نہ غیریت ہوئی۔

عینیت تو اس لئے نہ ہوئی کہ اس کے معنی ہیں دو چیزوں کا بالکل ایک ہونا اور چونکہ صفات ذات پر زائد ہوتی ہیں تو دونوں کا مصداق تمام اعتبارات سے ایک نہ ہوا لہٰذا صفات الٰہی ذات الٰہی کا عین نہ ہوئیں۔

اور غیریت اس لئے نہ ہوئی کہ یہاں ذات اور صفات دونوں میں سے ایک چیز بھی ایسی نہیں کہ دوسرے کے بغیر اس کا پایا جانا ممکن ہو۔ صفات تو ذات کے بغیر اس لئے موجود نہیں ہو سکتیں کہ صفات تابع ہوتی ہیں اور ذات متبوع ہوتی ہے اور تابع کا وجود متبوع کے بغیر محال ہے۔ اور ذات صفات کے بغیر اس لئے نہیں پائی جا سکتی کہ ذات الٰہی کا صفات کمال سے خالی ہونا لازم آتا ہے اور وہ محال ہے لہٰذا ایک دوسرے کے لئے لازم ہوا۔ اس لئے غیریت بھی نہ ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں

حق تعالیٰ کے اسماء یعنی اس کے نام توقیفی ہیں یعنی صاحب شریعت سے سننے پر موقوف ہیں۔ شریعت میں حق تعالیٰ کی ذات پر جس اسم کا اطلاق یعنی استعمال آیا ہے اس اسم کا استعمال جائز ہے اور جس اسم کا اطلاق نہیں آیا اس کا اطلاق نہیں کرنا چاہئے اگرچہ اس اسم میں کمال کے معنی پائے جانے کی وجہ سے عقلاً اس کا اطلاق درست ہو مثلاً اللہ تعالیٰ کو شافی' جواد اور عالم کہہ سکتے ہیں کیونکہ ان کا اطلاق شرع میں آیا ہے طبیب سخی اور عاقل نہیں کہہ سکتے کیونکہ ان کا اطلاق شرع میں نہیں آیا لیکن یہ ضابطہ ان اسماء میں ہے جو صفات اور افعال سے لئے گئے ہوں اسماء اعلام اور اسماء ذات میں نہیں ہے کیونکہ ہر زبان میں ذات الٰہی کے لئے کوئی لفظ موضوع اور مقرر ہے جیسے اردو اور فارسی میں خدا اور انگریزی میں بڑے G کے ساتھ God۔ البتہ یہود و نصاریٰ کے ہاں یا اور کافر قوموں میں جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے نام مقرر ہیں جیسا کہ یہود میں یہوواہ (Jehovah) اور فارسی میں ایزد اور ہندی میں نارائن یا بھگوان یا پرمیشر

ایسے ناموں سے یاد کرنے میں احتیاط کرنی چاہیے شاید یہ کسی ناجائز صفت کے لحاظ قرار دیئے گئے ہوں مگر ان کی بے ادبی اور بے تعظیمی بھی نہ کرنی چاہیے۔

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان للّٰہ تسعۃ و تسعین اسما من احصاھا دخل الجنۃ یعنی اللہ کے ننانوے نام ہیں جس نے ان کو محفوظ اور یاد کر لیا وہ جنت میں داخل ہوا۔ سو جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات بے شمار ہیں۔ لیکن یہ ننانوے نام' تمام اسماء حسنیٰ اور اعلیٰ صفات کی اصل ہیں کہ دنیا میں عقل کے نزدیک جس قدر صفات کمال متصور ہو سکتی ہیں وہ سب انہی ننانوے اسماء حسنیٰ کے تحت درج ہیں اور یہ ننانوے اسماء حسنیٰ بے شمار صفات کمالیہ کے لئے بمنزلہ اصل کے ہیں اور تمام صفات کمال کا خلاصہ اور اجمال ہیں اور حدیث میں احصاء سے محض زبانی یاد کر لینا مراد نہیں بلکہ ان کو سمجھنا اور ان کے معانی پر اعتقاد رکھنا مراد ہے۔ یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ ان تمام اسماء حسنیٰ اور اعلیٰ صفات کے ساتھ موصوف ہے تو جس شخص نے حق تعالیٰ کو تمام صفات کمالیہ کے ساتھ موصوف جانا وہ جنت میں داخل ہو گا۔

لہٰذا مسلمان کو چاہیے کہ اللہ کے ان ناموں کو یاد کرے اور ان کا ورد کرے اور ان ناموں سے اللہ کو پکارے اور اپنی طرف سے اللہ کا نیا نام نہ مقرر کرے اگرچہ بظاہر عقل کے نزدیک اس کا اطلاق درست ہو یا اس کے معنی اللہ کے نام کے مطابق ہوں۔

اسماء حسنیٰ

۱۔ اَللّٰہُ: معبود برحق اور موجود مطلق۔

یہ نام خدا تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔ غیر خدا پر اس کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ نہ حقیقتہً' نہ مجازاً۔

۲۔ اَلرَّحْمٰنُ: نہایت رحم والا۔

۳۔ اَلرَّحِیْمُ: بڑا مہربان۔

۴۔ اَلْمَلِکُ: بادشاہ حقیقی اپنی تدبیر اور تصرف میں مختار مطلق۔

۵۔ اَلْقُدُّوْسُ: تمام عیبوں اور برائیوں سے پاک اور منزہ' فضائل اور محاسن کا جامع اور معائب سے اور مخلوقات کی صفات سے معرا اور مبرا۔

۶۔ اَلسَّلَامُ: آفتوں اور عیبوں سے سالم اور سلامتی کا عطا کرنے والا بے عیب۔

۷۔ اَلْمُؤْمِنُ: مخلوق کو آفتوں سے امن دینے والا اور امن کے سامان پیدا کرنے والا۔

۸۔ اَلْمُهَيْمِنُ: ہر چیز کا نگہبان اور پاسبان۔

۹۔ اَلْعَزِیْزُ: عزت والا اور غلبہ والا کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور نہ کوئی اس پر غلبہ پا سکتا ہے۔

۱۰۔ اَلْجَبَّارُ: جبر اور قہر والا۔ ٹوٹے ہوئے کا جوڑنے والا اور بگڑے ہوئے کا درست کرنے والا کوئی اسے مجبور نہیں کر سکتا۔

۱۱۔ اَلْمُتَكَبِّرُ: انتہائی بلند اور برتر' یعنی بزرگ اور بے نیاز جس کے سامنے سب حقیر ہیں۔

۱۲۔ اَلْخَالِقُ: مشیت اور حکمت کے مطابق ٹھیک اندازہ کرنے والا اور اس کے مطابق پیدا کرنے والا۔ اس نے ہر چیز کی ایک خاص مقدار مقرر کر دی کسی کو چھوٹا اور کسی کو بڑا' اور کسی کو انسان اور کسی کو حیوان' کسی کو پہاڑ اور کسی کو پتھر اور کسی کو مکھی اور کسی کو مچھر' ہر ایک کی ایک خاص مقدار مقرر کر دی۔

۱۳۔ اَلْبَارِئُ: بلا کسی اصل کے اور بلا کسی خلل کے پیدا کرنے والا۔

۱۴۔ اَلْمُصَوِّرُ: طرح طرح کی صورتیں بنانے والا کہ ہر صورت دوسری صورت سے جدا اور ممتاز ہے۔

۱۵۔ اَلْغَفَّارُ: بڑا بخشنے والا اور عیبوں کا چھپانے والا اور پردہ پوشی کرنے والا۔

۱۶۔ اَلْقَهَّارُ: بڑا قہر اور غلبہ والا کہ جس کے آگے سب عاجز ہوں۔ ہر موجود اس کی قدرت کے سامنے مقہور اور عاجز ہے۔

۱۷۔ اَلْوَهَّابُ: بغیر غرض کے اور بغیر عوض کے بخشنے والا۔ بندہ بھی کچھ بخش دیتا ہے مگر اس کی بخشش ناقص اور ناتمام ہے۔ بندہ کسی کو کچھ روپیہ پیسہ دے سکتا ہے مگر صحت اور عافیت نہیں دے سکتا۔

۱۸۔ اَلرَّزَّاقُ: روزی دینے والا اور روزی کا پیدا کرنے والا رزق اور مرزوق سب اسی کی مخلوق ہے۔

۱۹۔ اَلْفَتَّاحُ: رزق اور صحت کا دروازہ کھولنے والا اور مشکلات کی گرہ کھولنے والا۔

۲۰۔ اَلْعَلِيْمُ: بہت جاننے والا جس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہو سکتی اس کا علم تمام کائنات کے ظاہر اور باطن کو محیط ہے۔

۲۱۔ اَلْقَابِضُ: تنگی کرنے والا۔

۲۲۔ اَلْبَاسِطُ: فراخی کرنے والا۔

یعنی رزق حسی اور معنوی کی تنگی اور فراخی سب اس کے ہاتھ میں ہے۔ کسی پر رزق کو فراخ کیا اور کسی پر تنگ کیا۔

۲۳، ۲۴۔ اَلْخَافِضُ، اَلرَّافِعُ: پست کرنے والا، اور بلند کرنے والا۔ جس کو چاہے پست کرے اور جس کو چاہے بلند کرے۔

۲۵، ۲۶۔ اَلْمُعِزُّ، اَلْمُذِلُّ: عزت دینے والا اور ذلت دینے والا۔ جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلت دے۔ جس کو چاہے ہدایت دے اور جس کو چاہے گمراہ کرے۔

۲۷۔ اَلسَّمِيْعُ: بہت سننے والا۔

۲۸۔ اَلْبَصِيْرُ: بہت دیکھنے والا۔

۲۹۔ اَلْحَكَمُ: حکم کرنے والا اور فیصلہ کرنے والا کوئی اس کے فیصلہ کو رد نہیں کر سکتا اور نہ کوئی اس کے فیصلہ پر تبصرہ کر سکتا ہے۔

۳۰۔ اَلْعَدْلُ: انصاف کرنے والا، اس کی بارگاہ میں ظلم اور جور و ستم عملاً" و فعلا" محال ہے۔

۳۱۔ اَللَّطِيْفُ: باریک بین اور نیکی اور نرمی کرنے والا۔ ایسی خفی اور باریک چیزوں کا ادراک کرنے والا جہاں نگاہیں نہیں پہنچ سکتیں۔

۳۲۔ اَلْخَبِيْرُ: بڑا ہی آگاہ اور باخبر ہے۔ ہر چیز کی حقیقت کو جانتا ہے۔ ہر چیز کی اس کو خبر ہے یہ ناممکن ہے کہ کوئی چیز موجود ہو اور خدا کو اس کی خبر نہ ہو۔

۳۳۔ اَلْحَلِيْمُ: بڑا ہی بردبار۔ علانیہ نافرمانی بھی اس کو مجرمین کی فوری سزا پر آمادہ نہیں کرتی۔ گناہوں کی وجہ سے وہ رزق نہیں روکتا۔

۳۴۔ اَلْعَظِيْمُ: بڑی ہی عظمت والا جس کے سامنے سب ہیچ ہیں۔

۳۵۔ اَلْغَفُوْرُ: بہت بخشنے والا۔

۳۶۔ اَلشَّكُوْرُ: بڑا قدر دان۔ تھوڑے عمل پر بڑا ثواب دینے والا۔

۳۷۔ اَلْعَلِيُّ: بلند مرتبہ کہ اس سے اوپر کسی کا مرتبہ نہیں۔

۳۸ - **اَلْكَبِيْرُ:** بہت بڑا کہ اس سے بڑا کوئی متصور نہیں۔

۳۹ - **اَلْحَفِيْظُ:** نگہبان۔ مخلوق کو آفتوں اور بلاؤں سے محفوظ رکھنے والا۔

۴۰ - **اَلْمُقِيْتُ:** مخلوق کو قوت یعنی غذا اور روزی دینے والا۔ روح اور جسم دونوں کو روزی دینے والا۔

۴۱ - **اَلْحَسِيْبُ:** ہر حال میں کفایت کرنے والا یا قیامت کے دن بندوں سے حساب لینے والا۔

۴۲ - **اَلْجَلِيْلُ:** بزرگ قدر۔ یعنی کمال استغناء اور کمال تقدس اور کمال تنزیہ کے ساتھ موصوف ہے۔

۴۳ - **اَلْكَرِيْمُ:** کرم اور بخشش والا۔ بغیر سوال کے اور بغیر وسیلہ کے عطا کرنے والا۔

۴۴ - **اَلرَّقِيْبُ:** نگہبان اور نگران کسی شے سے وہ غافل نہیں اور کوئی چیز اس کی نظر سے پوشیدہ نہیں۔

۴۵ - **اَلْمُجِيْبُ:** دعاؤں کا قبول کرنے والا۔ اور بندوں کی پکار کا جواب دینے والا۔

۴۶ - **اَلْوَاسِعُ:** فراخ علم والا اور فراخ نعمت والا۔ جس کا علم اور جس کی نعمت تمام اشیاء کو محیط ہے۔

۴۷ - **اَلْحَكِيْمُ:** حقائق اور اسرار کا جاننے والا جس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ اور حکمت کے معنی کمال علم کے ساتھ فعل اور عمل کا عمدہ اور پختہ ہونا ہے یعنی اس کا کام اور گفتار سب درست اور استوار ہے۔

۴۸ - **اَلْوَدُوْدُ:** نیک بندوں کو دوست رکھنے والا خیر کو اور احسان کو پسند کرنے

والا۔

۴۹ - **اَلْمَجِيْدُ:** ذات اور صفات اور افعال میں بزرگ اور شریف۔

۵۰ - **اَلْبَاعِثُ:** مردوں کو زندہ کر کے قبروں سے اٹھانے والا اور سوتے ہوؤں کو بستروں سے جگانے والا۔

۵۱ - **اَلشَّهِيْدُ:** حاضر و ناظر اور ظاہر و باطن پر مطلع اور بعض کہتے ہیں کہ امور ظاہرہ کے جاننے والے کو شہید کہتے ہیں اور مطلق جاننے والے کو علیم کہتے ہیں۔

۵۲ - **اَلْحَقُّ:** ثابت اور برحق یعنی جس کی خدائی اور شہنشاہی حق ہے اور اس کے سوا سب باطل اور ہیچ۔

۵۳ - **اَلْوَكِيْلُ:** کارساز جس کی طرف کسی نے اپنا کام سپرد کر دیا ہو۔ وہ اس کا کام بنانے والا ہے۔

۵۴ - **اَلْقَوِيُّ:** غیر متناہی قوت والا یعنی توانا اور زور والا جس کو کبھی ضعف لاحق نہیں ہوتا۔

۵۵ - **اَلْمَتِيْنُ:** استوار اور شدید القوت جس میں ضعف اور اضمحلال کا امکان نہیں اور اس کی قوت میں کوئی اس کا مقابل اور شریک نہیں۔

۵۶ - **اَلْوَلِيُّ:** مددگار اور دوست رکھنے والا یعنی اہل ایمان کا محب اور ناصر۔

۵۷ - **اَلْحَمِيْدُ:** سزاوار حمد و ثنا ذات و صفات اور افعال کے اعتبار سے ستودہ۔

۵۸ - **اَلْمُحْصِيُ:** کائنات عالم کی مقدار اور شمار کو جاننے والا۔ زمین کے ذرے اور بارش کے قطرے اور درختوں کے پتے اور انسانوں اور حیوانوں کے سانس سب اس کو معلوم ہیں۔

۵۹۔ اَلْمُبْدِئُ: پہلی بار پیدا کرنے والا اور عدم سے وجود میں لانے والا۔

۶۰۔ اَلْمُعِیْدُ: دوبارہ پیدا کرنے والا۔ پہلی بار بھی اسی نے پیدا کیا اور قیامت کے دن بھی وہی دوبارہ پیدا کرے گا اور معدومات کو دوبارہ ہستی کا لباس پہنائے گا۔

۶۱۔ اَلْمُحْیِیُ: زندہ کرنے والا۔

۶۲۔ اَلْمُمِیْتُ: مارنے والا۔
جسمانی اور روحانی ظاہری اور باطنی موت اور حیات کا مالک جس نے ہر ایک کی موت اور حیات کا وقت اور اس کی مدت مقرر اور مقدر کر دی۔

۶۳۔ اَلْحَیُّ: بذات خود زندہ اور قائم بالذات جس کی حیات کو کبھی زوال نہیں۔

۶۴۔ اَلْقَیُّوْمُ: کائنات عالم کی ذات و صفات کا قائم رکھنے والا اور تھامنے والا یعنی تمام کائنات کا وجود اور ہستی اس کے سہارے سے قائم ہے۔

۶۵۔ اَلْوَاجِدُ: غنی اور بے پروا کہ کسی چیز میں کسی کا محتاج نہیں' یا یہ معنی کہ اپنی مراد کو پانے والا جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔

۶۶۔ اَلْمَاجِدُ: بڑی بزرگی والا بزرگ مطلق۔

۶۷۔ اَلْوَاحِدُ: ایک کوئی اس کا شریک نہیں۔

۶۸۔ اَلْاَحَدُ: ذات و صفات میں یکتا اور یگانہ۔ یعنی بے مثال اور بے نظیر۔
(احد کا لفظ ترمذی کی روایت میں اور بیہقی کی دعوات کبیر میں نہیں آیا ہے۔ البتہ ابن ماجہ کی روایت میں یہ لفظ آیا ہے۔ (دیکھو شرح کتاب الاذکار ص ۱۱۵ جلد ۳)

۶۹۔ اَلصَّمَدُ: سردار کامل سب سے بے نیاز اور سب اس کے محتاج۔ یعنی ذات و صفات کے اعتبار سے ایسا کامل مطلق کہ وہ کسی کا محتاج نہ ہو اور سب اس کے محتاج ہوں۔

۷۰۔ اَلْقَادِرُ: قدرت والا۔ اسے اپنے کام میں کسی آلہ کی ضرورت نہیں عجز اور لاچارگی سے پاک اور منزہ۔

۷۱۔ اَلْمُقْتَدِرُ: بذات خود کامل القدرت کسی چیز کے کرنے میں اسے دشواری نہیں اور کسی میں یہ قدرت نہیں کہ اس کی قدرت میں مزاحمت کر سکے۔

۷۲' ۷۳۔ اَلْمُقَدِّمُ' اَلْمُؤَخِّرُ: دوستوں کو آگے کرنے والا اور دشمنوں کو پیچھے کرنے والا۔

۷۴۔ اَلْاَوَّلُ: سب سے پہلا یعنی اس سے پہلے کوئی موجود نہ تھا اور اس کے سوا جو موجود ہوا اس کو اسی کی بارگاہ سے وجود ملا۔

۷۵۔ اَلْاٰخِرُ: سب سے پچھلا۔

۷۶۔ اَلظَّاهِرُ: آشکارا

۷۷۔ اَلْبَاطِنُ: پوشیدہ
یعنی بلحاظ دلائل قدرت کے آشکارا ہے کہ ہر ذرہ اس کے کمال قدرت پر دلالت کرتا ہے۔ اور باعتبار کنہ اور حقیقت کے پوشیدہ ہے۔

۷۸۔ اَلْوَالِیُ: کار ساز اور مالک اور تمام کاموں کا متولی اور منتظم۔

۷۹۔ اَلْمُتَعَالِ: عالی شان اور بہت بلند اور برتر' کہ جہاں تک کوئی نہ پہنچ سکے۔

۸۰۔ اَلْبَرُّ: نیکی اور احسان کرنے والا نیکوکار۔

۸۱۔ اَلتَّوَّابُ: توبہ قبول کرنے والا' اور توجہ کرنے والا۔

۸۲ ۔ اَلْمُنْتَقِمُ: سرکشوں سے بدلہ لینے والا۔

۸۳ ۔ اَلْعَفُوُّ: گناہوں اور تقصیروں سے بڑا درگزر کرنے والا اور گناہوں کو مٹا دینے والا۔

۸۴ ۔ اَلرَّءُوْفُ: بڑا ہی مہربان جس کی رحمت کی غایت اور نہایت نہیں۔

۸۵ ۔ مَالِکُ الْمُلْکِ: خداوند جہان ملک کا مالک جس طرح چاہے تصرف کرے کوئی اس کے حکم اور تصرف کو نہ روک سکے۔

۸۶ ۔ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ: صاحب عظمت و جلال جس کا حکم جاری اور نافذ ہے اور اس کی اطاعت لازم ہے اور اپنے فرمانبردار بندوں کی تعظیم و تکریم کرنے والا اور ان کو عزت دینے والا اور ان پر کرم کرنے والا جس کے پاس جو عزت اور کرامت ہے وہ اسی کا عطیہ ہے۔

۸۷ ۔ اَلْمُقْسِطُ: عادل اور منصف مظلوم کا ظالم سے بدلہ لیتا ہے۔

۸۸ ۔ اَلْجَامِعُ: تمام متفرق چیزوں کو جمع کرنے والا جس نے اپنی قدرت و حکمت سے جسم انسانی اور حیوانی میں عناصر متضادہ کو جمع کر دیا۔

۸۹ ۔ اَلْغَنِیُّ: بے پرواہ اسے کسی کی حاجت نہیں اور کوئی اس سے مستغنی نہیں۔

۹۰ ۔ اَلْمُغْنِیُّ: مخلوق کو بے پرواہ کرنے والا یعنی وہ خود بے نیاز ہے اور جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے حسب حکمت و مصلحت اس کو بے پروا کر دیتا ہے اور بقدر ضرورت اس کو دے دیتا ہے۔

۹۱ ۔ اَلْمَانِعُ: روکنے والا اور باز رکھنے والا جس چیز کو وہ روک لے کوئی اس کو دے نہیں سکتا۔

۹۲ ، ۹۳ ۔ اَلضَّارُّ ، اَلنَّافِعُ: ضرر پہنچانے والا۔ نفع پہنچانے والا یعنی نفع اور

ضرر سب اس کے ہاتھ میں ہے۔ خیر و شر اور نفع و ضرر سب اس کی طرف سے ہے۔

۹۴ ۔ اَلنُّوْرُ: وہ بذات خود ظاہر اور روشن ہے اور دوسروں کو ظاہر اور روشن کرنے والا ہے۔ نور اس چیز کو کہتے ہیں کہ جو ظاہر بنفسہ ہو اور دوسرے کے لئے مظہر ہو۔ آسمان و زمین سب ظلمت عدم میں مستور تھے۔ اللہ نے ان کو عدم کی ظلمت سے نکال کر نور وجود عطا کیا۔ جس سے سب ظاہر ہو گئے اس لئے وہ نور السموت والارض ہے

۹۵ ۔ اَلْهَادِیْ: راہ دکھانے والا، اور بتلانے والا اور چلانے والا کہ یہ راہ سعادت ہے اور یہ راہ شقاوت ہے۔

۹۶ ۔ اَلْبَدِیْعُ: بے مثل اور بے نمونہ عالم کا پیدا کرنے والا۔

۹۷ ۔ اَلْبَاقِیْ: ہمیشہ ہمیشہ رہنے والا یعنی دائم الوجود جس کو کبھی فنا نہیں اور اس کے وجود کی کوئی انتہا نہیں۔ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے۔ ماضی کے اعتبار سے وہ قدیم ہے اور مستقبل کے لحاظ سے وہ باقی ہے ورنہ اس کی ذات کے لحاظ سے وہاں نہ ماضی ہے اور نہ مستقبل ہے اور وہ بذات خود باقی ہے اور جنت و جہنم کو جو دوام اور بقاء ہے وہ اس کے باقی رکھنے سے ہے۔

۹۸ ۔ اَلْوَارِثُ: تمام موجودات کے فنا ہو جانے کے بعد سب کا وارث اور مالک جب سارا عالم فنا کے گھاٹ اتار دیا جائے گا تو وہ خود ہی فرمائے گا لمن الملک الیوم اور خود ہی جواب دے گا للہ الواحد القہار۔

۹۹ ۔ اَلرَّشِیْدُ: رہنمائے عالم یعنی دینی اور دنیوی مصلحتوں میں عالم کا رہنما اور اس کا ہر تصرف عین رشد اور عین صواب اور اس کی ہر تدبیر نہایت درست ہے۔

۱۰۰ ۔ اَلصَّبُوْرُ: بڑا صبر کرنے والا کہ نافرمانوں کے پکڑنے اور سزا دینے میں دشمنوں سے انتقام لینے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ ان کو مہلت دیتا ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جن کے ساتھ اسم اللہ مل کر سو کا عدد پورا ہو جاتا ہے اور جنت کے سو درجے ہیں سو جو ان اسماء حسنیٰ کو یاد کرے اور ان کے معانی کو سمجھ کر دل میں یہ یقین کرے کہ اللہ تعالیٰ ان صفات کمالیہ کے ساتھ موصوف ہے۔ اور ان ناموں کے ذریعہ سے اللہ کو یاد کرے اور ان کے ذریعے اپنے حاجتیں مانگے۔ یعنی جو نام اس کی حاجت اور ضرورت کے مناسب ہو اس نام کے ذریعہ اللہ سے دعا کرے مثلاً جو روزی کا حاجت مند ہو وہ یا رزاق کہہ کر دعا مانگے اور طالب علم دین یا علیم کہہ کر دعا مانگے اور گم گشتہ راہ یا ہادی کہہ کر دعا مانگے وغیرہ وغیرہ۔ جو ایسا کرے گا وہ بہشت میں داخل ہو گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے یہ ننانوے نام ترمذی وغیرہ کی روایت میں آئے ہیں جن میں سے اکثر قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ جاننا چاہیے کہ اللہ کے اسماء و صفات بے شمار ہیں مگر مشہور حدیثوں میں ان ننانوے ناموں کا ذکر آیا ہے۔ اس لئے ہم نے ان پر اکتفاء کیا کیونکہ یہ ننانوے نام تمام صفات کمالیہ کی اصل اور جڑ ہیں۔ باقی ان کے علاوہ اور بھی اللہ کے کچھ نام ہیں جو قرآن و احادیث میں وارد ہوئے ہیں۔ مثلاً قاہر اور شاکر اور دائم اور قدیم اور وتر اور فاطر اور علام اور ملیک اور اکرم اور مدبر اور رفیع اور ذی الطول اور ذی المعارج اور ذی الفضل اور خلاق اور سید اور حنان اور منان اور دیان وغیرہ وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں

حق تعالیٰ ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ قرآن پاک میں ہے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (اے نبی خبر دیجئے کہ اللہ ایک ہے) وحدت کی ایک دلیل جو خود قرآن پاک میں ذکر کی گئی ہے یہ ہے

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا

اس کی تفصیل یہ ہے کہ عبادت نام ہے کامل تذلل کا اور کامل تذلل صرف اسی ذات کے سامنے اختیار کیا جا سکتا ہے جو اپنی ذات و صفات میں ہر طرح کامل ہو۔ اس کو

ہم اللہ یا خدا کہتے ہیں۔ ضروری ہے کہ خدا کی ذات ہر قسم کے عیوب و نقائص سے پاک ہو۔ نہ وہ کسی حیثیت سے ناقص ہو نہ بیکار' نہ عاجز ہو' نہ مغلوب نہ کسی دوسرے سے دبے نہ کوئی اس کے کام میں روک ٹوک کر سکے۔ اب اگر فرض کیجئے آسمان و زمین میں دو خدا ہوں تو دونوں اسی شان کے ہوں گے۔ اس وقت دیکھنا یہ ہے کہ عالم کی تخلیق اور علویات و سفلیات کی تدبیر دونوں کے کلی اتفاق سے ہوتی ہے یا گاہ بگاہ باہم اختلاف بھی ہو جاتا ہے۔ اتفاق کی صورت میں دو احتمال ہیں۔ یا تو اکیلے ایک سے کام نہیں چل سکتا تھا اس لئے دونوں نے مل کر انتظام کیا تو معلوم ہوا کہ دونوں میں سے ایک بھی کامل قدرت والا نہیں اور اگر تنہا ایک سارے عالم کا کام کامل طور پر سرانجام کر سکتا تھا تو دوسرا بیکار ٹھہرا حالانکہ خدا کا وجود اس لئے ماننا پڑا ہے کہ اس کو مانے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں ہو سکتا (کہ اس کے بغیر کارخانہ عالم نہیں چلتا) اور اگر اختلاف کی صورت فرض کریں تو لامحالہ مقابلہ میں یا ایک مغلوب ہو کر اپنے ارادہ اور تجویز کو چھوڑ بیٹھے گا تو وہ خدا نہ رہا۔ اور یا دونوں بالکل مساوی و متوازی طاقت سے ایک دوسرے کے خلاف اپنے ارادہ اور تجویز کو عمل میں لانا چاہیں گے اول تو (معاذ اللہ) خداؤں کی اس رسہ کشی میں سرے سے کوئی چیز موجود ہی نہ ہو سکے گی اور موجود چیز پر زور آزمائی ہونے لگی تو اس کشمکش میں ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو جائے گی۔ یہاں سے یہ نتیجہ نکلا کہ اگر آسمان و زمین میں دو خدا ہوتے تو آسمان و زمین کا یہ نظام کبھی کا درہم برہم ہو جاتا ورنہ ایک خدا کا بیکار یا ناقص و عاجز ہونا لازم آتا جو خلاف مفروض ہے۔

اگر یہ شق نکالی جائے کہ دونوں خدا باوجود کامل قدرت ہونے کے آپس میں اتفاق کر لیں اور کام بانٹ لیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ کوئی بھی وصف ہو وہ اپنا کامل ظہور چاہتا ہے اور صاحب وصف کے وصف کی معرفت بھی فقط اتنی ہوتی ہے جتنا اس کا ظہور ہوتا ہے۔ اگر مجوسیوں کے عقیدے کے مطابق یزداں کو خالق خیر اور اہرمن کو خالق شر مانیں تو یہ کیونکر معلوم ہو گا کہ یزداں میں بھی شر کو پیدا کرنے کی اتنی ہی

قوت موجود ہے جتنی کہ اہرمن میں ہے۔ لہٰذا یہ ضروری ہو گا کہ اگر دو خدا ہوں اور ہر ایک کامل قدرت رکھتا ہو تو ان میں سے ہر ایک اپنی پوری قوت کا اظہار کرے۔ اور ہر ایک کی کامل قوت و قدرت کا اظہار اس طرح ہو گا کہ وہ دوسرے کے مخالف کام کرے۔ اور اس صورت میں فساد و خرابی کا برپا ہونا ظاہر ہے۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ خدا کا کوئی شریک نہیں ہے تو اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ خدا کے لئے نہ کوئی بیٹا ہو سکتا ہے اور نہ بیٹی اس لئے کہ اولاد باپ کی ہم جنس اور ہم نوع ہوتی ہے۔ زید اگرچہ باپ کا غیر ہے مگر انسانیت میں اس کا شریک ہے۔ اس طرح اگر خدا کا بیٹا ہو تو وہ بھی خدائی میں خدا تعالیٰ کا شریک ہو گا اور خدا کی طرح وہ بھی ایک خدا ہو گا۔ اس لئے ارشاد ہے۔ سُبْحَانَهٗ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ

اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات قدیم ہیں

اللہ تعالیٰ قدیم ہے اور ازلی ہے وہ ہمیشہ سے ہے۔ اس کے وجود کی کوئی ابتداء نہیں ہے۔ یہ نہیں کہ کبھی پہلے نہ تھا پھر پیدا ہو گیا چنانچہ قرآن پاک میں ہے هُوَالْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ یعنی وہ اللہ تعالیٰ اول حقیقی ہے کہ اس کے لئے ابتداء نہیں اور آخر حقیقی ہے کہ اس کے لئے انتہا نہیں ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وجود ضروری ہے اور اسی کی ذات کا تقاضا ہے تو اگر عدم کے بعد وجود حاصل ہوا ہو تو یا تو کسی احتیاج کی بنا پر ایسا ہو گا کہ جب وہ احتیاج پوری ہو گئی تو وجود حاصل ہو گیا لیکن ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر قسم کی احتیاج اور نقص سے پاک ہے ورنہ یہ اعتراض ہو گا کہ اس وقت کو اس سے پہلے اوقات پر کیوں ترجیح حاصل ہوئی کہ بغیر کسی وجہ کے پہلے وجود حاصل نہیں ہوا۔ اور یہ بات ماقبل کے ہر وقت کے بارے میں کہی جا سکتی ہے لہٰذا ضروری ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہمیشہ ہمیشہ سے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے علاوہ کسی اور شے کے لئے ازلیت اور قدم ثابت نہیں ہے۔

امہات صفات (صفات ذاتیہ)

۱۔ صفت حیات

اللہ تعالیٰ حیی ہیں یعنی زندہ ہیں اور صفت حیات ان کے لئے ثابت ہے جیسا کہ قرآن میں آیا ہے هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ یعنی وہ زندہ ہے اور ہر چیز کا قائم رکھنے والا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جو زندہ نہ ہو وہ عالم کو نہیں بنا سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی حیات ازلی و ابدی ہے جہاں موت اور فنا اور عدم کا کہیں گزر نہیں۔

۲۔ صفت قدرت

اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے قدرت والا ہے کوئی شے اس کی قدرت سے باہر نہیں ہے۔ کسی راہ سے وہاں عجز کا گزر نہیں ہے۔ قرآن پاک میں ہے اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ موجود کو معدوم اور معدوم کو موجود کر سکتا ہے۔

قدرت کا تعلق ممکنات کے ساتھ ہوتا ہے یعنی ان چیزوں کے ساتھ ہوتا ہے جن میں وجود اور عدم دونوں کی صلاحیت ہو۔ رہیں وہ چیزیں جن کا وجود عقلاً لازم اور ضروری ہو اور ان کا عدم محال ہو جیسے واجب الوجود یعنی خود ذات الٰہی اور صفات ایسی تو ایسی چیزوں کے ساتھ قدرت کا تعلق نہیں ہوتا۔ اس کی یہ وجہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں کچھ کمی ہے بلکہ یہ وجہ ہے کہ ان چیزوں میں اثر قبول کرنے کی صلاحیت اور قابلیت ہی نہیں ہے کیونکہ وہ واجب الوجود ہی کیا ہوا جس میں کسی کی تاثیر اثر کر سکے۔ اسی طرح وہ چیزیں جو عقلاً محال ہیں یعنی جن چیزوں کا عدم عقلاً ضروری اور لازم ہے اور ان کا وجود عقلاً ناممکن اور محال ہے جیسے اجتماع نقیضین (مثلاً زید کے وجود اور عدم کا ایک ہی وقت اور ایک ہی حالت میں جمع ہونا) تو ایسے

محالات سے بھی قدرت متعلق نہیں ہوتی اس لئے کہ محالات میں بھی اثر قبول کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔

خلاصہ کلام یہ کہ قدرت کا تعلق ممکنات کے ساتھ ہوتا ہے واجبات اور محالات کے ساتھ نہیں ہوتا لہٰذا اگر کوئی یہ سوال کرے کہ کیا خدا تعالیٰ کسی واجب الوجود کو معدوم اور کسی محال کو موجود کر سکتا ہے تو جواب میں یہ کہا جائے گا کہ قدرت اور ارادہ کو واجبات اور محالات سے کوئی سروکار ہی نہیں۔ مگر یہ کہنا کہ اللہ کو اس پر قدرت نہیں یہ بے ادبی اور گستاخی ہے اللہ تعالیٰ عجز سے پاک اور منزہ ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کا علم واجب اور محال سب سے متعلق ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے لئے خدائی عقلاً لازم اور ضروری ہے مگر خدا کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنی خدائی کو ختم کر دے اور خدا نہ رہے یا معاذ اللہ خدا اپنے علم کو ختم کر دے اور علم کو اپنے سے جدا کر کے علم سے خالی ہو جائے۔ یہ باتیں عقلاً محال ہیں قدرت ایسی چیزوں سے متعلق نہیں ہوتی۔

قبائح مثلاً وعدہ وعید کے خلاف کرنا اور خلاف واقعہ بیان کرنا بھی ممکنات میں سے ہیں محالات میں سے نہیں ہیں لہٰذا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت شامل ہیں البتہ اللہ تعالیٰ نہ ان کو کبھی کرتا ہے اور نہ کبھی کرے گا۔

اس کا بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرعون و ہامان اور ابولہب کے متعلق جو یہ فرمایا ہے کہ وہ دوزخی ہیں تو یہ حکم قطعی ہے۔ اس کے خلاف کبھی نہ کرے گا لیکن اللہ ان کو جنت میں داخل کرنے پر قادر ضرور ہے عاجز نہیں ہے۔ ہاں البتہ اپنے اختیار سے ایسا نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (سورہ سجدہ: ۱۳)

ترجمہ: اور اگر ہم چاہتے تو عطا کر دیتے ہر جی کو اس کی ہدایت لیکن پکی ہو چکی میری کہی بات کہ مجھ کو بھرنی ہے دوزخ جنوں اور آدمیوں سے اکٹھے

جو بات پکی ہو چکی تھی یہ وہ تھی جو اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے دعوے لَأُغْوِيَنَّهُمْ

أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ (میں گمراہ کروں گا ان سب کو مگر جو بندے ہیں تیرے ان میں چنے ہوئے) کے جواب میں فرمایا فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ أَقُولُ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ (تو ٹھیک بات یہ ہے اور میں ٹھیک ہی کہتا ہوں میں ضرور بھروں گا جہنم کو تجھ سے اور ان میں سے جو تیری راہ پر چلے ان سب سے) سورہ ص: ۸۵۔ ۸۳)

جہنم کو انسانوں اور جنوں سے بھرنے کے قول کے باوجود یہ فرمانا وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا (اور اگر ہم چاہتے تو عطا کر دیتے ہر جی کو اس کی ہدایت) پس اس آیت سے ظاہر ہو گیا کہ اگر اللہ چاہتا تو سب کو مومن بنا دیتا لیکن وہ اپنے قول کے خلاف نہیں کرتا۔ معلوم ہوا کہ اپنے قول کے خلاف کرنے کی اسے قدرت ہے لیکن وہ قدرت کے باوجود خلاف کرتا نہیں ہے۔ مذکورہ قبائح کے محال اور ممتنع نہ ہونے کی مندرجہ ذیل تصریحات ہیں۔

۱۔ ارشاد الٰہی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام روز محشر عرض کریں گے۔

إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (سورہ المائدہ ۔ ۱۱۸)

اگر آپ ان کو سزا دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں اور آپ ان کو معاف فرما دیں تو آپ زبردست ہیں حکمت والے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر آپ ان کو ان کی بدعقیدگی یعنی شرک پر سزا دیں تو جب بھی آپ مختار ہیں کیونکہ یہ آپ کے بندے ہیں اور آپ ان کے مالک ہیں اور مالک کو حق ہے کہ بندوں کو ان کے جرائم پر سزا دے۔ اور آپ ان کو معاف فرما دیں تو جب بھی آپ مختار ہیں کیونکہ آپ زبردست قدرت والے ہیں تو معافی پر بھی قادر ہیں اور حکمت والے بھی ہیں اور آپ کی معافی بھی حکمت کے موافق ہو گی اس لئے اس میں کوئی قبح نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اپنا یہ ضابطہ ذکر فرمایا ہے إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ (اللہ اس کو معاف نہیں فرمائیں گے کہ ان کے ساتھ شرک کیا جائے) تو

شرک پر عدم مغفرت کی وعید ذکر کی۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام عرض کر رہے ہیں کہ اگر آپ اپنے ضابطہ اور وعید کے مطابق ان کو سزا دیں تو جب بھی آپ مختار ہیں اور اگر ضابطہ اور وعید کے برخلاف آپ بالفرض ان کو معاف فرمادیں تو جب بھی آپ مختار ہیں کیونکہ آپ زبردست قدرت والے ہیں جس میں معافی بھی شامل ہے۔

علامہ بیضاوی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر کے تحت لکھتے ہیں۔

وَعَدَمُ غُفْرَانِ الْمُشْرِكِ مُقْتَضِی الْوَعِیْدُ فَلَا اِمْتِنَاعَ فِیْهِ لِذَاتِهٖ

یعنی مشرک کی عدم مغفرت وعید کا تقاضا ہے اور وعید کی وجہ سے ہے۔ اس کی یہ وجہ نہیں ہے کہ (مشرک کی مغفرت) اپنی ذات کے اعتبار سے محال اور ممتنع ہے۔

۲۔ شرح مواقف میں ہے۔

لَا یُقَالُ اِنَّهٗ یَسْتَلْزِمُ جَوَازَهُمَا وَهُوَ اَیْضًا مَحَالٌ لِاَنَّا نَقُوْلُ اِسْتِحَالَتُهٗ مَمْنُوْعَةٌ کَیْفَ وَهُمَا مِنَ الْمُمْکِنَاتِ الَّتِیْ تَشْتَمِلُهَا قُدْرَتُهٗ تعالیٰ

کوئی یوں نہ کہے کہ اچھا خلف وعید (وعید کا خلاف ہونا) اور کذب کا جواز لازم آئے گا جو کہ محال ہے کیونکہ ہم ان کا محال ہونا نہیں مانتے اور محال کیونکر ہو سکتے ہیں جب کہ خلف اور کذب ان ممکنات میں داخل ہیں جن کو قدرت باری تعالیٰ شامل ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ان قبائح کو بھی عام ہونا اور شامل ہونا اہلسنت کا مذہب ہے۔

مسامرہ شرح مسایرہ میں ہے۔

اما ثبوتها ای القدرة علی ماذکر ثم الامتناع عن متعلقها اختيارا فهو بمذهب الاشاعرة اليق۔

افعال مذکورہ (یعنی ظلم و کذب وغیرہ) پر قدرت تو ہو مگر باختیار خود ان کا ارتکاب نہ کیا جائے یہ قول مذہب (اہلسنت) اشاعرہ کے زیادہ مناسب ہے۔

۳۔ صفت ارادہ و مشیئت

یعنی اللہ تعالیٰ کو صفت ارادہ حاصل ہے کہ جس سے موجود یا معدوم کرنے میں کسی مقدور کو جس وقت چاہے اور جس طرح چاہے خاص کر لیتا ہے۔ لہٰذا جو بھی چیز ہوتی ہے اسی کے ارادے سے ہوتی ہے۔ اس نے ازل میں جو ارادہ کر لیا تھا اب اسی کے مطابق ہو رہا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ یعنی جس چیز کا وہ ارادہ کرتا ہے اس کو کر لیتا ہے یہ نہیں کہ وہ کسی چیز کا ارادہ کرے پھر وہ چیز نہ ہو ورنہ عجز لازم آئے گا۔ اس لئے کہ یہ عالم کہ جس کے نظام سے عقلاء کی عقلیں حیران اور اس میں یہ گوناگوں عجائب کہ جن سے حکماء سرگردان ہیں بغیر ارادے کے پیدا کرنا محال ہے کیونکہ جو افعال کہ ارادے کے بغیر خود بخود مثل مرتعش کے ہاتھ کی حرکت کے سرزد ہوتے ہیں ان میں یہ عجیب و غریب نظام و انتظام نہیں ہوتا۔

غرض عالم کی کوئی چیز اللہ کے ارادہ اور مشیئت سے باہر نہیں ہے۔ اللہ جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔ ملائکہ اور شیاطین اور جن اور انس میں جو ارادہ ہے وہ اسی کا پیدا کردہ ہے۔ مخلوق کا ارادہ اللہ کے ارادے اور مشیئت کے ماتحت ہے۔ قرآن پاک میں فرمایا وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ (سورہ تکویر: ۲۹) تم بدون خدائے رب العالمین کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے ہو۔

اس پر اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ جب پہلے ارادۂ خداوندی ہوتا ہے کہ بندہ یوں ارادہ کرے اس کے بعد بندہ ارادہ کرتا ہے تو اگر بندے کا ارادہ قبیح ہے تو اس کا موثر یعنی ارادہ خداوندی بھی قبیح ہونا چاہئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ارادہ خداوندی ہزاروں مصلحتوں پر مشتمل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ حکیم ہیں اور حکیم کا کوئی ارادہ اور فعل حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہوتا اس لئے وہ قبیح نہیں جب کہ بندے کا فعل مفاسد کی وجہ سے قبیح ہوتا ہے۔ اس پر اگر یہ شبہ ہو کہ گو ارادۂ خداوندی میں کوئی قباحت لازم نہیں آئی مگر بندہ کا غیر مختار ہونا تو لازم آگیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ

ارادۂ خداوندی خاص اس طریق سے متعلق ہوا ہے کہ بندہ باختیار خود یہ فعل کرے گا لہٰذا بندے کے ارادہ اور اختیار کو تو اور زیادہ تاکید حاصل ہو گئی اور اس کا ثبوت اور پختہ ہو گیا نہ یہ کہ بندے کا ارادہ سرے سے کالعدم ہو گیا۔

نوٹ: اس بارے میں مزید تفصیل آئندہ آئے گی۔

غرض تمام کائنات پردۂ عدم میں تھیں۔ خدا تعالیٰ نے اپنے ارادہ اور اختیار سے ان کے وجود کو ان کے عدم پر ترجیح دی اور ان کے وجود کے لئے ایک زمانہ معین کر دیا۔ اس کے ارادہ کے مطابق کائنات عالم اپنے اپنے وقت میں اس کے حکم سے وجود میں آئیں۔

۴۔ صفت کلام

اللہ تعالیٰ متکلم ہے یعنی کلام اس کی صفت ہے اور قدیم اور ازلی ہے اور اس کی ذات کے ساتھ قائم اور موجود ہے لیکن اس کا کلام ہمارے کلام کی طرح نہیں۔

اہل حق کے نزدیک جو کلام خدا کی صفت ہے وہ حروف و آواز سے مرکب نہیں بلکہ وہ ایک صفت ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور اس کو کلام نفسی کہتے ہیں کیونکہ کلام اصل میں مضمون اور معانی کو کہتے ہیں چنانچہ اخطل شاعر کہتا ہے۔

ان الکلام لفی الفواد و انما
جعل اللسان علی الفواد دلیلا

کلام دل میں ہوتا ہے اور زبان تو محض اس دل کے مضمون پر دلالت کرتی ہے۔

ہم لوگ دل کے اس مضمون کو کبھی زبان سے ادا کرتے ہیں کبھی لکھ کر بتا دیتے ہیں اور کبھی اشاروں سے ظاہر کرتے ہیں ہم کلام کی ادائیگی یعنی تکلم میں مخارج اور حروف اور صوت (یعنی آواز) کے محتاج ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہیں وہ ہماری طرح حروف و آواز سے تکلم نہیں فرماتے۔ البتہ بندے چونکہ اپنی قراءت اور تلاوت میں اور اپنی سماعت میں حروف اور صوت کے محتاج ہوتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے

قرآن کو (جو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے) حروف اور کلمات کے لباس میں نازل کیا تاکہ بندے اس کو پڑھ سکیں اور سن سکیں۔

حضرت امام مجدد الف ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرف اور آواز کا لباس دے کر ہمارے پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام پر نازل فرمایا ہے اور بندوں کو اس کے ساتھ امر و نہی کا مخاطب بنایا ہے جس طرح ہم اپنے نفسی کلام کو زبان کے ذریعہ حرف اور آواز کے لباس میں لا کر ظاہر کرتے ہیں اور اس طرح اپنے پوشیدہ مطالب و مقاصد کو عرصہ ظہور میں لاتے ہیں اسی طرح حق تعالیٰ شانہ نے اپنے کلام نفسی کو بغیر زبان کے وسیلہ کے محض اپنی قدرت کاملہ سے حروف اور آواز کا لباس عطا فرما کر اپنے بندوں پر بھیجا ہے اور اپنے پوشیدہ اوامر و نواہی کو حروف اور آواز کے ضمن میں لا کر ظہور کے میدان میں جلوہ گر کیا ہے۔ پس کلام کی دونوں قسمیں یعنی کلام نفسی اور کلام لفظی حقیقتہ" حق تعالیٰ کا کلام ہیں اور دونوں قسموں پر کلام کا اطلاق حقیقت کے طور پر ہے جس طرح کہ ہمارے کلام کی دونوں قسمیں نفسی اور لفظی حقیقت کے طور پر ہمارا کلام ہیں نہ یہ کہ قسم اول (کلام نفسی) تو حقیقت ہے اور دوسری قسم (یعنی لفظی) مجاز ہے۔

غرض کلام الٰہی کا اطلاق دو معنی پر ہوتا ہے۔ اول یہ کہ کلام اللہ تعالیٰ کی ایک صفت بسیط ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور اس کے قدیم ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ کلام سے وہ کلمات مراد لئے جاتے ہیں جن کو حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے کلام نفسی کے لئے بطور لباس مقرر فرمایا ہے۔ قرآن کو اللہ کا کلام اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ کلمات پر مشتمل ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے کلام نفسی کے لیے بطورِ لباس ہیں۔ بالفاظِ دیگر ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ قرآن الفاظ اور معانی کے مجموعہ کا نام ہے۔ البتہ قرآن کی قرآت اور سماعت اور کتابت یہ حادث اور مخلوق ہے اس

لئے کہ قراءت اور سماعت اور کتابت یہ بندے کے افعال ہیں اور بندے کے افعال حادث اور مخلوق ہیں۔

۵۔ صفت سمع

یعنی اس کو شنوائی اور سننے کا وصف حاصل ہے۔ وہ تمام مخلوق کی بیک وقت دعا اور آواز کو سنتا ہے اور ایک بات کا سننا اس کو دوسری بات کے سننے سے مانع نہیں ہوتا اور عالم کی مختلف زبانیں اس کو اشتباہ میں نہیں ڈالتیں۔ وہ بیک لحظہ پرندوں کے چہچہانے اور پہاڑوں کے اندر کیڑوں کے بھنبھنانے اور اندھیری رات میں چیونٹی کے چلنے کی آواز اور دریا میں مچھلیوں کی آوازیں سنتا ہے حتیٰ کہ مچھر اور چیونٹی کی باریک نسوں میں جب خون دوران کرتا ہوا ایک بند اور جوڑ سے منتقل ہو کر دوسرے جوڑ کی طرف جاتا ہے تو وہ اس خون کے سیلان کی آواز کو صاف سنتا ہے۔ قرآن پاک میں بھی آیا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ یعنی اللہ تعالیٰ سننے والا اور خبردار ہے۔

۶۔ صفت بصر

یعنی اس کو وصف بصارت حاصل ہے کہ جس کے سبب ہر چیز کو دیکھتا ہے خواہ کوئی چیز اندھیرے میں ہو خواہ اجالے میں خواہ نزدیک ہو خواہ دور ہو خواہ دن میں ہو خواہ رات میں ہو خواہ کتنی ہی چھوٹی ہو خواہ بڑی سب کو ہر وقت بلا تفاوت یکساں دیکھتا ہے کسی وقت میں کوئی شے اس سے چھپی نہیں ہے۔ قرآن مجید میں اس صفت کا ذکر کئی آیات میں آیا ہے مثلاً اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۭ بَصِيْرٌ یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھتا ہے۔

۷۔ صفت علم

وہ علم والا ہے جس سے آسمانوں اور زمین کا کوئی ذرہ پوشیدہ نہیں۔

بر و علم یک ذرہ پوشیدہ نیست
کہ پیدا و پنہاں بہ نزدش یکے است

لہٰذا جو کچھ ہو رہا ہے اور ہوا ہے اور ہو گا ان سب باتوں کو پوری تفصیلات کے ساتھ ازل ہی میں جان لیا تھا کہ فلاں وقت فلاں شخص یہ کام کرے گا اور فلاں وقت میں یہ کچھ ہو گا یہاں تک کہ اگر ساتویں آسمان پر یا تحت الثریٰ میں مچھر اپنے پر کو ہلائے یا کوئی شخص اپنے دل میں کسی طرح کا وسوسہ لائے وہ بھی اس کو معلوم ہے اور ایسا اس لئے ہے کہ عالم کو پیدا کرنا پھر اس کو باقی رکھنا اور پرورش کرنا اور ہر شخص کے حسب حال حاجت روائی کرنا علم کے بغیر محال ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔

يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (سورۃ تغابن : ۴)

اللہ جانتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو اعلانیہ کرتے ہو اور اللہ کو معلوم ہے دلوں کی بات۔

يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (حدید : ۴)

اللہ جانتا ہے جو اندر جاتا ہے زمین کے اور جو اس سے نکلتا ہے اور جو کچھ اترتا ہے آسمان سے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں تم ہو اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھتا ہے۔

يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ (لقمان : ۱۶)

اے بیٹے اگر کوئی چیز ہو رائی کے دانہ کے برابر کی پھر وہ ہو کسی پتھر میں یا آسمانوں میں یا زمین میں لے آئے گا اس کو اللہ بے شک اللہ جانتا ہے چھپی ہوئی چیزوں کو خبردار ہے۔

۸۔ صفت تکوین و تخلیق

اللہ تعالیٰ کی ایک صفت تکوین و تخلیق ہے۔ تخلیق کے معنی پیدا کرنے کے ہیں

اور تکوین کے معنی کسی چیز کو وجود میں لانے کے ہیں۔ خدا تعالیٰ تمام عالم کا خالق اور مکون ہے اور ازل سے اس صفت کے ساتھ متصف ہے۔ مخلوق کے پیدا کرنے سے پہلے ہی وہ خالق تھا البتہ اس صفت کا ظہور مخلوق کے پیدا ہونے کے بعد ہوا یعنی دنیا پر اس کا خالق ہونا اس وقت ظاہر ہوا کہ جب مخلوق پیدا ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ نے اشیاء عالم کو محض اپنی قدرت سے پیدا کیا۔ معاذ اللہ کسی چیز کی مدد سے اللہ نے کسی چیز کو پیدا نہیں کیا یعنی اشیاء عالم سے پہلے کوئی مادہ (Matter) موجود نہ تھا کہ جس سے اس نے اشیاء کو پیدا کیا ہو اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے خواہ مادہ ہو یا کوئی اور چیز ہو۔ مادہ اور طبیعت سب اس کی مخلوق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے عالم کو کس طرح پیدا کیا؟

فلاسفہ کہتے ہیں کہ ابتداء میں خدا کے ساتھ ایک اور شے بھی تھی جس کا نام انہوں نے مادہ اور ہیولی (Matter) رکھا ہے اور اس سے تمام کائنات کا ظہور ہوا ہے۔ یہ سب غلط ہے۔ حق یہ ہے کہ ازل میں صرف حق تعالیٰ تھا اور اس کے سوا کوئی شے نہ تھی اس نے اپنے علم اور قدرت اور ارادہ سے جس طرح چاہا کائنات کو پیدا کیا۔

اس مسئلہ کو شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ نے عبقات میں خوب واضح کیا ہے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الدین القیم میں اس کو سہل انداز میں یوں بیان کیا ہے۔

"فلاسفہ اسلام اور صوفیہ کا نظریہ ہے کہ انسان کو جب کسی چیز کا علم حواس کے ذریعہ سے ہوتا ہے تو اس علمی اثر کے بعد انسان میں اس کی قدرت پیدا ہو جاتی ہے کہ اپنی معلوم کی ہوئی شے کو اپنی خیالی قوت سے پیدا کرے۔

فتوحات مکیہ میں شیخ ابن عربی رحمہ اللہ لکھتے ہیں بالوھم یخلق کل انسان

فی قوۃ خیالہ مالا وجود لہ الا فیہا اس کو ہم (مجازا) انسان کا تخلیقی عمل کہتے ہیں۔

انسان جب عالم خیال میں عمل کرتا ہے اور مثلاً یہ ارادہ کرتا ہے کہ میں ذہن کی دنیا میں بادشاہی مسجد کو پیدا کروں تو وہ اس کا خیال کرنے کے بعد ہر چیز سے منقطع ہو کر انتہائی یکسوئی کے ساتھ خیال میں قائم کی ہوئی اس عمارت کے تصور میں کچھ اس طرح منہمک اور مستغرق ہو جاتا ہے کہ وہ باتیں جو اب تک اس کے تحت الشعور میں پوشیدہ تھیں وہ اس درجہ سے نکل کر اس کے تفصیلی شعور کے سامنے آ جاتی ہیں یعنی بجائے معقول ہونے کے متخیل ہو گئی ہیں ٹھیک جیسے نیند میں آدمی بیرونی محسوسات سے منقطع ہو کر ان ہی چیزوں کے مشاہدے میں ڈوب جاتا ہے جو اس کے خزانہ خیال میں محفوظ ہوتی ہیں۔

اپنی اس خیالی اور ذہنی تخلیق سے جس قسم کے تعلقات انسان کے ہوتے ہیں قرآن پاک نے ان سارے تعلقات اور روابط کو خدا اور عالم کے درمیان ثابت کیا ہے مثلاً

۱۔ **پہلا تعلق** قرآن کا دعویٰ ہے کہ حق تعالیٰ نے بغیر مادہ کے پیدا کیا ہے جیسا کہ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے قرآنی الفاظ کا اقتضاء یہ ہے۔ اسی کی تفسیر حدیث میں ہے کہ کان اللہ ولم یکن معہ شئی (عالم کو بنانے سے پہلے صرف اللہ موجود تھا اور اس کے ساتھ کوئی اور شے موجود نہ تھی) جس کے معنی یہی ہیں کہ آسمان و زمین کچھ نہ تھے اور پھر پیدا ہو گئے۔

حاصل یہ ہے کہ ابتداء میں خدا کے سوا کچھ نہ تھا یعنی مادہ وغیرہ کچھ نہیں تھا پھر خدا نے قوت کن (یعنی اپنی تخلیقی قوت) سے اس عالم کو پیدا کیا۔ ٹھیک جس طرح ہمارے خیال میں کچھ نہیں ہوتا پھر محض اپنے ارادہ سے اپنی معلومات کو ہم وجود عطا کرتے ہیں۔

۲۔ **دوسرا تعلق**: اسی طرح قرآن کا بیان ہے کہ وَمَا اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ

الْبَصَرِ اَوْهُوَ اَقْرَبُ (یعنی موجودہ نظام عالم کی بربادی کے لئے یا قیام قیامت کے لئے پلک جھپکانے بلکہ اس سے بھی کم زمانہ کی ضرورت ہے) ہم بھی جب اپنی خیالی اور علمی مخلوق مثلاً اسی بادشاہی مسجد کو جسے خیال میں پیدا کرتے ہیں اگر برباد کرنا چاہیں تو اس کے لئے لمح بھر (پلک جھپکانے) سے زیادہ وقت کی ضرورت نہیں صرف توجہ ہٹالینا کافی ہے توجہ ہٹا لینے کے ساتھ ہی ہماری خیالی مخلوقات معدوم ہو جاتی ہیں اور بغیر کسی مادہ چھوڑنے کے معدوم ہو جاتی ہیں۔

۳۔ تیسرا تعلق: ہماری خیالی اور علمی مخلوق مثلاً بادشاہی مسجد جس طرح پیدا ہونے میں ہمارے ارادہ اور توجہ کی محتاج ہے ٹھیک اس طرح ہر لحظہ اور ہر لمحہ اپنے قیام و بقا میں بھی ہماری توجہ اور التفات کی وہ دست نگر ہے۔ یہی قرآن کا بھی بیان ہے کہ خدائے تعالیٰ عالم کا صرف خالق ہی نہیں ہے۔ بلکہ قیوم بھی ہے یعنی وہی اسے تھامے ہوئے ہے (یعنی عالم اسی سے قائم ہے) اگر ادنیٰ التفات اس کی طرف سے ہٹا لے تو نظام عالم درہم برہم ہو جائے گا جیسا کہ ارشاد ہے۔

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ

یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ زندہ ہے (یعنی مردہ مادہ نہیں ہے) قیوم ہے (یعنی عالم کو تھامے ہوئے ہے) اسے نہ غنودگی پکڑتی ہے اور نہ نیند چھوتی ہے۔ (کیونکہ اگر ایسا ہو تو نظام عالم قائم نہیں رہ سکتا)۔

اپنے خیال میں کسی مخلوق کو پیدا کر کے یعنی تصور قائم کر کے اگر کوئی اونگھ جائے یا سو جائے تو اس کی یہ پیدا کی ہوئی مخلوق کیا باقی رہ سکتی ہے؟۔

۴۔ چوتھا تعلق: اب اس پر غور کیجئے کہ مثلاً زید اپنی تخلیقی قوت سے عالم خیال میں جس وقت بادشاہی مسجد کو پیدا کرتا ہے کیا زید خود بادشاہی مسجد بن جاتا ہے یا بادشاہی مسجد زید بن جاتی ہے؟ ہم بلا غور و فکر کے جانتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ اس کو سوچئے کہ اس خیالی اور علمی بادشاہی مسجد کا وجود زید کے وجود اور

ارادہ سے کیا جدا ہے؟ اس کے ہونے کے معنی بجز اس کے اور کیا ہیں کہ اس کا ارادہ اور اس کی توجہ اس کی طرف ہے یہ نہ ہو تو بادشاہی مسجد کی نہ دیواریں ہوں نہ محراب اور نہ منبر۔ تو اسی طرح سمجھئے کہ نہ عالم خدا بن گیا ہے نہ خدا عالم بن گیا ہے لیکن عالم کا وجود بجز اللہ کے وجود اور ارادہ کے کچھ نہیں۔

۵۔ پانچواں تعلق: اس پر بھی غور کیجئے کہ آپ جس وقت اپنی خیالی مخلوق کو ذہن میں پیدا کرتے ہیں کیا اپنے آپ کو اس خیالی مخلوق کے کسی فوقانی' تحتانی ظاہری و باطنی حصہ سے غائب پاتے ہیں؟ غور کیجئے کہ آپ جس طرح اپنے آپ کو اس کی دیواروں کی جڑ کے پاس پاتے ہیں اسی طرح اس کے میناروں پر بھی یقیناً پائیں گے۔ آپ کو جو نسبت اس کے ظاہر سے ہے اس کے باطن سے بھی وہی نسبت آپ کو ہو گی۔ قرآن بھی یہی کہتا ہے کہ خالق قیوم عالم کے اول میں بھی ہے اور آخر میں بھی ظاہر میں بھی ہے اور باطن میں بھی۔ ارشاد ہوتا ہے۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ

وہی اول ہے وہی آخر ہے وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے اور وہی ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

لیکن فرمایا جاتا ہے کہ خدا عرش پر ہے کہیں ارشاد ہوتا ہے کہ وہ انسان کی رگ گردن کے پاس بھی ہے۔ خود ہی غور کیجئے۔ ایک خالق اور اس کی مخلوق میں اس کے سوا اور نسبت ہی کیا ہوتی ہے؟ آخر آپ بھی تو اپنے آپ کو اپنی خیالی بادشاہی مسجد کے میناروں پر بھی پاتے ہیں اور اس کی دیوار کی جڑوں کے پاس بھی۔ پھر اگر اس عالم کا خالق اگر عرش پر بھی ہو اور آپ کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہو تو اس کے سوا اور عقل سوچ ہی کیا سکتی ہے۔

۶۔ چھٹا تعلق: اب دیکھئے بادشاہی مسجد ایک طویل و عریض عمارت ہے۔ آپ اپنے ذہن میں جس وقت اسے پیدا کرتے ہیں اس طول و عرض کے ساتھ پیدا کرتے ہیں۔

اس لمبائی اور چوڑائی کے باوجود آپ اپنے آپ کو کیا اسکے ذرہ ذرہ پر محیط نہیں پاتے؟ قرآن بھی یہی کہتا ہے وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ (اللہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے)

۷۔ ساتواں تعلق: آپ جس وقت اپنے ذہن میں کسی پہاڑ یا کسی شہر کو پیدا کرتے ہیں کیا اس ذہنی خیال یا علمی مخلوق میں کسی دوسرے کے ارادے سے کوئی چیز اپنی جگہ سے ہل سکتی ہے۔ غور کیجئے اس کا ہر ذرہ آپ ہی کی مرضی اور آپ ہی کے ارادہ کا پابند ہے دوسرے کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ قرآن بھی یہی کہتا ہے۔

اِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗ اِلَّا ھُوَ وَاِنْ یُّرِدْکَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِہٖ

اگر چھوئے اللہ تجھے کسی ضرر کے ساتھ تو اسے کوئی کھولنے والا نہیں لیکن وہی۔ اور وہ اگر ارادہ کرے تیرے ساتھ بھلائی کا کوئی اس کی مہربانی کا پلٹانے والا نہیں ہے۔

یعنی اس عالم کے کسی حصہ میں کوئی واقعہ بھی ہو بغیر ارادہ و اذن حق کے نہیں ہو سکتا اور کسی دوسرے کا تصور یا ارادہ یا فعل اس میں قطعاً موثر نہیں ہو سکتا۔

۸۔ آٹھواں تعلق: آپ جب خیالی بادشاہی مسجد کو پیدا کرتے ہیں تو جہاں آپ ہوتے ہیں کیا بادشاہی مسجد بھی وہیں نہیں ہوتی۔ جب ایسا ہے تو خدا نے جب عالم کو پیدا کیا اور خدا اس کا خالق اور وہ اس کا مخلوق ہے تو اس کے بعد یہ سوال کتنا بے معنی ہو جاتا ہے کہ عالم کہاں ہے اور خدا کہاں ہے؟ جب قرآن میں فرمایا گیا ھو معکم این ما کنتم تو لوگوں کو تعجب ہوا کہ جہاں ہم ہوتے ہیں وہیں خدا کس طرح ہو سکتا ہے لیکن لوگ اپنی ذہنی تخلیق کے متعلق نہیں سوچتے کہ جہاں وہ ہوتے ہیں وہیں ان کی وہ تخلیق بھی ہوتی ہے۔

اسی کے ساتھ اگر آدمی اپنی ذہنی مخلوقات کے متعلق غور کرے تو کیا اپنے آپ کو ان کے نیچے یا اوپر یا کسی اور سمت میں پاتا ہے؟ یقیناً خالق و مخلوق میں کوئی ایسی سمتی نسبت نہیں ہوتی۔ پھر کیا ہوا اگر قرآن میں اعلان کیا گیا کہ اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ یعنی جدھر تم رخ کرو گے وہیں خدا ہے۔

ممکنات اور ان کے آثار و خواص سب اللہ تعالیٰ کی ایجاد ہیں

جس طرح تمام ممکنات خواہ وہ زمین و آسمان ہوں، عناصر ہوں یا افلاک و کواکب ہوں اللہ تعالیٰ کی ایجاد سے وجود میں آئیں اس طرح ان تمام ممکنات کے خواص (Characteristics) اور آثار اور ان کی صفات اور کیفیات بھی اس قادر مختار کی ایجاد سے ہیں۔ اگر کوئی عنصر گرم ہے تو اس کی ایجاد سے گرم ہے اور اگر کوئی عنصر بارد ہے تو اسی کی ایجاد سے بارد ہے۔ جس طرح آگ اور پانی کا وجود اسی کا عطیہ ہے اسی طرح آگ کی حرارت اور پانی کی برودت بھی اسی کی پیدا کی ہوئی ہے۔ کوئی شے خود بخود گرم اور سرد نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ جس طرح ممکنات کے وجود کا مالک ہے کہ جب چاہے ان کے وجود کو سلب کر لے اسی طرح وہ ممکنات کی خاصیتوں اور کیفیتوں کا بھی مالک ہے جب چاہے جس ممکن کی خاصیت کو چاہے سلب کر لے مثلاً اپنے کسی برگزیدہ بندہ کے لئے آگ کی حرارت سلب کر کے اس کو برد و سلام بنا دے۔

جس طرح ممکنات اور ان کی تمام صفات اپنے وجود میں حق تعالیٰ کی محتاج ہیں اسی طرح اپنی بقا میں بھی اس کی محتاج ہیں۔ ذات ہو یا صفت حقیقت ہو یا خاصیت ان سب کا وجود اور بقاء اسی کی مشیت اور ارادہ کے تابع ہے جب تک چاہے گا اس وقت تک وہ ذات یا وہ صفت اور خاصیت باقی رہے گی اور جب چاہے گا تو اس ذات یا اس صفت اور خاصیت کو سلب کر لے گا۔ اسی نے اسباب اور مسببات (Causes And Effects) کو پیدا کیا اور اسی نے اسباب میں سببیت پیدا کی سبب خود بخود سبب نہیں بن گیا۔

اللہ تعالیٰ خیر و شر دونوں کا خالق ہے

حق تعالیٰ خالق خیر بھی ہے اور خالق شر بھی۔ وہ خیر و شر دونوں کا پیدا کرنے والا ہے لیکن خیر سے راضی ہے اور شر سے راضی نہیں ہے نور اور ظلمت' طہارت اور نجاست' فرشتے اور شیاطین' نیک اور بد سب اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں مگر نیکوں سے راضی ہے اور بدوں سے ناراض ہے۔

خلق کے لئے قدرت اور ارادہ کا ہونا ضروری ہے۔ معتزلہ اس بات کے قائل تھے کہ کسی قبیح اور شر کا خلق و ایجاد بھی قبیح ہے اور اس کا ارادہ بھی قبیح ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ شر اور قبیح کا ارادہ نہیں کرتے اور وہ اس کا دعویٰ کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کافر اور فاسق سے ایمان اور اطاعت کا ارادہ کرتے ہیں کفر اور معصیت کا نہیں ہے۔

اہلسنّت کا عقیدہ ہے کہ قبیح کا خلق اور ارادہ قبیح نہیں ہوتا بلکہ قبیح کا ارتکاب اور کسب اور قبیح کے ساتھ متصف ہونا قبیح ہوتا ہے۔ اور معتزلہ کے عقیدے پر لازم آئے گا کہ بندوں کے زیادہ تر افعال اللہ تعالیٰ کے ارادے کے خلاف ہوں کیونکہ کفر اور معصیت ایمان اور اطاعت کے مقابلے میں دنیا میں زیادہ ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ایک چیز کا ارادہ کریں اور بندے اللہ کے ارادے کے خلاف عمل کر ڈالیں اس سے اللہ تعالیٰ کا شدید عاجز ہونا ظاہر ہوتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے عجز سے پاک اور برتر ہیں۔ خود قرآن پاک میں ہے فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ (اللہ تعالیٰ جس کام کا ارادہ کرتا ہے اس کو کر گزرنے والا ہے)۔

عمر بن عبید ایک قدیم معتزلی تھا۔ خود اس کا کہنا ہے کہ جیسا الزام ایک مجوسی نے مجھے دیا ویسا الزام کسی اور نے نہیں دیا۔ اس نے قصہ بیان کیا کہ میرے ساتھ ایک کشتی میں ایک مجوسی بھی سوار تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ تو مسلمان کیوں نہیں ہو جاتا؟ اس نے (معتزلہ کے عقیدے کے پیش نظر) جواب دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے میرے

اسلام کا ارادہ نہیں کیا (یعنی تمہارا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شر کا ارادہ نہیں کرتے اور چونکہ اللہ نے میرے اسلام کا ارادہ نہیں کیا لہٰذا معلوم ہوا کہ اسلام خیر نہیں ہے بلکہ شر ہے) عمر بن عبید کہتا ہے کہ میں نے اس مجوسی سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تو تیرے اسلام کا ارادہ کرتے ہیں لیکن شیطان تجھے نہیں چھوڑتے ہیں تو مجوسی نے جواباً کہا کہ پھر تو مجھے غالب فریق کے ساتھ رہنا چاہیے (یعنی اللہ ارادہ کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ میں مسلمان ہو جاؤں لیکن شیطان اللہ کے ارادے کو پورا نہیں ہونے دیتے تو شیطان اللہ پر غالب ہوئے تو عقل کے مطابق دونوں میں سے جو غالب ہو اس کا عقیدہ رکھنا چاہیے نہ کہ مغلوب کا)۔

عمر بن عبید معتزلی کا یہ غلط عقیدہ ہی تھا جس کی وجہ سے مجوسی اس کو الزام دینے پر قادر ہوا۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ اس قصہ کے بعد اس نے اپنے مذہب اعتزال کو ہی ترک کر دیا تھا۔ اہل سنت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کافر اور فاسق سے کفر اور فسق کا ارادہ کرتے ہیں لیکن خود ان کے اختیار کے ساتھ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے ارادے سے وہ کفر اور فسق پر مجبور نہیں ہو جاتے جس کی بڑی دلیل کافر اور فاسق کا خود اپنا یہ احساس اور وجدان ہے کہ وہ اپنے کفر اور فسق میں بالاختیار ہے مجبور نہیں ہے۔

تنبیہہ

فقط شر کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا خلاف ادب ہے لہٰذا حق تعالیٰ کو خالق شر کہنا ہرگز مناسب نہیں ہے بلکہ یا تو خالق خیر و شر کہنا چاہیے یا خالق کل شئی (ہر شے کا خالق) کہنا چاہیے۔ اسی طرح خالق القاذورات اور خالق الخنازیر (نجاستوں اور خنزیروں کا پیدا کرنے والا) بھی ہرگز نہ کہنا چاہیے۔ حق تعالیٰ کی پاک جناب میں ایسا لفظ کہنا بے ادبی اور گستاخی ہے۔

اس کو ایسے سمجھیں کہ آدمی کا باپ اس کی ماں کا شوہر بھی ہوتا ہے۔ اب اگر یہ شخص اپنے والد کو بجائے والد صاحب یا ابا جی کہنے کے یوں کہے کہ یہ میری ماں کے

شوہر ہیں یا اے میری ماں کے شوہر تو کتنی بے ادبی اور گستاخی کی بات ہے۔

بندوں کے افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے

حق تعالیٰ جس طرح بندوں کی ذوات کا خالق ہے اس طرح ان کے اخلاق اور عادات اور صفات اور افعال کا بھی خالق ہے وہ افعال خواہ خیر ہوں یا شر سب اسی کی تقدیر اور علم اور ارادہ اور مشیت سے ہیں لیکن خیر سے وہ راضی ہے اور شر سے راضی نہیں۔

جس طرح بندہ خدا کی دی ہوئی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور خدا کے دیئے ہوئے کانوں سے سنتا ہے اسی طرح خدا کی دی ہوئی قدرت اور اختیار سے کچھ کام کرتا ہے اگرچہ اس کے تمام کام اور تمام افعال خدا تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور اسی کی قدرت اور ارادے سے سرزد ہوتے ہیں۔

اس حقیقت کو اس محسوس مثال میں سمجھیں کہ ایک بڑا بھاری پتھر ہے کہ زید جو کہ آقا ہے اس کو تنہا آسانی سے اٹھا سکتا ہے مگر خالد جو کہ غلام ہے اس سے ہلتا تک نہیں۔ زید نے خالد سے کہا کہ اس پتھر کا اٹھانا ہمارے قانون میں جرم ہے اور اگرچہ کوئی اس کو نہیں اٹھا سکتا مگر ہم نے امتحان کے لئے اپنا یہ معمول مقرر کیا ہے کہ جو اس کے اٹھانے کے ارادے سے اس کو ہاتھ لگاتا ہے ہم اٹھوا دیتے ہیں مگر یہ اٹھانا اس کی طرف بایں وجہ منسوب کیا جاتا ہے کہ اس نے ارادہ کیوں کیا جس پر ہمارا اٹھانا مرتب ہوا۔ اگر وہ ارادہ نہ کرتا تو ہم اس پتھر کو نہ اٹھاتے اور وہ مجرم قرار نہ دیا جاتا غرض زید کے اس قانون اور معمول پر مطلع ہونے کے بعد خالد نے پتھر کے پاس پہنچ کر اس کو اٹھانے کے ارادے سے ہاتھ لگایا اور اٹھانے پر آمادہ ہوا زید نے اپنے معمول کے موافق فوراً وہ پتھر اٹھوا دیا۔ اب ظاہر ہے کہ ہر عاقل اس صورت میں خالد ہی کو مجرم قرار دے گا اور زید پر کسی قسم کا الزام نہیں رکھ سکتا۔

بس اسی طرح حق تعالیٰ نے اپنے بندے کو ارادہ اور قوت کسب عطا فرمائی مگر وہ ایجاد فعل کے لئے کافی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا معمول مقرر کیا ہے کہ جب بندہ کسی فعل کا ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس فعل کو پیدا کر دیتا ہے لہٰذا مذکورہ مثال کے مطابق جو کچھ اعتراض ہے بندہ پر ہے حق تعالیٰ اس سے منزہ ہے۔

معتزلہ اس بات کے قائل تھے کہ بندہ اپنے افعال و اعمال کا خود خالق ہے لیکن ان کی یہ بات درست نہیں اس کی وجہ اوپر بتائی جا چکی ہے علاوہ ازیں خود قرآن پاک میں واضح طور پر فرمایا وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ یعنی اللہ نے تم کو بھی پیدا کیا اور جو عمل تم کرتے ہو اس کو بھی پیدا کیا۔

اللہ تعالیٰ کی تنزیہات

پہلی تنزیہ : اللہ تعالیٰ تمام نقائص اور عیوب اور حدوث اور امکان کے شائبوں اور علامتوں سے منزہ و مبرا اور پاک ہے۔ نہ جسم و جسمانی ہے اور نہ مکانی اور زمانی ہے۔ اس کی بارگاہ میں مکان، زمان اور جہت کی گنجائش نہیں کیونکہ یہ سب تو خود اس کی مخلوق ہیں۔ لہٰذا

وہ کسی کا کسی چیز میں محتاج نہیں

اپنی ذات اور صفات اور کسی کام میں وہ کسی کا محتاج نہیں کیونکہ اس کی ذات اور صفات کے سوا سب عالم (یعنی ماسوا اللہ) میں داخل ہے اور کل عالم اس کا محتاج ہے اور بنایا ہوا ہے۔ لہٰذا اگر اس کو کسی چیز میں کسی کی طرف حاجت ہو تو لازم آئے گا کہ اللہ خود اپنے محتاج کا محتاج ہو جائے اور یہ محال ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يَاۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ

یعنی اے لوگوں تم سب اللہ کے محتاج ہو اور وہ ہر چیز سے بے پروا (یعنی اپنی

ذات وصفات میں غیر محتاج) ہے اور تعریف کیا گیا ہے۔

اسی لئے وہ جسم نہیں ہے کیونکہ جسم اپنے اجزاء سے مرکب ہوتا ہے اور اس وجہ سے جسم ایک تو اپنے اجزاء کا محتاج ہوتا ہے اور دوسرے اپنے ترکیب دینے والا کا بھی محتاج ہوتا ہے لہٰذا اگر خدا کے لئے بھی جسم اور بدن ہو تو خدا بھی دوسروں کا محتاج ٹھہرے گا۔

اور جب وہ جسم نہیں تو نہ اس کے لئے مکان ہے اور نہ ہی اس کو کھانے پینے اور دوسرے حوائج جسمانیہ وحیوانیہ وانسانیہ کی حاجت ہے۔

دوسری تنزیہ: حق تعالیٰ کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں ہوتا جیسے گرم پانی سرد میں مل کر متحد اور ایک ہو جاتا ہے اور نہ کوئی چیز اس کے ساتھ متحد ہوتی ہے یعنی جیسے برف پانی میں گھل کر ایک ہو جاتی ہے۔

اور نہ کوئی چیز اس میں حلول کرتی ہے (ایک چیز کے دوسری چیز میں سما جانے اور پیوست ہو جانے کو حلول کہتے ہیں جیسے کپڑے میں سیاہ یا سفید رنگ پیوست ہو جاتا ہے) اور نہ وہ کسی شے میں حلول کرتا ہے۔

عیسائیوں کے نزدیک خدا تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں حلول کر گیا تھا اور ہندوؤں کے نزدیک خدا تعالیٰ انسان اور حیوان شجر اور حجر میں حلول کرتا ہے۔ سامری کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ بچھڑے میں خدا حلول کر آیا ہے۔

اہل حق صوفیاء صرف وحدت کے قائل ہیں اتحاد کے قائل نہیں ہیں کہ عالم موجود ہو پھر ذات حق کے ساتھ وجود میں متحد اور ایک ہو۔ اس سے حلول کی نفی ہوتی ہے کیونکہ حلول میں حال (حلول کرنے والا) اور محل (جس میں حلول کرے) دونوں موجود ہوتے ہیں پھر اس کے بعد ان میں ایک نوع کا اتحاد ہو جاتا ہے جب کہ اہل حق حضرات عالم کے وجود کو ذات حق کے وجود کے سامنے کالعدم جانتے ہیں۔ اسی لئے صوفیاء کی اصطلاح وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کا حلول سے کچھ بھی تعلق نہیں۔

وحدۃ الوجود کی تحقیق

صوفیاء نے وحدت کا معنی یکتا کا لیا ہے اور یکتا اور بے نظیر اس کو کہتے ہیں جس کا کوئی ہمسر نہ ہو۔ کہتے ہیں فلاں واحد فی الحسن واحد فی العلم وغیرہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرا کوئی حسین یا عالم مطلقاً ہے ہی نہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کے برابر کوئی نہیں۔ یہی مطلب وحدۃ الوجود کا ہے کہ خدا تعالیٰ کے وجود کے برابر کسی کا وجود نہیں۔ وجود حقیقی اور کامل ایک ہی ہے دوسرے وجودات اس کے سامنے اس قابل نہیں کہ ان کو وجود کہا جا سکے گو کسی درجہ میں وجود ان کا بھی ہے اور یہ مضمون قرآن وحدیث کے ذرا خلاف نہیں بلکہ عین مطابق ہے۔

غرض وحدۃ الوجود کا یہ مطلب نہیں کہ کسی شے کا وجود ہی نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ وجود تو اغیار کا بھی ہے مگر کالعدم ہے جیسے ستارے دن میں موجود تو ہوتے ہیں جس کو اہل علم جانتے ہیں مگر آفتاب کے سامنے کالعدم ہوتے ہیں۔ نیز اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک تھانیدار چپڑاسی پر حکومت کرتا ہے اور اس وقت وہ حاکم معلوم ہوتا ہے مگر وزیر اعظم کے سامنے وہ بول بھی نہیں سکتا اس وقت اس کی حکومت کالعدم ہو جاتی ہے۔ نیز ایک ماہر فن قاری کے سامنے ایک طفل مکتب کو کوئی قاری نہیں کہتا گو کسی قدر پڑھنا اس نے سیکھا ہی ہو۔

غرض گفتگو میں ناقص کو کامل کے سامنے لاشی اور کالعدم سمجھا جاتا ہے اور یوں بھی کہا جاتا ہے کہ بس قاری تو فلانا ہے سخی تو وہ ہے حسین تو یہ ہے اور ناقص لئے بالکلیہ اس کی نفی کرتے ہیں مگر مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ کامل کے سامنے کوئی چیز نہیں یہ معنی نہیں کہ فی نفسہ (یعنی اپنی ذات میں) بھی کچھ نہیں۔ یہی مطلب ہے محققین کا وحدۃ الوجود سے کہ حق تعالیٰ کے وجود کے سامنے کسی کا وجود کچھ نہیں کسی درجہ میں قابل ذکر نہیں۔ اس لئے ان کا قول ہے کہ وحدۃ الوجود تو ایمان ہے اور اتحاد وجود کفر ہے۔ بہرحال جب صوفیاء کے نزدیک اتحاد وجودین (دو وجودوں کا بالکل ایک ہونا) کفر ہے تو اب معلوم ہو گیا کہ محققین کے قول میں اور جہلاء کے اس قول میں کہ ہر چیز خدا ہے کتنا فرق ہے۔ وہ تو کسی شے کو موجود کہنے کے قابل بھی نہیں سمجھتے اور

یہ ظالم ہر چیز کو خدا کہتے ہیں نعوذ باللہ منہ

وحدۃ الوجود کی یہ جو تحقیق ذکر کی گئی ہے جب تک یہ آدمی کے علم کی حد تک رہے تو صوفیاء اس کو توحید کہتے ہیں اور جب یہ بات کسی شخص کا حال بن جائے یعنی یہ کہ اس کی مستقل کیفیت یہ بن جائے کہ وہ اللہ تعالٰی کے وجود کے آگے دوسروں کے وجود مثل معدوم کے سمجھتا ہے تو اس کو فنا کہتے ہیں اور یہی وحدۃ الشہود کا حاصل بھی ہے۔

وحدۃ الشہود کی تحقیق

اس کا ترجمہ ہے مشہود کا ایک ہونا یعنی واقع میں تو ہستی اور موجود متعدد ہے مگر سالک کو ایک ہی کا مشاہدہ ہوتا ہے اور باقی سب کالعدم معلوم ہوتے ہیں۔

شیخ سعدی رحمہ اللہ نے اس کی ایک مثال لکھی ہے

گر دیدہ باشی کہ در باغ و راغ
بتابد بشب کرمک چوں چراغ
یکے گفتنش اے کرمک شب فروز
چہ بودت کہ بیروں نیائی بروز
نہ بینی کہ آں کرمک خاک زاد
جواب از سر روشنائی چہ داد
کہ من روز و شب جز بہ صحرا نیم
ولے پیش خورشید پیدا نیم

ترجمہ شاید تم نے دیکھا ہو گا کہ باغ وغیرہ میں ایک کیڑا چراغ کی طرح چمکتا ہے۔

کسی نے اس سے کہا کہ اے رات کو روشن ہونے والے کیڑے تجھ کو کیا ہوا کہ تو دن کو باہر نہیں آتا۔

تمہیں خبر نہیں کہ اس خاک کے کیڑے نے عقل مندی سے کیا عمدہ جواب دیا۔

کہ میں تو دن رات جنگل کے سوا کہیں نہیں ہوتا مگر سورج کے سامنے میں ظاہر نہیں ہو سکتا۔

غرض جن لوگوں کی نظر آفتاب (وجود حقیقی) پر ہوتی ہے اس وقت جگنو یعنی اشیاء عالم کا وجود ان کو نظر نہیں آتا۔ ہاں جو لوگ اندھیرے میں ہیں جن کی نظر آفتاب وجود حقیقی سے غائب ہے وہ البتہ اشیاء عالم کے وجود پر نظر رکھتے ہیں اور جو محقق ہیں کہ مغلوب الحال نہیں ہیں ان کی نظر آفتاب وجود حقیقی پر ہونے کے ساتھ مخلوق پر بھی ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود میں حقیقی نہیں بلکہ صرف لفظی اختلاف ہے مگر چونکہ وحدۃ الوجود کے معنی عوام میں غلط مشہور ہو گئے تھے اس لئے بعض محققین نے اس کا عنوان بدل دیا۔

تیسری تنزیہ: اس کی ذات اور صفات کو کبھی فنا اور تغیر نہیں

اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ یعنی اس کی ذات کے سوا ہر شے فانی اور ہلاک ہونے والی ہے لہٰذا اس کی ذات مع صفات ہمیشہ باقی رہے گی نیز فرمایا وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ یعنی اللہ جلال اکرام والا ہمیشہ باقی رہے گا۔

چوتھی تنزیہ: کوئی چیز اس پر واجب نہیں ہے۔ وجوب سے حق تعالٰی کے اختیار کا باطل ہونا لازم آتا ہے وہ کون ہے کہ جو اللہ پر کوئی چیز واجب اور لازم کر سکے۔

معتزلہ کا عقیدہ تھا کہ جو چیز بندہ کے حق میں خیر اور اصلح ہے اللہ تعالٰی پر اس کی رعایت واجب ہے۔ اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ اللہ پر کسی کا کوئی حق واجب نہیں وہ مالک و مختار ہے اس پر نہ لطف و مہربانی واجب ہے اور نہ قہر و سختی۔ جس کو چاہے ہدایت

دے اور جس کو چاہے گمراہ کرے۔ ہدایت سے بڑھ کر کوئی خیر اور اصلح (بہت صلاح کی چیز) نہیں مگر وہ بھی اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں ہے چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد ہے فَلَوْشَآءَ لَهَدٰكُمْ اَجْمَعِيْنَ اللہ تعالیٰ اگر چاہتا تو سب کو ہدایت دے دیتا مگر کسی حکمت سے سب کو ہدایت نہیں دی۔ معلوم ہوا کہ ہدایت دینا اس کے ذمہ لازم نہیں۔ اور اگر اپنی رحمت سے کسی کو ہدایت بھی دے دے تو اس پر ثواب دینا اس کے ذمہ واجب نہیں۔ اگر وہ ثواب دے دے تو اس کا فضل ہے اور اگر عذاب دے تو اس کا عدل ہے (کیونکہ مالک مطلق کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ اپنی ملک میں جیسا چاہے تصرف کرے)

اہلسنّت کے برعکس معتزلہ یہ بھی کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ وہ فرمانبردار کو ثواب دے اور نافرمان کو سزا دے اور اپنی ان عقلی کوتاہیوں کے باوجود وہ اپنے آپ کو اصحاب العدل و النوحید (عدل و توحید کے علمبردار) کہتے تھے۔ معتزلہ کی کوتاہی عقل کو امام ابو الحسن اشعری رحمہ اللہ نے خوب کھولا۔ پہلے یہ معتزلہ کے شاگرد تھے۔ معتزلہ کے اسی عقیدے پر ان کو کھٹک ہوئی اور اور انہوں نے اپنے استاد مشہور معتزلی ابو علی جبائی سے سوال کیا کہ تین بھائی ہیں ایک نے اللہ کی فرمانبرداری میں وفات پائی۔ دوسرے نے اللہ کی نافرمانی میں وفات پائی اور تیسرا بچپن ہی میں فوت ہو گیا تو آپ ان کے بارے میں کیا حکم لگاتے ہیں۔ ابو علی جبائی نے جواب دیا کہ پہلے کو ثواب میں جنت ملے گی۔ دوسرے کو سزا میں جہنم کی آگ میں جلنا پڑے گا اور تیسرے کو نہ ثواب ملے گا اور نہ ہی سزا ملے گی۔ اس پر امام ابو الحسن اشعری نے پھر پوچھا کہ اگر تیسرا بھائی اللہ تعالیٰ سے فریاد کرے کہ آپ نے مجھے بچپن میں کیوں موت دی۔ آپ میری زندگی دراز کرتے میں بلوغت کی عمر کو پہنچتا اور آپ پر ایمان لاتا اور آپ کی اطاعت کرتا تو میں بھی جنت میں جاتا تو رب تعالیٰ اس کو کیا جواب دیں گے؟ ابوعلی جبائی نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ میں جانتا تھا کہ اگر تو بڑا ہو گا تو ضرور نافرمانی کرے گا اور اس طرح سے جہنم میں داخل ہو گا تو تیرے لئے زیادہ

بہتر اور اصلح یہی تھا کہ تجھے بچپن میں موت آتی۔ اس پر اشعری رحمہ اللہ نے پھر سوال کیا کہ اگر دوسرا بھائی اللہ تعالیٰ سے یوں فریاد کرے کہ (جب آپ کو معلوم تھا کہ میں بڑا ہو کر نافرمانی کروں گا تو) آپ نے مجھے بچپن میں موت کیوں نہ دی تاکہ نہ (میں بڑا ہوتا اور نہ) آپ کی نافرمانی کرتا اور نہ جہنم میں جاتا تو رب تعالیٰ اس کو کیا جواب دیں گے۔ اس پر ابوعلی جبائی مبہوت اور ششدر ہو کر رہ گیا اور اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ اس واقعہ کے بعد اشعری رحمہ اللہ نے معتزلہ کا ساتھ چھوڑا اور ان کے غلط عقیدوں کے ابطال اور اہل سنت کے عقائد کے اثبات میں لگے۔

غرض یہ کہ حق تعالیٰ پر کسی کا کوئی حق نہیں ہے۔ ہاں خود اس ارحم الراحمین نے اپنی رحمت واسعہ سے اہل ایمان کی عزت افزائی کے لئے یہ فرما دیا ہے کہ اہل ایمان کا مجھ پر حق ہے کہ میں ضرور ان کو جنت میں داخل کروں گا اور ان کو ثواب دوں گا۔

پانچویں تنزیہ: اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہیں کہ ان کو بدا ہو۔

لغت میں بدا کہتے ہیں بدالہ ای ظھر لہ مالم یظھر یعنی جو بات معلوم نہ تھی اس کے معلوم ہو جانے کو بدا کہتے ہیں۔ یہ شیعوں کا عقیدہ ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔

۱۔ پہلے اس کے خلاف کا علم تھا جو اب غلط ثابت ہوا۔

نظام الدین جیلانی نے رسالہ علم الھدی فی تحقیق البدا میں اس کو اختیار کیا ہے اور بدا کا یہ مطلب بتایا ہے کہ اذا ظھر لہ رای مخالف للرای الاول یعنی فلاں کو بدا ہوا یعنی اس کو پہلی رائے کے مخالف کوئی دوسری رائے سوجھی۔

۲۔ پہلے سے کچھ علم نہ تھا۔ شریف مرتضیٰ نے اپنی کتاب مرتضیٰ میں اس کو اختیار کیا ہے۔

قرآن پاک میں بھی بدا کا لفظ کئی جگہ وارد ہوا ہے اور ہر جگہ یہی معنی ہیں کہ نا معلوم چیز معلوم ہو جائے چنانچہ سورہ یوسف میں ہے۔

ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ یعنی حضرت

یوسف کی پاک دامنی کے دلائل دیکھنے کے بعد لوگوں کو یہ بات مناسب معلوم ہوئی کہ کچھ دنوں کے لئے ان کو قید کر دیں۔ قید کرنے کی رائے نئی پیدا ہوئی جو پہلے نہ تھی۔

بدا کی تین قسمیں ہیں

۱۔ بدا فی العلم (یا بدا فی الاخبار) یعنی خدا نے پہلے سے کچھ جان رکھا تھا مگر بعد میں حقیقت الامر کچھ اور معلوم ہوئی۔

۲۔ بدا فی الارادہ (یا بدا فی التکوین) یعنی پہلے کچھ ارادہ تھا پھر یوں معلوم ہوا کہ یہ ارادہ ٹھیک نہیں۔

۳۔ بدا فی الامر (یا بدا فی التکلیف) یعنی پہلے کچھ حکم دیا پھر بعد ازاں یوں معلوم ہوا کہ پہلے حکم میں کچھ غلطی تھی۔ اس حکم کو بدل کر دوسرا ایسا حکم جس میں وہ نقصان نہ ہو بلکہ مصلحت وقت معلوم ہوتی ہو صادر فرمائیں۔

بدا فی الامر اور نسخ کے درمیان فرق ہے

نسخ حقیقت میں اس کو کہتے ہیں کہ ایک حکم کا وقت پورا ہو جائے اور دوسرے حکم کا وقت آ جائے۔ البتہ کبھی تو پہلے سے وقت کی مقدار کی اطلاع کر دی جاتی ہے اور کبھی نہیں کی جاتی۔ مثلاً یہ حکم تو آیا کہ نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھو لیکن شراب کی حرمت کا حکم نہیں آیا بلکہ حلت باقی رہی۔ پھر کچھ عرصے کے بعد حرمت کا حکم آیا۔ تو پہلا حکم صرف ایک مدت کے لئے تھا۔ پھر جب وہ مدت پوری ہو گئی تو شراب کی حرمت کا حکم دیا گیا۔ اگرچہ پہلے حکم کے ساتھ یہ نہیں بتایا گیا کہ حلت کی بقاء صرف اتنے عرصے کے لئے ہے۔ اس کو نسخ کہتے ہیں جب کہ بدا فی الامر میں تبدیلی اس وجہ سے ہوتی ہے کہ سابقہ حکم میں کچھ غلطی تھی۔

بدا کی تینوں قسمیں ایک دوسرے کو لازم ہیں

بدا فی الامر کے واقع ہونے کی صورت میں بدا فی الارادہ لازم ہے کیونکہ بدا فی

الارادہ تو اسی کو کہتے ہیں کہ کسی نئی مصلحت کے سبب سے پہلے ارادہ کو ترک کر دیں۔ تو جب مصلحت کے لحاظ سے حکم بدلا گیا تو پہلا ارادہ جو اس حکم کی ہیشگی کا تھا وہ بھی بدلا گیا۔ اور اسی طرح بدا فی الارادہ کو بدا فی العلم لازم ہے کیونکہ ارادہ تو نئی مصلحت کے معلوم ہونے پر بدلتا ہے۔ تو جب نئی مصلحت معلوم ہوئی تو لا محالہ یہ بات صحیح ہوئی کہ جو علم اب حاصل ہوا ہے وہ پہلے نہ تھا اور جو پہلے تھا وہ اب غلط معلوم ہوا اسی کو بدا فی العلم کہتے ہیں۔

عقیدہ بدا کا نتیجہ

جیسا کہ اوپر کی تفصیل سے واضح ہوا بدا کے عقیدہ کو اللہ تعالیٰ کا جاہل اور لا علم ہونا لازم ہے۔ اسی وجہ سے بعض شیعہ خود اس عقیدے کے انکار پر مجبور ہوئے مثلاً محقق طوسی نے عقیدہ بدا کا انکار کیا اور شیعوں کے مجتہد اعظم مولوی دلدار علی نے اپنی کتاب اساس الاصول میں لکھا ہے۔

اعلم ان البدا لا ینبغی ان یقول به احد لانه یلزم منه ان ینصف الباری تعالٰی بالجهل کمالا یخفی	جاننا چاہئے کہ عقیدہ بدا اس لائق نہیں کہ کوئی شخص اس کا قائل ہو کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ باری تعالیٰ جاہل ہو جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے۔

عقیدہ بدا کا قرآن کے مخالف ہونا

سورہ طٰہٰ میں ہے۔ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسٰى (نہ بھٹکتا ہے میرا رب اور نہ بھولتا ہے۔)

جب کہ عقیدہ بدا کی رو سے اللہ تعالیٰ کو چوک ہو جاتی ہے معاذ اللہ۔

قائلین بدا کے دلائل کا جواب

پہلی دلیل

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗ اُمُّ الْكِتٰبِ

اللہ جو چاہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے

جواب: اس آیت سے بدا پر استدلال صحیح نہیں ہے۔ سیاق و سباق کے ساتھ جب ان آیات کو دیکھیں تو بات یوں بنتی ہے۔

وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ۝ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗ اُمُّ الْكِتٰبِ ۝ (سورہ رعد ۳۸/۸۹)

یعنی کسی پیغمبر کے اختیار میں یہ امر نہیں کہ ایک آیت (یعنی ایک حکم) بھی بغیر خدا کے حکم کے (اپنی طرف سے) لا سکے (بلکہ احکام کا مقرر ہونا اذن و اختیار خداوندی پر موقوف ہے اور خدا تعالیٰ کی حکمت و مصلحت کے اعتبار سے یہ معمول مقرر ہے کہ) ہر زمانہ کے مناسب خاص خاص احکام ہوتے ہیں (پھر دوسرے زمانہ میں بعض امور میں دوسرے احکام آتے ہیں اور پہلے احکام موقوف ہو جاتے ہیں اور بعضے بحالہا باقی رہتے ہیں۔ پس) خدا تعالیٰ (ہی) جس حکم کو چاہیں موقوف کر دیتے ہیں اور جس حکم کو چاہیں قائم رکھتے ہیں اور اصل کتاب (یعنی لوح محفوظ) ان ہی کے پاس (رہتی) ہے (اور یہ سب احکام ناسخ و منسوخ و مستمر اس میں درج ہیں وہ سب کی جامع ہے۔ یعنی جس طرح سے یہ احکام آتے ہیں وہ اللہ ہی کے قبضہ میں ہے پس احکام سابقہ کے موافق یا مغایر احکام لانے کی کسی کو گنجائش اور دسترس ہی نہیں ہو سکتی)۔

اور یہ بات بھی مذکورہ بالا کے منافی نہیں کہ ایک تو ام الکتاب یعنی بڑا دفتر جو علم خداوندی کے موافق ہے یا خود علم خداوندی ہے اس میں گھٹاؤ بڑھاؤ نہیں ہوتا۔ اور دوسرا ایک چھوٹا دفتر ہوتا ہے جو ایک زمانہ کے لئے ہوتا ہے۔ اس میں سے کچھ چیزیں پوری ہو کر مٹ جاتی ہیں اور کچھ کو آئندہ زمانے کے لئے بھی برقرار رکھا جاتا ہے۔

دوسری دلیل

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ

اس آیت میں خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ان کو تیس دن میں توریت دینے کا وعدہ کیا تھا مگر تیس دن میں ان کو توریت نہ ملی بلکہ دس دن اور اضافہ کر کے چالیس دن میں ان کو توریت دی گئی۔

جواب: اول تو آیت کا ترجمہ دیکھئے تو معلوم ہو گا کہ دس راتوں کا اضافہ بطور تتمہ کے ہے۔ ظہر کی نماز کی اصل چار رکعت فرض ہیں۔ اس کے ساتھ سنن و نوافل بطور تتمہ کے ہیں۔ اسی طرح اور نمازوں میں بھی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں بھی یہی احتمال ہے کہ تیس دن تو بطور فرض کے ہوں اور دس دن بطور نفل کے ہوں۔

دوسرے یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ توریت چالیس دن کے بعد ہی دی گئی ہو بلکہ اس کا بھی احتمال ہے کہ تیس دن کے بعد توریت مل گئی ہو اور دس دن کا اضافہ بطور شکرانہ کے کیا گیا ہو۔ اس طرح سے وعدہ کی مدت میں تو کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔

دوسرا باب:

انبیاء و رسل سے متعلق عقائد کا بیان

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوۃ و السلام حق تعالیٰ کے پاک اور برگزیدہ بندے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے خلق کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا ہے تاکہ خلق کو حق تعالیٰ کی طرف بلائیں اور گمراہی سے سیدھے راستہ پر لائیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو دارالسلام یعنی جنت کی طرف دعوت دیں جو اس کی رضا کا مقام ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی دعوت کو قبول کرے اس کو جنت کی خوشخبری سنائیں اور جو شخص اس کی دعوت قبول کرنے سے انکار یا اعراض کرے اس کو دوزخ کی وعید سنائیں۔

شریعت میں نبی کس کو کہتے ہیں

اَلنَّبِیُّ اِنْسَانٌ بَعَثَہُ اللّٰہُ لِتَبْلِیْغِ مَا اُوْحِیَ اِلَیْہِ (مسایرہ بمعہ مسامرہ ص ۲۰۷)

نبی وہ انسان اور بشر ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی تبلیغ کے لئے مبعوث فرمایا ہے جو اس کی طرف وحی کی گئیں۔

لفظ نبوت اور رسالت کا مفہوم

نبوت مصدر ہے نبا سے متعلق ہے جس کے معنی عظیم الشان خبر کے ہیں اور یہاں اس سے وہ خاص خبر مراد ہے جس کو خدا تعالیٰ اپنی طرف سے کسی اپنے خاص برگزیدہ بندہ پر نازل فرمائے تاکہ بندوں کو اس سے واقف اور باخبر کر دے لہٰذا نبوت کے معنی ان چیزوں اور خبروں کو پہنچانے کے ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس برگزیدہ شخص کو پہنچی ہیں۔ اور اس برگزیدہ شخص کو جو خدا کی دی ہوئی خبروں کو بندوں تک پہنچائے نبی کہتے ہیں۔

رسالت کے معنی خدا تعالیٰ اور ذی عقل مخلوق کے درمیان سفارت کے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان جو سفیر ہو اس کو رسول کہتے ہیں۔

نبی اور رسول میں فرق

صحیح یہ ہے کہ رسول کا مرتبہ نبی سے بڑھ کر ہے اس لئے کہ احادیث میں انبیاء کی تعداد ایک لاکھ سے بھی زائد آئی ہے اور رسولوں کی تعداد تین سو تیرہ آئی ہے۔ معلوم ہوا کہ رسول خاص ہے اور نبی عام ہے۔ ہر رسول نبی ہوتا ہے لیکن ہر نبی کا رسول ہونا ضروری نہیں۔ اس لئے محققین نے نبی اور رسول میں یہ فرق کیا ہے کہ

نبی وہ برگزیدہ بندہ ہے کہ جس پر اللہ کی وحی آتی ہو اور وہ ہدایت خلق اور تبلیغ احکام الٰہیہ پر مامور ہو خواہ صاحب کتاب ہو یا نہ ہو۔

اور انبیاء کرام میں سے جس کو من جانب اللہ کوئی خصوصی امتیاز حاصل ہو مثلاً اس کو نئی کتاب یا کوئی نئی شریعت دی گئی ہو یا منکرین اور مکذبین کے مقابلہ کا اس کو حکم دیا گیا ہو یا کسی نئی امت کی طرف اس کو مبعوث کیا گیا ہو تو اس کو رسول کہتے ہیں۔

تنبیہہ رسول کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس پر کوئی نئی کتاب یا نئی شریعت نازل ہوئی ہو اس لئے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام بالاتفاق رسول تھے لیکن ان پر کوئی کتاب اور شریعت نازل نہیں ہوئی۔ نیز ایک حدیث سے ظاہر ہے کہ رسولوں کی تعداد تین سو تیرہ ہے اور کتابوں کی تعداد ایک سو چار ہے۔ معلوم ہوا کہ رسول کے لئے جدید شریعت کا ہونا ضروری نہیں۔

نبوت و رسالت محض عطیہ الٰہی ہے اکتسابی نہیں

نبوت و رسالت محض اللہ تعالیٰ کی عطا ہے وہ جس کو چاہتا ہے خلعت نبوت سے

سرفراز کرتا ہے وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَاءُ (سورہ بقرہ : ۱۰۵) اور اللہ خاص کر لیتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہے نیز اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ (سورہ حج ۷۵:) اللہ چھانٹ لیتا ہے فرشتوں میں پیغام پہنچانے والے اور آدمیوں میں

نبوت کوئی اکتسابی شے نہیں جو مجاہدہ اور ریاضت سے حاصل ہو یا کسی خاص قابلیت اور استعداد حاصل ہو جانے سے نبی ہو جاتا ہے۔

عقیدہ: کسی ایک نبی کو جھٹلانا تمام انبیاء کو جھٹلانے کے مترادف ہے۔

تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا ضروری ہے کسی ایک نبی پر ایمان نہ لانا تمام انبیاء پر ایمان نہ لانے کے ہم معنی ہے کیونکہ تمام انبیاء کا کلمہ ایک ہے اور اصول دین سب کے ایک ہیں۔

کَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ نِ الْمُرْسَلِیْنَ (جھٹلایا نوح کی قوم نے رسولوں کو)
کَذَّبَتْ عَادُ نِ الْمُرْسَلِیْنَ (جھٹلایا عاد نے رسولوں کو) کَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِیْنَ (جھٹلایا ثمود نے رسولوں کو)

قوم نوح اور قوم عاد اور قوم ثمود نے فقط اپنے اپنے زمانہ کے رسول کی تکذیب کی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ایک رسول کی تکذیب کو تمام رسولوں کی تکذیب قرار دیا اور یہ فرمایا کہ قوم نوح نے تمام پیغمبروں کی تکذیب کی۔

اسی قاعدے کے تحت یہودی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول نہیں مانتے اور عیسائی جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول نہیں مانتے یا ان کو تمام انسانوں کے لئے رسول نہیں مانتے یہ بھی کافر ٹھہرتے ہیں۔ یہ خیال کرنا کہ یہ سب ایک ہی منزل کی مختلف راہیں ہیں بالکل غلط ہے بلکہ یہ باطل راہیں تو منزل سے ہٹا کر جہنم کی طرف لے جاتی ہیں۔

عقیدہ: انبیاء پر ایمان کے بغیر اللہ پر ایمان معتبر نہیں۔

کوئی شخص خدا تعالیٰ پر تو ایمان لائے لیکن پیغمبروں کو نہ مانے تو خدا تعالیٰ پر اس کا ایمان بھی مقبول اور معتبر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں صاف فرما دیا ہے کہ جو شخص خدا اور اس کے پیغمبروں میں تفریق کرے کہ خدا پر تو ایمان لائے اور اس کی توحید کا قائل ہو مگر رسول کی رسالت کو نہ مانے تو وہ پکا کافر ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَکْفُرُ بِبَعْضٍ وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا وَّاَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّھِیْنًا

بے شک جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ کے ساتھ اور اس کے رسولوں کے ساتھ اور یوں چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق رکھیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعضوں پر تو ایمان لاتے ہیں اور بعضوں کے منکر ہیں اور یوں چاہتے ہیں کہ بین بین ایک راہ تجویز کریں ایسے لوگ یقیناً کافر ہیں اور کافروں کے لئے ہم نے اہانت آمیز سزا تیار کر رکھی ہے۔

رسول کے انکار سے اللہ کا انکار لازم ہے اس لئے کہ جب خدا تعالیٰ نے رسول کی اطاعت اور اس پر ایمان لانے کا حکم دیا اور پھر کسی شخص نے اللہ کے حکم کے بعد رسول کو نہ مانا اور اس کی اطاعت نہ کی تو اللہ کے حکم کو نہ مانا اور اس سے انحراف کیا۔

عقیدہ: انبیاء علیہم السلام امین ہوتے ہیں۔

انبیاء کرام حق تعالیٰ کے امین ہوتے ہیں۔ احکام خداوندی کے پہنچانے میں ذرہ برابر کمی نہیں کرتے اور نہ کافروں سے ڈر کر تقیہ کرتے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰہِ وَیَخْشَوْنَہٗ وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰہَ

انبیاء اللہ کے پیغامات کو (لوگوں تک پورا پورا) پہنچاتے ہیں اور صرف اللہ سے ڈرتے ہیں اور سوائے اللہ کے کسی اور سے نہیں ڈرتے۔

یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا

بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ

اے رسول جو جو کچھ آپ کے رب کی جانب سے آپ پر نازل کیا گیا ہے آپ سب پہنچا دیجئے۔ اور اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو آپ نے اللہ کا ایک پیغام بھی نہیں پہنچایا۔

عقیدہ: انبیاء علیہم السلام منصب نبوت سے کبھی لائق معزولی نہیں ٹھہرتے۔

انبیاء کرام اپنے منصب نبوت سے کبھی معزول نہیں ہوتے اس لئے کہ حق تعالیٰ علیم و خبیر ہے کبھی ایسے شخص کو منصب نبوت پر فائز نہیں فرماتے کہ جو آئندہ چل کر لائق معزولی ہو۔

عقیدہ: سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ ڈارون کے نظریہ ارتقاء کا رد۔

تمام انبیاء میں سے سب سے پہلے نبی اور پہلے رسول ہمارے جد محترم حضرت آدم علیہ السلام ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور اپنی خاص روح ان میں پھونکی اور بالمشافہ ان سے کلام اور خطاب فرمایا اور مسجود ملائکہ بنایا۔

حضرت آدم علیہ السلام ایک متعین شخص تھے جن سے نسل انسانی چلی۔ قرآن پاک میں ان کی تخلیق کا تفصیلی ذکر ہے جس سے جدید دور کے نظریہ ارتقاء کی نفی ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں ارتقاء کا رد ان آیتوں میں ہے۔

۱۔ اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ (آل عمران ۵۹)

بے شک عیسیٰ کی مثال ہے اللہ کے نزدیک جیسے مثال آدم کی بنایا اس کو مٹی سے

امام رازی رحمہ اللہ اپنی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں۔

اجمع المفسرون علی ان هذه الآية نزلت عند حضور وفد نجران علی الرسول صلی الله عليه وسلم وكان من جملة شبههم ان قالوا يا محمد لما سلمت انه لااب له من البشر وجب ان يكون ابوه هو الله تعالٰی فقال ان آدم ماكان له اب ولا ام ولم يلزم ان يكون ابنا لله تعالٰی فكذا القول فی عيسٰی عليه السلام

مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت نجران کے وفد کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کے وقت نازل ہوئی۔ ان کے شبہات میں سے ایک شبہ یہ تھا جو انہوں نے ذکر کیا کہ اے محمد جب آپ تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بشری والد نہ تھے تو لازم آیا کہ ان کے والد اللہ تعالیٰ ہوں۔ تو آپ نے فرمایا آدم علیہ السلام کے نہ باپ تھے نہ ماں۔ ان کے لئے تو یہ لازم نہ ہوا کہ وہ اللہ کے بیٹے ہوں تو ایسے ہی عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے۔

اسی آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے ماں باپ نہ تھے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی خاص قدرت سے پیدا فرمایا تھا جب کہ نظریہ ارتقاء کے مطابق ان کے ماں باپ کا ہونا ضروری ہے اگرچہ وہ حیوان (بندر) کی صورت میں ہوں۔

۲۔ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ

اور انسان (یعنی آدم علیہ السلام) کی پیدائش مٹی سے شروع کی پھر اس (انسان یعنی آدم) کی نسل کو خلاصہ اخلاط یعنی ایک بے قدر پانی (یعنی نطفہ) سے

الانسان میں لام عہد کا ہے اور مراد آدم علیہ السلام ہیں۔ ان کے بارے میں فرمایا کہ ان کو مٹی سے پیدا کیا۔ ثم تراخی کے لئے ہوتا ہے کہ ان کے بعد ان کی نسل کو

نطفہ سے پیدا کیا۔ مطلب یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش اور طریقے سے ہوئی اور ان کی اولاد کی پیدائش دوسرے طریقے سے ہوئی۔ نظریہ ارتقاء کے مطابق دونوں کی پیدائش نطفہ سے ہوئی۔

غرض نظریہ ارتقاء اگرچہ فی ذاتہ محض ایک قیاس آرائی ہے لیکن قرآن کے بالکل خلاف ہے۔

عقیدہ: عصمت انبیاء علیہم السلام

تمام انبیاء علیہم السلام خدا کے پاک اور برگزیدہ بندے اور صغیرہ وکبیرہ گناہ سے معصوم تھے۔ انبیاء کی عصمت اور طہارت اور نزاہت کا اعتقاد جزو ایمان ہے۔

عصمت کا مطلب ہے۔ خلق مانع عن المعصية غير ملجئى اى بل يبقى معه الاختيار

(عصمت ایسا خلق اور وصف ہے جو بغیر مجبور کئے معصیت سے روکتا ہے یعنی اس وصف کے ساتھ اختیار باقی رہتا ہے)

امام ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں العصمة لا تزيل المحنة اى الابتلاء المقتضى لبقاء الاختيار

(عصمت سے ابتلاء اور آزمائش زائل نہیں ہو جاتی لہٰذا اختیار باقی رہتا ہے)

صاحب بدایہ کہتے ہیں کہ امام ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ عصمت کی وجہ سے نبی اطاعت کرنے پر مجبور اور معصیت کرنے سے عاجز نہیں ہو جاتا بلکہ عصمت تو اللہ تعالیٰ کا لطف اور اس کی مہربانی ہوتی ہے جو نبی کو بھلے عمل پر ابھارتی ہے اور برے عمل سے روکتی ہے اور عصمت کا یہ عمل اسی وقت ہو سکتا ہے جب نبی کا اختیار باقی ہو۔ (مسامرہ شرح مسایرہ ص ۲۰۵)

اس لطف و مہربانی اور خلق مانع کی کیا صورت ہے؟ اس کو ایک مثال سے سمجھئے۔ ایک شخص کو کسی سے واقعی انتہائی محبت و عقیدت ہو تو وہ اپنے محبوب کی مخالفت سے

بچتا ہے بلکہ اس کی مخالفت کے تصور ہی سے کانپتا ہے۔ اس عاشق اور محب سے مخالفت کا اختیار سلب نہیں ہو گیا لیکن محبت کی وجہ سے اس میں ایسا وصف پیدا ہو گیا ہے کہ وہ اپنے اختیار کو موافقت میں استعمال کرتا ہے مخالفت میں نہیں۔

اسی طرح انبیاء علیہم السلام میں اللہ تعالیٰ نے وصف عصمت پیدا فرما دیا جس کے اسباب بھی بتمام و کمال ان میں موجود ہوتے ہیں یعنی کمال معرفت الٰہیہ اور کمال محبت خداوندی اور ان کا کامل نمونہ ہونا۔ یہ وصف اور خلق ان کو خیر کے اختیار کرنے پر ابھارتا ہے اور برے کاموں سے روکتا ہے۔

عصمت انبیاء کی تائید میں یہ آیات دلیل ہیں

۱۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

آپ کہہ دیجئے اگر تم اللہ سے محبت چاہتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا

اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات میں مطلق پیروی کو کہا گیا ہے کسی خاص معاملہ میں پیروی کو مقید نہیں کیا گیا جس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر عمل نمونہ ہے۔ پھر

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ اور تمہارے لئے اللہ کے رسول میں عمدہ نمونہ ہے

اس آیت کے مطابق تمام زندگی نمونہ ہوئی۔ لہٰذا آپ ہر ہر عمل میں معصوم ہوں گے کیونکہ اگر کسی ایک بات میں بھی آپ کو معصومیت حاصل نہ ہوتی تو مومنین کو اس سے مستثنیٰ کر دیا جاتا۔

پھر ایک اور آیت میں فرمایا فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ یعنی آپ انبیاء کی پیروی کیجئے اس آیت میں بغیر کسی شرط کے پیروی کرنے کا حکم ہوا لہٰذا معلوم ہوا کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کو بھی عصمت حاصل ہے ورنہ مطلقاً ان کی اقتداء کرنے کے حکم کا کچھ مطلب نہ ہوتا۔

۲۔ عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ
(سورہ جن: ۲۶)

غیب کا جاننے والا وہی ہے سو وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا ہاں مگر اپنے کسی برگزیدہ پیغمبر کو

اس آیت میں فعل ارتضیٰ کو کسی شرط کے بغیر مطلق رکھا ہے یعنی یہ نہیں فرمایا کہ اعمال یا اخلاق و عادات کے باعث یا اس امر میں اور اس امر میں چن لیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ رسول کے تمام ہی امور اور عادات و افعال اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہوں اور وہ ہر طرح سے صغائر اور کبائر سے پاک ہوں۔

عصمت انبیاء کے عقیدے پر اعتراض اور اس کا جواب

قرآن پاک میں بعض آیات ایسی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عصمت انبیاء کا عقیدہ درست نہیں ہے مثلاً

۱۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بارہ میں سورہ طٰہٰ میں ہے وعصی آدم ربہ فغوی

۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارہ میں سورۃ الانبیاء میں ہے بل فعلہ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَاسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ

۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں سورۃ الشعراء میں ہے قال فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ نیز وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ

جواب

یہ واقعات گناہ کے نہیں ہیں بلکہ یا تو سرے سے ان میں کچھ عیب ہی نہیں ہے

یا صرف بھول چوک کے ہیں یا غلط فہمی کے ہیں جو بڑے بڑے عقل مندوں کو بھی پیش آجاتی ہے اور سوائے خدا تعالیٰ کے کوئی اس سے منزہ نہیں ہے کسی مخالف مرضی کام کو موافق مرضی اور موافق مرضی کو مخالف مرضی سمجھ جائیں اور اس وجہ سے بظاہر خلاف مرضی کام ہو جائے تو ہو جائے۔ لیکن اس کو گناہ نہیں کہتے۔ گناہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ جان بوجھ کر مخالفت کی جائے۔ چنانچہ بھول چوک کو لغزش کہتے ہیں گناہ نہیں کہتے۔

پہلی مثال

قصہ یہ تھا کہ شیطان انکار سجدہ کے جرم میں ملعون و مردود ہو چکا تھا چونکہ یہ زخم اس کو آدم علیہ السلام کی وجہ سے پہنچا تھا اس لئے ان کا جانی دشمن ہو گیا تھا جب اس نے دیکھا کہ میں تو یوں مردود کیا گیا اور ان کا یوں اعزاز ہوا ہے اب اس فکر میں لگا کہ کسی طرح آدم کو مع ان کی بیوی کے اس عیش و عشرت سے جدا کرنا چاہیے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو بھی اس کی عداوت و فکر آزار رسانی سے آگاہ کر دیا تھا۔ غرض یہ آدم علیہ السلام کے پیچھے پڑا اور ان کو جس طرح ہو سکا بہکانا شروع کیا کہ اصل میں اس درخت کی خاصیت یہ ہے کہ اس کے کھانے سے حیات ابدی حاصل ہوتی ہے یا آدمی فرشتہ بن جاتا ہے۔

فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى (طٰہٰ: ۱۱۷)

پھر کہا ہم نے اے آدم یہ دشمن ہے تیرا اور تیری بیوی کا سو نکلوا نہ دے تم کو جنت سے پھر تو پڑ جائے تکلیف میں

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى (طٰہٰ: ۱۲۰)

پھر وسوسہ ڈالا اس کی طرف شیطان نے کہا اے آدم کیا میں بتاؤں تجھ کو

سدا زندہ رہنے کا درخت اور ایسی بادشاہی جو پرانی نہ ہو۔

قَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْتَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ (اعراف: ۲۱)

شیطان نے کہا تم کو نہیں روکا تمہارے رب نے اس درخت سے مگر اس لئے کہ کہیں تم ہو جاؤ فرشتے یا ہو جاؤ ہمیشہ رہنے والے اور ان کے آگے قسم کھائی کہ میں البتہ تمہارا خیر خواہ ہوں۔

مگر جس وقت اللہ تعالیٰ نے تم کو منع کیا تھا اس وقت تمہاری حالت کے مناسب یہی تھا کہ فرشتہ ہونے یا ہیشگی کے اسباب کا ارتکاب نہ کیا جائے۔ اس وقت تمہاری استعداد ضعیف تھی (جیسا کہ ضعیف المعدہ کو غذائے قوی سے ممانعت ہوا کرتی ہے) اور اب تمہاری استعداد قوی ہو گئی ہے۔ اس حالت کے لئے ممانعت بھی نہیں ہے کیونکہ جب علت نہیں رہتی معلول بھی نہیں رہا کرتا (جیسے ضعف معدہ رفع ہونے کے بعد پھر وہ سابقہ ممانعت باقی نہیں رہتی) اور اس مضمون پر قسمیں کھا گیا۔

چونکہ تاویل بڑی تمکین تھی ادھر اللہ کی قسمیں کھا گیا جس کا نام سن کر محبت والے تو گھل ہی جاتے ہیں اور وہم و گمان میں بھی نہ ہو گا کہ کوئی اس طرح خدا کے نام کی جھوٹی قسمیں کھا سکتا ہے۔ پھر شیطان نے لالچ بھی دیا تو حیات دائمی کا اور فرشتہ ہونے کا جو نور علی نور کا مصداق ہوا۔ اور پھر ممکن ہے کہ اس کو پہچانا بھی نہ ہو کسی نئی شکل میں ملا ہو۔ غرض حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی اور انہوں نے اپنے اجتہاد سے اس بات کو قرین قیاس اور مناسب حال سمجھا کہ اس وقت درخت سے کھانا منع نہیں ہے اور کھا لیا۔ یہ حقیقت ہے لغزش میں آ جانے کی یعنی مخالف مرضی کام کو غلط فہمی سے موافق مرضی سمجھ لیا۔

اگر کسی کو خلجان ہو کہ جو خطا تاویل و اجتہاد سے ہو وہ اس قدر دارو گیر کے قابل نہیں۔

جواب یہ ہے کہ جو شخص بلند درجہ رکھتا ہو اور بہت سمجھ دار ہو اس پر اپنے مرتبہ سے کمتر کوئی کام کرنے پر ملامت کی جاتی ہے اگرچہ وہ کام فی نفسہ خوبی والا ہو۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے حسنات الابرار سیئات المقربین یعنی وہ کام جو عام نیکو کاروں کے حق میں خوبی اور نیکی شمار ہوتا ہے۔ بسا اوقات مقرب اور بلند درجہ والوں کے حق میں خطا سمجھا جاتا ہے اور حاصل اس کا یہ ہوتا ہے کہ تم نے زیادہ غور سے کام کیوں نہیں لیا۔

جب قصہ یوں ہے تو اللہ تعالیٰ کا قرآن پاک میں یہ ارشاد فرمانا وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى (اور آدم سے اپنے رب کا قصور ہو گیا سو غلطی میں پڑ گئے یعنی خلد و ہیشگی کے مقصود کی تحصیل کے بارے میں)

اس کا مطلب یہ ہے کہ غلط فہمی یا اجتہاد میں خطا اور چوک ہو جانے سے وہ غلطی میں مبتلا ہو گئے اور ان سے قصور ہو گیا۔ اس کو نافرمانی سمجھنا جو نفس کی سرکشی اور بغاوت سے ہوتی ہے یا نفس کی شرارت سے ہوتی ہے بہت بڑی غلطی ہے۔ غرض یہ گناہ نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کے قرب اور محبت ہی کی تحصیل کی کوشش میں خطا اور چوک تھی۔

دوسری مثال

بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا

ایک مرتبہ جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ساری قوم بادشاہ، کاہن اور مذہبی پیشوا میلہ میں مصروف تھے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوچا کہ وقت آگیا ہے کہ میں مشاہدہ کی صورت میں لوگوں پر واضح کر دوں کہ ان کے دیوتاؤں کی حقیقت کیا ہے؟ وہ اٹھے اور مندر میں پہنچے۔ دیکھا کہ وہاں بتوں کے سامنے کھانے کی چیزوں کے چڑھاوے رکھے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام نے طنزیہ لہجہ میں چپکے چپکے ان بتوں سے خطاب کر کے کہا کہ یہ سب کچھ موجود ہے ان کو کھاتے کیوں نہیں؟ اور پھر کہنے لگے میں بات کر رہا ہوں کیا بات ہے کہ تم جواب نہیں دیتے۔ اور پھر ان سب کو توڑ پھوڑ

ڈالا اور سب سے بڑے بت کو چھوڑ کر واپس چلے آئے۔

فَرَاغَ اِلٰی اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ○ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ○ (سورہ صافات ۹۳-۹۱)

پس چپکے سے جا گھسا ان کے بتوں میں اور کہا (ابراہیم نے ان بتوں سے) کیوں نہیں کھاتے ہو؟ تم کو کیا ہو گیا کیوں نہیں بولتے؟ پھر اپنے داہنے ہاتھ سے ان سب کو توڑ ڈالا۔

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ (سورہ انبیاء - ۵۸)

پس کر دیا ان کو ٹکڑے ٹکڑے مگر ان میں سے بڑے بت کو چھوڑ دیا تاکہ (اپنے عقیدہ کے مطابق) وہ اس کی طرف رجوع کریں (کہ یہ کیا ہو گیا)۔

جب لوگ میلے سے واپس آئے تو مندر میں بتوں کا یہ حال پایا۔ سخت برہم ہوئے اور ایک دوسرے سے دریافت کرنے لگے کہ یہ کیا ہوا اور کس نے کیا؟ ان میں وہ بھی تھے جن کے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ الفاظ کہہ چکے تھے تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ یعنی میں تمہارے بتوں کے ساتھ خفیہ چال چلوں گا۔ انہوں نے فوراً کہا کہ یہ اس شخص کا کام ہے جس کا نام ابراہیم ہے۔

قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ (سورۃ انبیاء: ۶۰/۵۹)

وہ کہنے لگے یہ معاملہ ہمارے خداؤں کے ساتھ کس نے کیا بلاشبہ وہ ضرور ظالم ہے (ان میں سے بعض) کہنے لگے ہم نے ایک جوان کی زبان سے ان بتوں کا (برائی کے ساتھ) ذکر سنا ہے اس کو ابراہیم کہا جاتا ہے (یعنی یہ اس کا نام ہے)

کاہنوں اور سرداروں نے جب یہ سنا تو غضبناک ہوئے اور کہنے لگے اس کو مجمع کے سامنے پکڑ کر لاؤ تاکہ سب دیکھیں کہ مجرم کون شخص ہے۔

قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ○ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ○ (سورہ انبیاء: ۶۲/۶۱)

انہوں نے کہا اس کو لوگوں کے سامنے لاؤ تاکہ وہ دیکھیں۔ کہا اے ابراہیم کیا تو نے ہمارے دیوتاؤں کے ساتھ یہ کیا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دیکھ کر کہ یہ اس کافر قوم کے باطل عقیدے پر کاری ضرب لگانے کا موقع ہے یوں جواب دیا۔

بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْــَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ (سورہ انبیاء: ۶۳)

بلکہ ان کے اس بڑے بت نے یہ کیا ہے پس اگر یہ بولتے ہوں تو ان سے دریافت کر لو۔

یہی وہ مقام ہے جس کو معترضین بطور اعتراض پیش کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے غلط بیانی کی تو ان کو عصمت کہاں حاصل رہی۔ حالانکہ یہ ان لوگوں کی بدفہمی ہے۔

سوال سے غرض تعیین تھی کیونکہ وہ یہ جاننا چاہتے تھے کہ بتوں کو کس نے توڑا اور اسی کے لئے انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا تم نے بتوں کو توڑا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توڑنے والے کی تعیین کر دی۔ لیکن اب یہ اعتراض باقی رہا کہ فی الواقع بڑے بت نے تو ان کو نہیں توڑا تھا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسا جواب کیوں دیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن پاک میں ہے

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (ریت بھری مٹھی جب آپ نے پھینکی تو آپ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی) (سورہ انفال: ۱۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹھی بھر ریت پھینکی اور قرآن نے اذ رمیت کہہ کر اس کا اثبات بھی کیا لیکن پھر مارمیت کہہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پھینکنے کی نسبت کی نفی کی اور ولکن اللہ رمی کہہ کر پھینکنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پھینکنے کی نفی اور اللہ تعالیٰ کی طرف پھینکنے کی نسبت کرنا تاثیر حقیقی کے اعتبار سے ہے یعنی بظاہر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھینکی لیکن چونکہ موثر حقیقی تو اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے اس لئے تاثیر حقیقی کے اعتبار

سے اصل بھیکنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔

اور یہ بات ذہن نشین رہے کہ معبود حقیقی وہی ذات ہو سکتی ہے جو قدرت کاملہ رکھتی ہو اور موثر حقیقی ہو جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا
اَفَتَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَالَا يَنۡفَعُكُمۡ شَيۡـًٔـا وَّلَا يَضُرُّكُمۡ (سورہ انبیاء : ۲۶)

تو کیا اللہ کو چھوڑ کر تم ایسی چیز کی عبادت کرتے ہو جو تم کو نہ کچھ نفع پہنچا سکے اور نہ ہی نقصان پہنچا سکے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم چونکہ ان بتوں کو معبود حقیقی اور قادر مطلق سمجھتی تھی تو ان کے عقیدے کے اعتبار سے جواب دیا بل فعلہ کبیرھم ھذا یعنی (ہاں میں نے ان کو توڑا ہے لیکن جب تم ان کو معبود حقیقی اور موثر حقیقی اور قادر مطلق سمجھتے ہو تو ان کی قدرت اور تاثیر حقیقی کے اعتبار سے یہ کہنا صحیح ہو گا کہ) بلکہ اس بڑے بت نے ان کو توڑا ہے۔

اس بیان سے واضح ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کلام میں کچھ عیب نہیں ان کے لباس عصمت پر دھبہ بن سکے۔

تیسرا باب

معجزات یا دلائل نبوت

معجزہ کا لفظ از روئے لغت عجز سے مشتق ہے جو قدرت کی ضد ہے۔ حرف ہا یا تو اس میں مبالغہ کے لئے ہے اور یا لفظ معجزہ آیۃ (نشانی) کی صفت ہے اور اس کا موصوف محذوف ہے۔

اس کو معجزہ اس لئے کہتے ہیں کہ مخلوق اس کے ظاہر کرنے سے عاجز ہوتی ہے۔

امر خارق للعادۃ کو معجزہ کہنا بطور مجاز ہے۔ درحقیقت معجز (عاجز کرنے والا) وہ فعل نہیں ہوتا جو نبی کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے بلکہ اللہ کی ذات اس فعل کے ذریعے سے مکذبین و منکرین کو عاجز کرنے والی ہے۔

تعریف معجزہ اس خارق عادت چیز کو کہتے ہیں جو خدا کی طرف سے پیغمبر کی تصدیق کے لئے صادر ہو۔

قرآن پاک میں اس کی جگہ آیت اور برہان کے الفاظ اور حدیث میں علامات و دلائل کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ علم عقائد والوں کے نزدیک لفظ معجزہ بطور اصطلاح رائج ہے۔

قرآن پاک کی چند آیات جن میں معجزات کو آیات اور برہان کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے

۱۔ فَلَمَّا جَآءَهُمۡ مُّوۡسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوۡا مَا هٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ مُّفۡتَـرًى (سورہ قصص : ۳۶) پس جب موسیٰ ان کے پاس ہماری کھلی نشانیوں کے ساتھ آئے تو انہوں نے کہا یہ نہیں ہے مگر گھڑا ہوا جادو

۲۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا۔

اِنۡ كُنۡتَ جِئۡتَ بِاٰيَةٍ فَاۡتِ بِهَاۤ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ (سورہ اعراف: ۱۰۶) اگر تو آیا ہے کوئی نشانی لے کر تو اس کو لا اگر تو سچا ہے۔

۳۔ کفار کہتے تھے

فَلۡيَاۡتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَاۤ اُرۡسِلَ الۡاَوَّلُوۡنَ (سورہ انبیاء) پس چاہئے کہ وہ لائے ہمارے پاس کوئی نشانی جیسے کہ پہلے رسول بھیجے گئے۔

۴۔ حضرت صالح علیہ السلام کا قول نقل کیا۔

يٰقَوۡمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَـكُمۡ اٰيَةً (سورہ ھود: ۶۴) اے میری قوم یہ اونٹنی ہے اللہ کی تمہارے لئے نشانی

اسلامی فرقوں میں سے صرف بعض اشاعرہ کے نزدیک کوئی شے کسی کی علت (Cause) نہیں ہوتی اور نہ ہی اشیاء میں خواص و تاثیر ہے۔ اور ان بعض اشاعرہ کے علاوہ باقی تمام فرقے اس بات کے معترف ہیں کہ عالم میں جو کچھ ہوتا ہے وہ علت معلول (Cause And Effect) سبب مسبب' شرط مشروط اور اثر موثر کے سلسلہ کے بغیر نہیں ہوتا (اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کے ایسا مقرر کرنے اور ایجاد کرنے سے ہوا ہے) اسی سلسلہ نظام کا نام فطرت سنة الله اور خلق الله ہے اور قرآن پاک کی ان آیتوں میں اس کی طرف اشارہ ہے۔

لَا تَبۡدِيۡلَ لِخَـلۡقِ اللّٰهِ (اللہ کی خلق میں کوئی تبدیلی نہیں ہے)

وَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبۡدِيۡلًا (تو اللہ کی سنت میں کچھ تبدیلی نہ پائے گا)

البتہ قانون فطرت کی نوعیت دراصل قانون عادت کی ہے۔ اور اسی قانون عادت کو عادۃ اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے جس کی بناء پر عمل فطرت میں یکسانی نظر آتی ہے۔ اور ان قوانین کا منشا اندھے بہرے بے علم و اختیار مادہ (Matter) کا اٹل وجوب و لزوم سے نہیں ہے بلکہ ایک علم و اختیار والی ذات (اللہ تعالیٰ) کی عادت جاریہ سے ہے جو کسی حکمت و مشیت کے تحت کبھی کبھی اس عادت جاریہ کے خلاف اور اپنی خاص عادت کے مطابق بھی کر سکتی ہے۔

یاد رہے کہ عادت اللہ کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ عادت مستمرہ عامہ (یعنی عام عادت جو جاری نظر آتی ہے) ۲۔ عادت موقتہ خاصہ (خاص خاص وقت کی عادت)

عادت کی یہ دونوں ہی قسمیں ہمیں نوع انسانی کے افراد میں بھی ملتی ہیں مثلاً ایک شخص کو ہم دیکھتے ہیں کہ بڑا نرم خو حلیم الطبع اور بردبار ہے۔ ہزار گالیاں سننے اور اشتعال دلانے پر بھی اسے غصہ نہیں آتا لیکن اس کے باوجود یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جب کبھی مذہب پر حملہ ہو یا اس کے سامنے پیغمبر علیہ السلام کی توہین کی جائے تو اس وقت غصہ سے بے تاب ہو کر آپے سے باہر ہو جاتا ہے تو توہین کے وقت اس کی یہ سخت گیری اور درشتی اگرچہ اس کی عام عادت کے خلاف ہے لیکن وہ بجائے خود اس کی ایک خاص اور مستقل عادت ہے جس کے تجربہ کا موقع گاہ بگاہ اس کے اسباب مہیا ہونے پر ملتا رہتا ہے۔

اب جس چیز کو معجزہ کہتے ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کا ایک فعل ہے جو اس کی عام عادت کے گو خلاف ہے مگر عادت خاصہ کے خلاف نہیں ہوتا بلکہ اس کے موافق ہوتا ہے کیونکہ خاص اوقات میں مخصوص مصالح کی بنا پر عام عادت کو چھوڑ کر خوارق و معجزات کو ظاہر کرنا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی ایک خاص عادت ہے اور جیسا کہ عادت مستمرہ عامہ کے تحت اللہ تعالیٰ کے افعال کے کچھ اسباب ہوتے ہیں اسی طرح عادت خاصہ کے تحت صادر ہونے والے افعال یعنی معجزات کے بھی اسباب ہوتے ہیں لیکن وہ مخفی اور غیر معمولی ہوتے ہیں جن کا ادراک انسانی طاقت سے باہر ہوتا ہے۔

قدرت اور عادت کے درمیان فرق

ایک کام کی قدرت (یعنی کر سکنا) اور ایک اس کی عادت (یعنی کرتے رہنا) یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔ ہر انسان اپنے تئیں محسوس کرتا ہے کہ خورد و نوش' لباس' سواری اور معاشرت کے متعلق جو امور اس کی عادت میں داخل ہیں وہ ان کے

خلاف پر بھی قادر ہے گو ان کے خلاف پر عمل کرنا اس کی عادت میں داخل نہیں۔ اسی طرح جو لوگ خدا کی ہستی اور اس کی قدرت کے قائل ہیں ان کو لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑا ہے کہ خدا کی قدرت ارادہ اور عادت یہ تینوں ایک دوسرے سے بالکل ممتاز و جدا ہیں۔ ضروری نہیں کہ جو کچھ خدا کر سکتا ہے وہ سب کر ڈالے اور جو کر ڈالے اس کو بار بار اور ہمیشہ کرتا رہے۔

ہم قادر مطلق کی یہ عادت برابر دیکھتے چلے آتے ہیں کہ وہ بچے کو رحم مادر سے نکالتا ہے اور پھر بتدریج پرورش کرتا ہے چنانچہ ہم میں سے کسی نے نہیں دیکھا کہ کوئی جوان انسان یوں ہی آسمان سے گرا دیا گیا ہو یا زمین سے اگ آیا ہو۔ مگر اس کے باوجود ہم یقین رکھتے ہیں کہ اس کی عادت مستمرہ کے خلاف رحم اور نطفہ کے توسط کے بغیر انسان کو پیدا کرنا خدا کی قدرت میں شامل ہے۔ آخر ابتدائے آفرینش میں جب انسان پیدا کیا گیا تو یقیناً اس کی کیفیت اس متعارف طریقہ پیدائش سے بالکل مختلف تھی اور تمام اقوام و ملل کو تسلیم کرنا پڑا ہے کہ اس وقت ایک یا متعدد انسان بغیر ازدواجی وسائل اور موجودہ قانون تناسل کے جوان جوان محض خدا کی قدرت اور اس کے ارادہ سے پیدا ہو گئے۔

لہٰذا جو مذہب یہ تسلیم کرتا ہے قطعاً حق نہیں رکھتا کہ وہ اس کے بعد قادر مطلق کو ظاہری سلسلہ اسباب میں ایسا جکڑ بند کر دے کہ خواہ کیسی ہی حکمت اور مصلحت کا تقاضا ہو مگر وہ ایک منٹ کے لئے ان اسباب کے سلسلہ سے علیحدہ ہو کر کوئی چھوٹے سے چھوٹا کام کرنے سے مجبور اور عاجز ٹھہرے۔

معجزہ کا دلیل نبوت ہونا

عام انسانوں کی فطرت ہے کہ جب ان کے سامنے کوئی شخص غیر معمولی دعویٰ کرتا ہے تو وہ اس سے دلیل کے طلب گار ہوتے ہیں اور اس سے بڑھ کر کیا دعویٰ ہو گا کہ ایک شخص یہ کہے کہ وہ لوگوں کی طرف خدا کا فرستادہ ہے۔ چونکہ یہ دعویٰ بہت بڑا

اور بہت غیر معمولی (Extra-Ordinary) ہے اس لئے اس کی دلیل اور نشانی بھی غیر معمولی (Extra- Ordinary) ہونی چاہئے۔ اور اگرچہ وہ لوگ جو عالی فہم اور سلیم الطبع ہوتے ہیں ان کے لئے اصل دلیل تو نبی کی ذات و صفات اور اس کی تعلیم ہوتی ہے لیکن عام لوگ جو ظاہری اور حسی نشانیوں سے متاثر ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو بھی تشنہ نہیں چھوڑتے اور ضرورت و مصلحت کے مطابق اپنے انبیاء کو ایسی نشانیاں عطا فرماتے ہیں۔ جن کو دکھانے سے دوسرے تمام انسان عاجز ہوں تاکہ کوئی شخص انبیاء علیہم السلام سے معارضہ نہ کر سکے کہ ایسا تو اور لوگ بھی کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو دعوت دی تو وہ کہنے لگے کہ

مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (سورہ شعراء: ۱۵۴)

تو بھی ایک آدمی ہے جیسے ہم سو لے آ کچھ نشانی اگر تو سچا ہے۔

اس کے جواب میں حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا يٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً (سورہ ہود: ۶۴) اے میری قوم یہ اونٹنی ہے اللہ کی تمہارے لئے نشانی

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دعوت دی تو وہ بولا اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (سورہ اعراف: ۱۰۶) اگر تو آیا ہے کوئی نشانی لے کر تو لا اگر تو سچا ہے تو جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا ڈالا فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ (اعراف: ۱۰۷) تب ڈال دیا اس نے اپنا عصا تو اسی وقت ہو گیا اژدھا صریح

لیکن جو لوگ حق اور اس کی نشانی کو دیکھنے اور پہچاننے کے باوجود ماننے پر آمادہ نہ ہوں اور محض کٹ حجتی کے طور پر قسم قسم کے مطالبے کرتے ہوں تو مصلحت و حکمت کے خلاف ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کے مطالبے پورے نہیں کرتے۔

یاد رہے کہ معجزہ اور کرامت اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جو کسی نبی یا ولی کے ہاتھ پر ظاہر کیا جاتا ہے۔ جب اللہ چاہتے ہیں ان کو ظاہر فرماتے ہیں نبی یا ولی کو قدرت

حاصل نہیں ہوتی کہ وہ از خود جب چاہیں معجزہ یا کرامت کر کے دکھا دیں۔ لہٰذا اگر کوئی شخص نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر معجزہ کو ظاہر نہیں کرتے کیونکہ اگر یوں عادت جاری نہ ہو تو انتظام عالم بگڑ جائے۔ دنیا میں اگر کوئی شخص بادشاہ کی نیابت یا سفارت کا جھوٹا دعویٰ کر کے جعلی سند بناتا ہے تو بادشاہ خبر پانے کے بعد ملکی انتظام کی خاطر اس جھوٹے کو بڑی سزا دیتا ہے۔ جب دنیا کے حاکموں اور بادشاہوں کو ملکی انتظام اس قدر مقصود ہوتا ہے تو کیا احکم الحاکمین کو اپنے عالم کا انتظام مقصود نہ ہو گا۔ لہٰذا جھوٹے شخص سے ہرگز معجزہ ظاہر نہ ہونے دے گا اور اس جھوٹے کو دنیا ہی میں رسوا کرے گا۔

۱۔ مسیلمہ کذاب سے کسی نے کہا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تو فلاں شخص کی آنکھ درست ہو گئی تھی۔ اگر تو نبی ہے تو تو بھی کر۔ مسیلمہ نے دعا کی لیکن اس کی وجہ سے کہنے والے کی دوسری آنکھ بھی خراب ہو گئی۔

۲۔ ماضی قریب میں مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا۔ مرزا نے بہت سی پیشین گوئیاں کیں۔ چونکہ پیشین گوئیاں سچے نبی کے حق میں معجزہ اور دلیل نبوت ہوتی ہے اور مرزا قادیانی جھوٹا مدعی نبوت تھا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس کی تمام پیشین گوئیوں کو غلط کر دیا۔ مثلاً

محمدی بیگم سے شادی کرنے کی پیشین گوئی

۱۰ مئی ۱۸۸۸ء کے مرزائی اشتہار میں تفصیل شائع ہوئی

"محمدی بیگم کے ماموں (مرزا امام الدین وغیرہ) جو مجھ کو میرے دعویٰ الہام میں مکار اور دروغ گو خیال کرتے تھے مجھ سے کوئی نشانی آسمانی مانگتے تھے۔ اس وجہ سے کئی دفعہ ان کے لئے دعا کی گئی۔ سو وہ دعا قبول ہو کر خدا تعالیٰ نے یہ تقریب قائم کی ------ خدائے قادر و حکیم مطلق نے مجھے فرمایا کہ اس شخص کی دختر کلاں (محمدی بیگم) کے نکاح کے لئے سلسلہ جنبانی کر اور ان سے کہہ دے کہ تمام سلوک اور

مروت تم سے اسی شرط سے کیا جائے گا اور یہ نکاح تمہارے لئے موجب برکت اور ایک رحمت کا نشان ہو گا لیکن اگر نکاح سے انحراف کیا تو اس لڑکی کا انجام نہایت ہی برا ہو گا اور جس کسی دوسرے شخص سے بیاہی جائے گی وہ روز نکاح سے اڑھائی سال تک اور ایسا ہی والد اس دختر کا تین سال تک فوت ہو جائے گا ------ پھر ان دنوں میں جو بار بار توجہ کی گئی تو معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ نے یہ مقرر کر رکھا ہے کہ وہ احمد بیگ کی دختر کلاں کو ------ ہر ایک روک دور کرنے کے بعد انجام کار اسی عاجز کے نکاح میں لائے گا ------" (تبلیغ رسالت ص ۱۱۵۔ ۱۱۷ بحوالہ رئیس قادیان)

"بدخیال لوگوں کو واضح ہو کہ ہمارا صدق یا کذب جانچنے کے لئے ہماری پیش گوئی سے بڑھ کر اور کوئی محل امتحان نہیں ہو سکتا" (تبلیغ رسالت ج ۱ ص ۱۱۷ بحوالہ ارفع)

"میں بار بار کہتا ہوں کہ نفس پیش گوئی داماد احمد بیگ کی تقدیر مبرم ہے۔ اس کی انتظار کرو۔ اور اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ پیش گوئی پوری نہیں ہو گی اور میری موت آ جائے گی۔"

"یاد رکھو کہ اس پیش گوئی کی دوسری جزو (سلطان محمد کی موت) پوری نہ ہوئی تو میں ہر ایک بد سے بدتر ٹھہروں گا۔ اے احمقو یہ انسان کا افتراء نہیں نہ یہ کسی خبیث مفتری کا کاروبار ہے۔ یقیناً سمجھو کہ یہ خدا کا سچا وعدہ ہے۔ وہی خدا جس کی باتیں نہیں ٹلتی ہیں۔" (بحوالہ رئیس قادیان ص ۱۴۶)

نتیجہ

لیکن نہ تو مرزا قادیانی کا نکاح مرزا احمد بیگ کی بیٹی محمدی بیگم سے ہوا اور نہ ہی محمدی بیگم کے شوہر اور مرزا احمد بیگ کے داماد مرزا سلطان محمد کا انتقال ہوا بلکہ وہ مرزا قادیانی کے انتقال کے بعد بھی بڑی عمر تک زندہ رہا۔

عیسائی مسٹر عبد اللہ خاں آتھم سابق ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کی ہلاکت کی پیشین گوئی

اس پیشین گوئی کے بارے میں مرزا قادیانی کے الفاظ یہ تھے۔

"آج رات جو مجھ پر کھلا وہ یہ ہے کہ جب میں نے بہت تضرع اور ابتہال سے جناب الٰہی میں دعا کی کہ تو اس امر میں فیصلہ کر اور ہم عاجز بندے ہیں تیرے فیصلہ کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔ تو اس نے مجھے یہ نشان بشارت کے طور پر دیا کہ اس بحث میں دونوں فریقوں میں سے جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور عاجز انسان (یعنی حضرت عیسٰی علیہ السلام) کو خدا بنا رہا ہے وہ انہی دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک مہینہ لے کر یعنی پندرہ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جائے گا اور اس کو سخت ذلت پہنچے گی۔ بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔۔۔۔۔۔۔

"میں اس وقت اقرار کرتا ہوں کہ اگر یہ پیش گوئی جھوٹی نکلی یعنی وہ فریق جو خدا تعالیٰ کے نزدیک جھوٹ پر ہے وہ پندرہ ماہ کے عرصہ میں آج کی تاریخ سے بہ سزائے موت ہاویہ میں نہ پڑے تو میں ہر ایک سزا کے اٹھانے کے لئے تیار ہوں۔ مجھ کو ذلیل کیا جاوے۔ رو سیاہ کیا جاوے میرے گلے میں رسہ ڈال دیا جاوے۔ مجھ کو پھانسی دیا جاوے۔ ہر ایک بات کے لئے تیار ہوں۔ اور میں اللہ جل شانہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ضرور وہ ایسا ہی کرے گا ضرور کرے گا زمین و آسمان ٹل جائیں پر اس کی باتیں نہ ٹلیں گی۔" (بحوالہ رئیس قادیان جلد دوم ص ۱۹۴)

نتیجہ

یہ آتھم جس کے سوا سال میں ہلاک ہونے کی پیش گوئی کی گئی وہ ایک ضعیف العمر بیمار شخص تھا اور ہر چند کہ اس رنجور و سال خوردہ شخص کی موت کے تمام قرائن موجود تھے لیکن خدائے غیور کو قادیانی متنبی کی رسوائی منظور تھی اس لئے باوجودیکہ ڈاکٹروں کی بھی رائے تھی کہ وہ چھ ماہ سے زیادہ جانبر نہ ہو سکے گا آتھم ڈھائی تین سال تک زندہ رہا۔

نوٹ

۱۔ جو خرق عادت نبی سے دعوئی نبوت کے بعد ظاہر ہو اس کو معجزہ کہتے ہیں اور جو نبوت سے پہلے ظاہر ہو اس کو ارہاص کہتے ہیں۔

۲۔ جو خرق عادت کسی ولی سے ظاہر ہو اس کو کرامت کہتے ہیں۔ ولی کی کرامت اس نبی کا معجزہ شمار ہوتی ہے جس کی امت میں سے وہ ولی ہوتا ہے کیونکہ یہ خود اس نبی کی صداقت پر دلیل ہے۔

حضرت مریم علیہا السلام جو کہ نبی نہ تھیں بلکہ ولیہ اور صدیقہ تھیں۔ بطور کرامت بے موسم رزق کا ان کے پاس آنا قرآن کریم میں ہے۔

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّىٰ لَكِ هَٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔

حضرت زکریا جب کبھی محراب میں مریم کے پاس جاتے تو ان کے پاس عجیب و غریب کھانے کی چیزیں رکھی ہوئی دیکھتے تو پوچھتے اے مریم یہ رزق تیرے پاس کہاں سے آیا' وہ کہتیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آیا بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بغیر حساب کے رزق دیتے ہیں۔

(۲) حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر اور صاحب و مشیر یعنی آصف بن برخیا کا جو کہ نبی نہ تھے۔ پلک جھپکنے سے پہلے بلقیس کے تخت کو لا کر سلیمان علیہ السلام کے سامنے رکھ دینا قرآن کریم میں مذکور ہے۔

قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا رَآهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهُ قَالَ هَٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي لِيَبْلُوَنِي أَأَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ۔

کہا اس شخص نے جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اس تخت کو آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے آپ کے پاس لا کر رکھ دوں گا چنانچہ وہ لے آیا پس سلیمان علیہ السلام نے جب اس کو اپنے سامنے رکھا ہوا دیکھ لیا تو یہ فرمایا کہ یہ اللہ کا فضل ہے جس سے

مقصود میری آزمائش ہے کہ اس کا شکر کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں۔

(۳) اصحاب کہف کا قصہ بھی قرآن کریم میں مذکور ہے کہ صدہا سال کروٹیں بدلتے رہے یہ اصحاب کہف کی کرامت تھی۔

وہ خرق عادت جو کسی کافر کے ہاتھ سے ظاہر ہو اس کو استدراج کہتے ہیں

چوتھا باب

انبیاء علیہم السلام میں حضرت محمد ﷺ کے امتیازات حضرت محمد ﷺ خاتم النبیین ہیں

عقیدہ

تمام انبیاء میں سب سے آخری نبی اور آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ کا دین اور آپ کی شریعت تمام گذشتہ دینوں اور شریعتوں کی ناسخ ہے اور آپ کی کتاب یعنی قرآن پاک آخری کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبری سے دین کو مکمل کردیا اب حضورؐ کے بعد کسی پیغمبر کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

حضرت محمد ﷺ پر ختم نبوت کے دلائل

۱۔ قرآن پاک میں ہے۔

مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا (سورہ احزاب: ۴۰)

ترجمہ۔ محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے ختم پر ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آپ آخری نبی ہیں۔ آپ کے بعد کسی کو منصب نبوت پر فائز نہیں کیا جائے گا چنانچہ امام حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

فھذہ الایۃ نص فی انہ لا نبی بعدہ و اذا کان لا نبی بعدہ فلا رسول بالطریق الاولی------ وبذلک وردت الاحادیث المتواترۃ عن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حدیث جماعۃ من الصحابۃ رضی اللہ عنہم (تفسیر ابن کثیر ص ۴۹۳ ج ۳)

"یہ آیت اس مسئلہ میں نص اور صریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور جب آپ کے بعد کوئی نبی نہیں تو رسول بدرجہ اولی نہیں ہو سکتا۔ اور اس مسئلہ پر کہ آپ کے بعد کوئی نبی و رسول نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متواتر احادیث وارد ہیں جو صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت سے مروی ہیں۔"

امام قرطبی رحمہ اللہ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں۔

قال ابن عطیۃ ھذہ الالفاظ عند جماعۃ علماء الامۃ خلفا وسلفا متلقاۃ علی العموم التام مقتضیۃ نصا انہ لا نبی بعدہ صلی اللہ علیہ وسلم

ابن عطیہ فرماتے ہیں کہ خاتم النبیین کے یہ الفاظ تمام قدیم و جدید علماء امت کے نزدیک کامل عموم پر ہیں جو نص قطعی کے ساتھ تقاضا کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی بھی نبی نہیں۔"

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ "الاقتصاد" میں فرماتے ہیں۔

ان الامۃ فھمت بالاجماع من ھذا اللفظ ومن قرائن احوالہ انہ افھم عدم نبی بعدہ ابدا ----- وانہ لیس فیہ تاویل ولا تخصیص فمنکر ھذا لا یکون الا منکر الاجماع (اقتصاد فی الاعتقاد ص ۱۲۳)

بے شک امت نے بالاجماع اس لفظ (خاتم النبیین) سے یہ سمجھا ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی (اور رسول) نہ ہو گا۔ اور اس پر اجماع ہے کہ اس لفظ میں کوئی تاویل و تخصیص نہیں۔ پس اس کا منکر یقیناً اجماع امت کا منکر ہے۔

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متواتر احادیث میں (وہ احادیث جن کو روایت کرنے والے اتنی کثیر تعداد میں ہوں کہ ان کے جھوٹ پر متفق ہونے یا سب کے کسی

غلط فہمی میں مبتلا ہونے کا احتمال باقی نہ رہے۔ یہ احادیث یقین کا فائدہ دیتی ہیں) اپنے خاتم النبیین ہونے کا اعلان فرمایا۔ اور ختم نبوت کی ایسی تشریح بھی فرما دی کہ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے میں کسی شک و شبہ اور تاویل کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

ا۔ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال مثلی و مثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بنیانا فاحسنہ واجملہ الا موضع لبنۃ من زاویۃ من زوایاہ فجعل الناس یطوفون بہ ویعجبون لہ ویقولون ھلا وضعت ھذہ اللبنۃ قال فانا اللبنۃ وانا خاتم النبیین (بخاری و مسلم و اللفظ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نے بہت ہی حسین و جمیل محل بنایا مگر اس کے کسی کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ لوگ اس کے گرد گھومنے اور اس پر عش عش کرنے لگے اور یہ کہنے لگے کہ یہ ایک اینٹ بھی کیوں نہ لگا دی گئی؟ آپ نے فرمایا میں وہی (کونے کی آخری) اینٹ ہوں اور میں نبیوں کو ختم کرنے والا ہوں۔

ب۔ عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلی انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۳۳)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا تم مجھ سے وہی نسبت رکھتے ہو جو ہارون کو موسیٰ (علیہما السلام) سے تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

ج۔ عن ثوبان رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ سیکون فی امتی کذابون ثلاثون کلھم یزعم انہ نبی وانا خاتم

النبیین لا نبی بعدی (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۲۸)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں تیس جھوٹے پیدا ہوں گے۔ ہر ایک یہی کہے گا کہ میں نبی ہوں حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کسی قسم کا نبی نہیں۔

د۔ عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الرسالۃ والنبوۃ قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی (ترمذی ص ۵۱ ج ۲)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ رسالت و نبوت ختم ہو چکی ہے پس میرے بعد نہ کوئی رسول ہے اور نہ نبی۔

۳۔ مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ اپنی کتاب تحذیر الناس میں ختم نبوت پر جو دلیل لائے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے۔

سید المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسے امت کے نبی ہیں اسی طرح انبیاء کے بھی نبی ہیں جس کے دلائل یہ ہیں۔

ا۔ ارشاد الٰہی ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ

اور جب لیا اللہ نے عہد نبیوں سے کہ جو کچھ میں نے تم کو دیا کتاب اور علم پھر آئے تمہارے پاس کوئی رسول کہ سچا بتادے تمہارے پاس والی کتاب کو تو اس رسول پر ایمان لاؤ گے اور اس کی مدد کرو گے۔ (سورہ آل عمران : ۸۱)

ب۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر (حضرت) موسیٰ بھی زندہ ہوتے تو میرا ہی اتباع کرتے۔

ج۔ نزول کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

شریعت پر عمل کریں گے۔

جب آپ نبی الانبیاء ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے مرتبہ میں فائق ہیں۔ کوئی اور نہ آپ کے برابر کا ہے اور نہ ہی آپ سے بڑھ کر۔ اور سلسلہ نبوت مرتبہ میں آپ تک جا کر ختم ہو جاتا ہے۔

اور چونکہ نبوت کمالات علمی سے ہے تو نبوت میں تمام انبیاء سے فائق ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیگر تمام انبیاء سے زیادہ علم حاصل ہے اور یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن ملا جو تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ہے یعنی ایسی کتاب ہے جس میں تمام علوم ہدایت اور اصول دین اور فلاح دارین سے متعلق ضروری امور کا نہایت مکمل اور واضح بیان ہے۔ اور جب آپ کو قرآن ہی ملنا تھا جس کے بارے میں یہ محکم وعدہ الٰہی ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (ہم نے آپ اتاری ہے یہ کتاب اور ہم آپ اس کے نگہبان ہیں) تو قرآن کے علوم کا باقی اور محفوظ رہنا بھی ضروری تھا۔

اب اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے آتے یا سلسلہ نبوت کے درمیان میں آتے تو آپ کے بعد آنے والے انبیاء کا دین اگر دین محمدی کے مخالف ہوتا تو اعلیٰ کا ادنیٰ سے منسوخ ہونا لازم آتا حالانکہ خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا (سورہ بقرہ : ۱۰۶)

جو منسوخ کرتے ہیں ہم کوئی آیت یا بھلا دیتے ہیں تو بھیج دیتے ہیں اس سے بہتر یا اس کے برابر

اور انبیاء متاخرین کا دین اگر مخالف نہ ہوتا تو۔ چونکہ وحی انبیاء کا خاصہ لازم ہے اس لئے ان پر وحی آتی اور افاضہ علوم کیا جاتا۔ اور اس صورت میں اگر وحی علوم محمدی ہی ہوتے تو اس وحی کی کیا ضرورت ہوتی اور اگر علوم محمدی کے علاوہ ہوتے تو پھر قرآن کا تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ہونا غلط ہوتا۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ

وسلم سب سے آخر میں آئیں اور آپ کے بعد کوئی بھی نبی نہ ہو۔ بالفاظ دیگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت مرتبہ (یعنی مرتبہ نبوت کے آپ پر ختم ہونے) کو آپ کی تاخر زمانی (یعنی تمام انبیاء کے بعد ہونا) لازم ہے۔

حضرت محمد ﷺ کی نبوت کا سابقہ آسمانی کتابوں سے ثبوت

قرآن پاک اس بارے میں گواہ ہے کہ یہود و نصاریٰ اپنی آسمانی کتابوں کی وجہ سے کہ ان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بڑی کھلی کھلی بشارتیں تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوب اچھی طرح پہچانتے تھے۔

۱۔ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ (سورہ بقرہ: ۱۴۶)

جن کو ہم نے دی ہے کتاب پہچانتے ہیں اس کو جیسے پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو

۲۔ وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (سورہ صف: ٦)

اور جب کہا عیسیٰ بن مریم نے اے بنی اسرائیل میں بھیجا ہوا ہوں اللہ کا تمہارے پاس یقین کرنے والا اس پر جو مجھ سے آگے ہے توریت اور خوشخبری سنانے والا ہوں ایک رسول کی جو آئے گا میرے بعد اس کا نام ہے احمد

چند ایک بشارتیں یہ ہیں۔

پہلی بشارت

تورات سفر استثناء کے باب ۳۳ میں ہے۔

خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر آشکارا ہوا۔ وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار مقدسوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشیں شریعت ان کے لئے تھی۔ ہاں وہ اپنے لوگوں سے بڑی محبت رکھتا ہے اس کے سارے مقدس تیرے ہاتھ میں ہیں اور وہ تیرے قدموں کے پاس بیٹھے ہیں اور تیری باتوں کو مانیں گے۔"

پہاڑ سینا سے رب کا آنا یہ تھا کہ اس نے وہاں موسیٰ علیہ السلام کو تورات دی اور کوہ شعیر پر طلوع ہونے سے مراد ہے عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل دی اور فاران مکہ مکرمہ کے پہاڑوں کو کہتے ہیں پس کوہ فاران سے خدا کے جلوہ گر ہونے سے قرآن اتارنا مراد ہے کہ وہاں اترنا شروع ہوا اور فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار صحابہ تھے اور آتشیں شریعت بھی آپ کے ہاتھ میں تھی۔ آتشیں شریعت سے مراد یہ ہے کہ مشرکوں راہزنوں اور حرام کاروں اور چوروں بدمعاشوں کے لئے اس شریعت میں سخت احکام ہیں۔

اور یہ بات کہ فاران مکہ کے پہاڑ کو کہتے ہیں تورات سفر تکوین باب ۲۱ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں یوں ذکر ہے۔ "اور وہ فاران کے بیابان میں رہا۔" اور یہ بات متفق علیہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام مکہ کے بیابان میں رہا کرتے تھے اور وہاں ہی انہوں نے پرورش پائی ہے۔

دوسری بشارت

انجیل متی کے تیسرے باب میں لکھا ہے

"ان دنوں میں یوحنا بپتسمہ دینے والا یہودیہ کے بیابان میں ظاہر ہو کے منادی کرنے اور یہ کہنے لگا توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہت نزدیک ہے"

اور اسی انجیل کے چوتھے باب میں یوں ہے

"جب یسوع نے سنا کہ یوحنا گرفتار ہوا تب جلیل کو چلا گیا۔ اور اسی وقت سے

عیسیٰ نے منادی کرنی اور یہ کہنا شروع کیا کہ توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آئی۔ اور عیسیٰ جلیل کے عبادت خانوں میں تعلیم دیتا اور آسمانی بادشاہت کی خوشخبری سناتا تھا۔

اور اسی انجیل کے دسویں باب میں یوں ہے کہ

"عیسیٰ نے اپنے شاگردوں کو یہ تعلیم کی اور چلتے ہوئے منادی کرو اور کہو کہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آئی۔"

ان حوالجات سے معلوم ہوا کہ حضرت یحییٰ (یوحنا) علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواریوں کے عہد میں آسمانی سلطنت ظاہر نہ ہوئی تھی اور آسمانی سلطنت سے لباس شاہی میں نبوت مراد ہے یعنی اندر تو فقر اور ترک دنیا اور محبت الٰہی وغیرہ اور ظاہر میں حکمرانی بایں طور کہ آسمانی احکام کا اجراء ہے اور شیاطین و سرکشوں کے شر کا دفعیہ ہے۔ یہ آسمانی سلطنت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوئی۔

تیسری بشارت

انجیل یوحنا کے چودہویں باب میں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے فرمایا۔

"اگر تم مجھے دوست رکھتے ہو تو میری وصیتوں کو یاد رکھو اور میں باپ سے مانگتا ہوں وہ تمہیں فارقلیط دے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔۔۔۔۔۔ اور اب میں نے تم کو اس کے آنے سے پہلے خبر دے دی تاکہ جب وہ آئے تب تم ایمان لاؤ بعد اس کے میں تم سے بہت کلام نہ کروں گا اس لئے کہ اس جہان کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کی کوئی چیز نہیں۔"

سولہویں باب میں ہے۔

لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تمہارے لئے میرا جانا ہی بہتر ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں گا تو فارقلیط تمہارے پاس نہ آوے گا۔ پر اگر میں جاؤں گا تو میں اس کو

تمہارے پاس بھیج دوں گا۔

فارقلیط کا لفظ پیرکلوطوس کا معرب ہے جس کا معنی محمد یا احمد کے قریب ہیں۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک لوگ فارقلیط کے منتظر تھے چنانچہ بعض لوگوں نے فارقلیط ہونے کا دعویٰ بھی کیا۔ چنانچہ منٹس مسیحی نے دوسری صدی میں دعویٰ کیا تھا کہ میں وہ فارقلیط نبی ہوں کہ جس کی عیسیٰ علیہ السلام نے خبر دی ہے۔ پس بہت سے عیسائی لوگ اس پر ایمان لائے۔ لب التواریخ کا مصنف جو عیسائی ہے لکھتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے یہود و نصاریٰ ایک نبی کے منتظر تھے۔ اسی وجہ سے حبشہ کا بادشاہ نجاشی حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حال سن کر ایمان لایا اور کہا کہ بے شک یہ وہی نبی ہے کہ جن کی عیسیٰ علیہ السلام نے انجیل میں خبر دی ہے۔ اور نجاشی عیسائی تھا اور تورات و انجیل کو خوب جانتا تھا۔ اسی طرح بادشاہ قبط مقوقس نے حضرت کی نبوت کا اقرار کیا اور بہت سے ہدیے آپ کی خدمت میں روانہ کئے اور یہ عیسائی بادشاہ بھی تورات و انجیل کا بڑا عالم تھا۔ اور جارود بن العلاء جو اپنی قوم میں عیسائیوں کا بڑا عالم تھا حضرت پر ایمان لایا اور کہا کہ بے شک آپ کی خبر انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی ہے اور ہرقل شاہ روم نے بھی اقرار کیا تھا۔

چوتھی بشارت

تورات سفر استثناء کے اٹھارویں باب میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں فرماؤں گا وہ سب ان سے کہے گا"

یہ بشارت بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتی ہے کیونکہ آپ ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح کے صاحب شریعت رسول تھے اور بنی اسرائیل کے بھائیوں یعنی بنی اسماعیل میں سے تھے۔

عقیدہ حضرت محمد ﷺ کی بعثت و نبوت تمام عالم کے لیے ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور نبوت تمام عالم کے لئے عام ہے یعنی آپ تمام جہان کے لئے نبی ہیں اور آپ کی نبوت کی دعوت جن و انس سب کو شامل ہے جیسا کہ قرآن کریم اور احادیث متواترہ سے قطعی دلالت کے ساتھ ثابت ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ

ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا

آپ یہ اعلان کر دیجئے اے لوگوں میں تم سب کی طرف اللہ کی طرف سے رسول ہو کر آیا ہوں۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا

بابرکت ہے وہ ذات جس نے قرآن اپنے بندے پر اتارا تاکہ تمام جہانوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائے پس آپ تمام عالم کے لئے نبی ہیں اور قیامت تک آپ ہی کی نبوت کا دور دورہ ہے اور دین اسلام کے سوا کوئی اور دین قبول نہ ہو گا۔

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (سورہ آل عمران : ۱۹) بلاشبہ دین اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے۔

وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (سورہ مائدہ : ۳) اور میں نے اسلام کو تمہارے دین بننے کے لیے پسند کر لیا۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (سورہ آل عمران۔ ۸۵)

اور جو شخص اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کو طلب کرے گا تو وہ اس سے مقبول نہ ہو گا اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہو گا۔

اور حدیث میں ہے کہ جس یہودی اور نصرانی کو میری خبر پہنچے اور وہ مجھ پر ایمان

نہ لائے اور اسی حالت میں مر جائے تو وہ دوزخیوں میں سے ہو گا (مسلم)

چونکہ آپ جن و انس دونوں کے رسول ہیں اس لئے حضور کو رسول الثقلین کہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں جنات کا حاضر ہونا اور قرآن شریف کا سننا اور ایمان لانا اور پھر واپس جا کر اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دینا قرآن کریم کی سورہ جن اور سورہ احقاف میں تفصیل کے ساتھ ذکر ہے۔

عقیدہ حضرت محمد ﷺ تمام پیغمبروں کے سردار اور سب سے افضل ہیں

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام پیغمبروں کے سردار اور سب سے افضل اور بہتر ہیں۔ اس بات کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ قرآن کریم میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے تمام پیغمبروں سے اس بات کا عہد لیا کہ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پاؤ تو ضرور بالضرور ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد اور نصرت کرنا جیسا کہ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ کی تفسیر میں مفسرین نے ذکر کیا ہے۔

۲۔ ایک حدیث میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انا سید ولد آدم (میں اولاد آدم کا سردار ہوں) اور ایک اور حدیث میں ہے آدم و من دونہ تحت لوائی (قیامت کے دن آدم اور ان کے سوا سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے)۔

۳۔ ترمذی کی ایک حدیث میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا کان یوم القیامۃ کنت امام النبیین (قیامت کے دن میں تمام انبیاء کا امام اور پیشوا ہوں گا۔

۴۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے قبر سے اٹھیں گے اور سب سے پہلے بہشت میں داخل ہوں گے۔

۵۔ ایک حدیث میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تمام انبیاء پر چھ چیزوں کے ذریعہ فضیلت دی ہے۔ اول یہ کہ مجھ کو جوامع الکلم عطا کئے گئے (یعنی ایسے کلمات جامعہ جن کے الفاظ تو بہت مختصر ہوں مگر بے شمار علوم اور معارف کے جامع ہوں جیسے انما الاعمال بالنیات) دوسرے یہ کہ ایک مہینے کی مسافت تک رہنے والے کافروں کے دل میں (بلا سبب ظاہری) میرا رعب ڈال دیا گیا ہے تیسرے یہ کہ مال غنیمت میری امت کے لئے حلال کر دیا گیا جو پہلی امتوں کے لئے حلال نہ تھا۔ چوتھے یہ کہ مجھ کو تمام اولین اور آخرین کی شفاعت کا مرتبہ عطا ہوا (کہ قیامت کے دن تمام اولین اور آخرین اور تمام انبیاء و مرسلین مجھ سے شفاعت کی درخواست کریں گے اور میں شفاعت کے لئے کھڑا ہوں گا۔ اسی مقام شفاعت کا نام مقام محمود ہے پانچویں یہ کہ مجھ سے پہلے ہر نبی ایک خاص قوم کے لئے مبعوث ہوتا اور میں قیامت تک کے لئے تمام عالم کا نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں چھٹے یہ کہ مجھ پر نبوت ختم کی گئی۔

عقیدہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مخلوقات سے زیادہ وہ علوم عطا ہوئے جن کو ذات و صفات الٰہیہ اور عملی احکام اور نظری حکمتوں اور حقائق حقہ اور اسرار خفیہ وغیرہ سے تعلق ہے کہ مخلوق میں سے کوئی بھی آپ کے برابر نہیں ہو سکتا نہ مقرب فرشتہ اور نہ ہی کوئی نبی و رسول۔ اور آپ کو اولین و آخرین کا علم عطا ہوا یعنی وہ علوم شریفہ مراد ہیں جو آپ کے منصب اعلیٰ کے مناسب ہیں لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زمانہ کی ہر آن میں واقع ہونے والے ہر ہر واقعہ کی اطلاع و علم ہو اور کوئی ذرہ بھی آپ کے مشاہدہ شریفہ سے باہر نہ ہو۔

پانچواں باب

عقیدہ حیات النبی

مقدمہ کے طور پر چند باتوں کو جان لینا ضروری ہے۔

۱۔ قبر کے لفظ کا حقیقی اطلاق اس گڑھے پر کیا جاتا ہے جس میں میت دفن ہوتی ہے اور مجازی طور پر اس برزخی مقام پر بھی بولا جاتا ہے جہاں میت یا اس کے اجزاء ہوں خواہ وہ اجزاء ایک جگہ مجتمع ہوں یا مختلف جگہوں پر بکھرے ہوئے ہوں یعنی ریزہ ریزہ ہو کر اس کے خلیات (Cells) متفرق ہو گئے ہوں پھر خواہ وہ درندوں پرندوں کا پیٹ ہو یا دریا کی گہرائی ہو یا آتش کدہ میں راکھ کی صورت میں ہو۔

۲۔ جب میت کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو اپنے مستقر میں رہتے ہوئے روح کا میت کے مادی جسم کے ساتھ ایک تعلق قائم کر دیا جاتا ہے روح کا وہ کلی تعلق جو جسم کے ساتھ دنیا میں تھا موت کے بعد وہ تو باقی نہیں رہتا البتہ اتنا تعلق قائم کر دیا جاتا ہے جس سے علم و شعور وغیرہ حاصل ہوتا ہے۔ حدیث میں جو اعادہ روح کا ذکر ہے اس سے یہی تعلق مراد ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری کے جنازہ کے لئے نکلے اور قبرستان میں پہنچے لیکن ابھی قبر تیار نہیں ہوئی تھی۔ آپ بھی وہاں تشریف فرما ہوئے اور ہم بھی آپ کے پاس ہی بیٹھ گئے۔ آپ نے (ایک طویل حدیث میں) مومن اور کافر کی وفات کا تذکرہ فرمایا۔ اس میں مومن کے بارے میں یہ ارشاد بھی مذکور ہے۔

حتی ینتھی بھا الی السماء السابعة فیقول اللہ اکتبوا کتاب عبدی فی علیین و اعیدوہ الی الارض فانی منھا خلقتھم و فیھا

اعیدھم و منها اخرجهم تارة اخری فتعاد روحه فی جسده فیاتیه ملکان فیجلسانه فیقولان له من ربک۔۔۔۔۔ الحدیث

مومن کی روح کو پھر ساتویں آسمان پر پہنچا دیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے کا نام علیین میں درج کر دو اور اس کو زمین کی طرف لوٹا دو کیونکہ میں نے ان کو زمین سے پیدا کیا ہے اور اسی میں ان کو لوٹاؤں گا اور اسی سے دوسری مرتبہ نکالوں گا۔ پس اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اس کو بٹھلا کر من ربک الخ سے سوال کرتے ہیں (مسند احمد)

یہ مذکورہ بالا تعلق ہی کی وجہ ہے کہ فرشتے میت کو قبر میں بٹھاتے ہیں اور اس سے سوال جواب کرتے ہیں اور پھر اس کے بعد عذاب و راحت کے حالات مردہ پر گزرتے ہیں۔ ان تمام حالات کے واقع ہونے کے لئے تو اتنا بھی کافی ہے کہ اگر میت کا صرف ایک خلیہ (Cell) بھی موجود ہو تو روح کا اس کے ساتھ تعلق قائم کر دیا جائے اور تمام احوال اس ایک خلیہ پر گزریں اور روح ان کا ادراک کر سکے اور ان سے متاثر ہو سکے۔

حضرت شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

و مقام علیین بالائے ہفت اسمان است و پائین آں متصل سدرۃ المنتهی است و بالائے آں متصل بپایہ راست عرش مجید و ارواح نیکاں بعد از قبض دراں جامیر سند و مقربان یعنی انبیاء و اولیاء دراں مستقرمی مانند و عوام و صلحاء را بعد از نویسانیدن و رسیدن نامہائے اعمال برحسب مراتب در آسمان دنیا۔۔۔۔۔ و تعلقے بہ قبر نیز ایں ارواح را میباشد کہ بحضور زیارت کنندگان و اقارب و دیگر دوستاں برقبر مطلع و مستانس میگردند زیرا کہ روح را قرب و بعدمکانی مانع ایں دریافت نمیشود۔ (تفسیر عزیزی پارہ نمبر ۳۰)

اور علیین کا مقام سات آسمانوں کے اوپر ہے اور اس کا زیریں حصہ سدرۃ

المنتہی سے متصل ہے اور اس کا بالائی حصہ عرش مجید کے دائیں پائے کے ساتھ متصل ہے اور نیک لوگوں کی ارواح کو قبض کرنے کے بعد وہاں پہنچا دیا جاتا ہے اور مقربین یعنی حضرات انبیاء کرام و اولیاء کی ارواح کا مستقر بھی وہی ہے اور عام صلحاء کو وہاں پہنچانے اور ان کے نامہ اعمال لکھنے کے بعد حسب مراتب آسمان دنیا میں۔۔۔۔۔ اور ان ارواح کا قبر کے ساتھ بھی تعلق ہوتا ہے کہ جو لوگ ان کی زیارت کے لئے آتے ہیں اور جو ان کے اقارب اور دوسرے دوست آتے ہیں ان کی آمد سے وہ مطلع اور ان سے مانوس ہوتے ہیں کیونکہ روح کے لئے قرب اور بعد مکانی اس دریافت سے مانع نہیں ہے۔

تنبیہہ : جن اموات کو عالم برزخ میں جسم مثالی دیئے جاتے ہیں روح کا اپنے مستقر میں رہتے ہوئے جسم مادی کے ساتھ ساتھ اس جسم مثالی کے ساتھ بھی ایسا ہی تعلق ہوتا ہے۔

حضرت شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ لکھتے ہیں

اللہ تعالیٰ روح آں میت را بقدریکہ ادراک و تألم و تلذذ ازو حاصل شود ببدنے از ابدان عنصریہ موجودہ یا مثالیہ مخترعہ متعلق میسازد (تحفہ اثنا عشریہ بحوالہ تسکین الصدور ص ۱۴۶)

اللہ تعالیٰ اس میت کی روح کو اس انداز سے کہ ادراک اور تکلیف اور لذت اس سے حاصل ہو موجود اجسام عنصریہ یا نئے دیئے ہوئے اجسام مثالیہ میں سے بدن کے ساتھ متعلق کر دیتا ہے۔

۴۔ روح کا جسم مادی کے ساتھ تعلق متفاوت ہوتا ہے۔ عام اموات میں جتنا تعلق ہوتا ہے شہداء میں یہ تعلق اس سے قوی تر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے جسم بہت مدت تک باقی رہتے ہیں۔ اور انبیاء علیہم السلام میں یہ تعلق تو شہداء سے بھی زیادہ ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے اجسام مبارکہ محفوظ رہتے ہیں اور ان سے بعض افعال مثلاً نماز پڑھنا صادر ہوتا ہے۔

۵۔ قبر میں مادی جسم پر جو حالات گزرتے ہیں ان کا تعلق چونکہ عالم برزخ سے ہے جو ہماری نظروں سے اوجھل ہے اس لئے مادی اور حسی دنیا میں گو ہمیں یہ حالات اور افعال (جیسے انبیاء کا اپنی قبروں میں نماز پڑھنا) ہوتے نظر نہ آئیں لیکن ہمارے حواس سے ماوراء اور ہمارے عالم مادی سے علیحدہ عالم برزخ میں بہرحال یہ واقع ہوتے ہیں۔

اہل سنت کا حیات النبی کے نام سے جو عقیدہ ہے وہ فقط یہ ہے کہ وہ حیات (یعنی روح مبارکہ کا اپنے مستقر اعلی علیین میں رہتے ہوئے جسم مبارک کے ساتھ قوی ترین تعلق) عالم برزخ میں ہوتی ہے لیکن قوی ترین تعلق کی بنا پر عالم برزخ میں اس جسم مادی کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ (اگرچہ اس حسی اور مادی عالم میں وہ ہمیں نماز پڑھتے ہوئے نظر نہ آئیں) اس لئے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی حیات دنیا کی سی ہے۔

حیات النبی کا یہ عقیدہ اجماعی ہے۔

علامہ داؤد ابن سلیمان بغدادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

والحاصل ان حیاۃ الانبیاء ثابتۃ بالاجماع (بحوالہ تسکین الصدور ص ۲۳۱)

حاصل یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات بالاجماع ثابت ہے۔

اور علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ ھو وسائر الانبیاء معلومۃ عندنا علما قطعیا لما قام عندنا من الادلۃ فی ذلک وتواترت بہ الاخبار الدالۃ علی ذلک (بحوالہ تسکین الصدور ص ۲۳۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی قبر مبارک میں اور اسی طرح دیگر انبیاء کی حیات ہمارے نزدیک قطعی طور پر ثابت ہے کیونکہ اس پر ہمارے نزدیک دلائل قائم ہیں اور تواتر کے ساتھ اخبار موجود ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں۔

تنبیہ: فرشتے جو آکر قبر میں مدفون میت کو بٹھاتے ہیں اور اس سے سوال

جواب کرتے ہیں یا انبیاء علیہم السلام اپنے اجسام مبارکہ کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں تو ایسا عالم برزخ میں ہوتا ہے ورنہ عالم مادی میں تو وہ ہمیں لیٹے ہی ہوئے نظر آئیں جیسے عالم خواب میں ایک شخص بیٹھا یا کھڑا ہوتا ہے یا دوڑ رہا ہوتا ہے حالانکہ عالم مادی میں وہ اپنے بستر پر لیٹا ہوا نظر آ رہا ہوتا ہے۔ البتہ اتنا فرق ہے کہ عالم خواب عام طور سے ایک خیالی عالم ہے جب کہ عالم برزخ ایک واقعی عالم ہے۔

تنبیہ

۱۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون یعنی انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔ (تسکین الصدور ص ۲۲۰)

۲۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مررت علی موسٰی لیلۃ اسری بی عند الکثیب الاحمر وھو قائم یصلی فی قبرہ (مسلم)

میں معراج کی رات موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا جو سرخ رنگ کے ٹیلے کے پاس اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔

۳۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

من صلی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی من بعید اعلمتہ (تسکین الصدور ص ۳۲۷)

جس نے میری قبر کے پاس درود پڑھا تو میں اسے خود سنتا ہوں اور جس نے مجھ پر دور سے درود پڑھا تو وہ مجھے (بواسطہ فرشتوں کے) بتلایا جاتا ہے۔

۴۔ حضرت اوس بن اوس سے روایت ہے قالوا یارسول اللہ وکیف

نعرض صلوتنا علیک و قد ارمت ---- فقال ان اللہ عزوجل حرم علی الارض اجساد الانبیاء

لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا درود آپ پر کس طرح پیش کیا جائے گا جب کہ آپ ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے اجسام حرام کر دیے ہیں۔

اہلسنت کا جو عقیدہ ذکر ہوا یہ قرآن پاک کے عین موافق ہے قرآن پاک میں ہے۔

اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِہَا فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْہَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰی (سورہ زمر: ۴۲)

ترجمہ۔ اللہ کھینچ لیتا ہے جانیں جب وقت ہو ان کے مرنے کا اور جو نہیں مریں ان کو کھینچ لیتا ہے ان کی نیند میں پھر رکھ چھوڑتا ہے جن پر مرنا ٹھہرا دیا ہے اور چھوڑ دیتا ہے دوسروں کو ایک مقررہ وقت تک

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ارواح کو نیند میں کھینچ لیتے ہیں تو سوئے ہوئے آدمی کی روح اس کے جسم سے خارج ہوتی ہے لیکن جسم کے ساتھ اس کا تعلق منقطع نہیں ہوتا۔ اب اس بے روح جسم پر نیند کے عالم میں کیا کچھ حالات نہیں گزرتے۔ جسم سے افعال تک صادر ہوتے ہیں مثلاً کروٹ بدلنا' ٹانگ سکیڑنا بولنا یہاں تک کہ بعض لوگ تو نیند میں چلنا شروع کر دیتے ہیں اور بچے اپنا سبق دہرانے لگتے ہیں۔

جو عقیدہ بیان ہوا وہ اس کیفیت کے ساتھ موافقت رکھتا ہے روح جسم مادی سے علیحدہ اپنے مستقر میں رہے البتہ جسم کے ساتھ اس کا تعلق ہو جو اگر قوی ترین ہو تو جسم سے نماز کا فعل صادر ہونے لگے۔ بس اتنا فرق ہے کہ نیند میں ہمیں جسم سے صادر ہونے والے افعال کا شعور نہیں ہوتا اور عالم برزخ میں یہ شعور ہونا ناممکن نہیں ہے۔

بلکہ ایک قدم اور آگے بڑھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو بعینہ یہ معاملہ حیات دنیوی میں پیش آتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ان عینی تنامان ولا ینام قلبی یعنی میری دونوں آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا (بخاری ج ۱ ص ۱۵۴)

اس حدیث کے ساتھ جب مذکورہ بالا آیت کا مضمون ملایا جائے تو بات یوں بنے گی کہ نیند کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ آپ کے جسم سے خارج ہوتی ہے لیکن روح کے ساتھ قوی ترین تعلق کی بنا پر آپ کا قلب مبارک کام کرتا رہتا ہے اور آپ ﷺ کو نیند کی حالت میں بہت سے امور کا شعور و ادراک بھی حاصل رہتا ہے۔

چھٹا باب

بعض مبتدعین کا نبی ﷺ کی شان میں غلو

پہلا غلو۔ نبی ﷺ کے لئے جمیع ماکان ومایکون کا علم ماننا

یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذات و صفات سے متعلق علم کے علاوہ ازل سے ابد تک یعنی روز اول سے قیامت کے دن تک عالم اور کائنات میں ہونے والی ہر ہر حرکت اور ہر ہر ارادے کا علم عطا فرمایا۔ آپ کو لوگوں کے دلوں کے ارادوں اور خواہشوں اور نیتوں پر اطلاع ہے۔ لوح محفوظ کے جمیع مندرجات کا آپ کو علم ہے حتی کہ مغیبات خمسہ کا بھی آپ کو علم حاصل ہے۔

مبتدعین کی پہلی دلیل

چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوقات سے افضل ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ آپ سب کے علوم پر حاوی ہوں۔ اصول ہوں تو اصول سے اور تفصیلات ہوں تو تفصیلات سے واقف ہوں۔

جواب

یہ دلیل باطل ہے کیونکہ ہر مسلمان کو شیطان پر فضل و شرف حاصل ہے لہٰذا مذکورہ دلیل کی رو سے ضروری ہو گا کہ ہر مسلمان شیطان کے تمام علوم پر حاوی ہو۔ حالانکہ یہ بات بالبداہت باطل ہے۔

اس طرح قرآن پاک میں ہے ہدہد نے آکر حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا۔
(اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ یَّقِیْنٍ (سورہ نمل : ۲۲)
میں ایسی بات معلوم کر کے آیا ہوں جو آپ کو معلوم نہیں ہوئی اور میں آپ کے پاس قبیلہ سبا کی ایک تحقیقی خبر لایا ہوں۔

چونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو بلاشبہ ہدہد پر فضیلت حاصل تھی لہٰذا مذکورہ دلیل سے لازم آئے گا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس قصہ کا پہلے سے علم ہو حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ قرآن پاک میں ہدہد کا قول احطت بما لم تحط به (میں نے ایسی بات معلوم کی جو آپ کو معلوم نہیں ہوئی) بلا نکیر نقل ہوا ہے۔

دوسری دلیل

قرآن پاک میں ہے وَنَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ یعنی ہم نے آپ پر قرآن کو ہر چیز کا بیان بنا کر نازل کیا۔

جواب

۱۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ اپنی کتاب الاتقان میں لکھتے ہیں کہ۔ "علماء نے کہا ہے کہ جو شخص قرآن کی تفسیر کا ارادہ کرے تو وہ اولاً اسے قرآن ہی سے طلب کرے کیونکہ قرآن میں جو بات ایک جگہ مجملاً بیان ہوتی ہے کبھی دوسری جگہ اس کی تفسیر کر دی جاتی ہے اور جو بات ایک جگہ مختصراً بیان ہوتی ہے بسا اوقات دوسری جگہ وہ مفصلاً ذکر کر دی جاتی ہے--------- اور اگر وہ قرآن میں نہ پائے تو سنت سے طلب کرے کیونکہ سنت قرآن کی شارح اور اس کی وضاحت کرنے والی ہے۔" اس ضابطہ کے مطابق اس آیت کی تفسیر میں جب دوسری آیتوں کو دیکھیں تو یہ آیتیں ملتی ہیں۔

۱۔ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰىهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ (سورہ اعراف : ۱۸۷)

اے پیغمبر یہ لوگ تجھ سے قیام قیامت کب ہونے کا پوچھتے ہیں تو کہہ اس کی خبر تو میرے رب ہی کے پاس ہے وہی ظاہر کر دے گا اس کو اس کے وقت پر

۲۔ قُلْ اِنْ اَدْرِیْۤ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْۤ اَمَدًا (سورہ جن: ۲۵)

تو کہہ میں نہیں جانتا کہ نزدیک ہے جس چیز (یعنی قیامت) کا تم سے وعدہ ہوا ہے

یا کر دے اس کو میرا رب ایک مدت کے بعد

۳۔ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ (سورہ انعام: ۵۹)

اور اسی کے پاس کنجیاں ہیں غیب کی کہ ان کو کوئی نہیں جانتا اس کے سوا۔

۴۔ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ

اللہ ہی کے پاس ہے قیامت کا علم

۵۔ حدیث صحیح میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مفاتیح الغیب خمس لا یعلمھن الا اللہ یعنی غیب کی کنجیاں پانچ ہیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ

ان آیات و احادیث سے معلوم ہوا کہ ارشاد الٰہی تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ کے عموم سے یہ امور مستثنیٰ ہیں۔

غرض یہ بات واضح ہوئی کہ قرآن میں ہر ہر بات کا ذکر نہیں ہے اور مغیبات خمسہ (یعنی قیامت کب آئے گی، آدمی کل کیا کسب کرے گا، بارش کب ہو گی، آدمی کی موت کہاں ہو گی اور رحم میں کیا ہے) کا علم بھی نہ قرآن میں ہے اور نہ ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے۔

جب حقیقت یہ ہے تو قرآن کے تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن ایسی کتاب ہے جس میں تمام علوم ہدایت اور اصول دین اور فلاح دارین سے متعلق ضروری امور کا نہایت مکمل اور واضح بیان ہے۔

اور ابن جریر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

اللہ فرماتے ہیں اے محمد (ﷺ) آپ پر یہ قرآن اتارا گیا ہے اس حال میں کہ یہ حلال و حرام اور ثواب و عقاب ایسے تمام امور کو بیان کرنے والا ہے جن کی لوگوں کو ضرورت ہے۔

دوسرا غلو۔ نبی ﷺ کو مختار کل ماننا

بعض مبتدعین یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اللہ

عزوجل کے نائب مطلق ہیں۔ تمام جہان آپ کے تصرف میں دے دیا گیا ہے جو چاہیں کریں جسے جو چاہیں دیں اور جس سے جو چاہیں واپس لیں تمام جہانوں میں ان کے حکم کا پھیرنے والا کوئی نہیں۔ تمام زمین ان کی ملک ہے اور تمام جنت ان کی جاگیر ہے۔ ملکوت السموات والارض آپ کے زیر فرمان ہیں جنت و جہنم کی کنجیاں آپ کے ہاتھ میں دے دی گئی ہیں۔ غرض آپ ہر قسم کی حاجت روائی کر سکتے ہیں اور دنیا و آخرت کی سب مرادیں آپ کے اختیار میں ہیں۔

مبتدعین کے اس عقیدے کے خلاف قرآن پاک کی یہ آیات صریح ہیں۔

۱۔ قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ

آپ فرما دیجئے کہ میں اپنی ذات خاص کے لئے تو کسی ضرر اور نفع کا اختیار رکھتا ہی نہیں مگر جتنا خدا کو منظور ہو۔

۲۔ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَکُمْ اِنِّیْ مَلَکٌ

آپ کہہ دیجئے کہ نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس خدا تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ ہی میں تمام غیبوں کو جانتا ہوں اور نہ ہی میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔

تیسرا غلو: رسول اللہ ﷺ کو عالم الغیب کہنا

صحیح بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ پر عالم الغیب کا اطلاق و استعمال ناجائز ہے جس کے دلائل یہ ہیں

پہلی دلیل

عام طور پر شریعت کے محاورات میں عالم الغیب اسی کو کہا جاتا ہے جس کو غیب کی باتیں بلاواسطہ اور ذریعہ اور بغیر کسی کے بتلائے ہوئے معلوم ہوں اور یہ شان صرف حق تعالیٰ کی ہے لہٰذا اگر کسی دوسرے کو عالم الغیب کہا جائے تو اس عرف عام کی وجہ

سے لوگوں کا ذہن اس طرف جائے گا کہ ان کو بھی بلاواسطہ غیب کا علم ہے حالانکہ یہ عقیدہ شرک کا ہے۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو عالم الغیب کہنا بغیر کسی ایسے قرینہ کے جس سے معلوم ہو سکے کہ قائل کی مراد غیب بلاواسطہ نہیں ہے اس لئے غلط ہو گا کہ اس سے ایک مشرکانہ خیال کا شبہ ہوتا ہے۔ اور قرآن و حدیث میں ایسے کلمات سے منع فرمایا گیا ہے جن سے اس قسم کی غلط فہمیوں کا اندیشہ ہو مثلاً

ا۔ قرآن پاک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لفظ راعنا سے خطاب کرنے کی ممانعت۔ بعض یہودیوں نے ایک شرارت ایجاد کی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں آ کر لفظ راعنا سے آپ کو خطاب کرتے جس کے معنی ان کی عبرانی زبان میں برے ہیں (یعنی احمق کے ہیں) اور وہ اس نیت سے کہتے اور عربی میں اس کے معنی بہت اچھے ہیں کہ ہماری مصلحت کی رعایت فرمایئے اس لئے عربی دان اس شرارت کو نہ سمجھ سکتے اور اس اچھے معنی کے قصد سے بعض مسلمان بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کلمہ سے خطاب کرنے لگے اس سے ان شریروں کو اور گنجائش ملی۔ حق تعالیٰ نے اس گنجائش کے قطع کرنے کے لئے مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ تم لفظ "راعنا" مت کہا کرو بلکہ اس کی جگہ انظرنا کہہ دیا کرو جس سے تمہارا مطلب بھی حاصل ہو سکتا ہے۔

۲۔ حدیث میں اپنے غلاموں اور باندیوں کو عبدی (میرا غلام) اور امتی (میری باندی) کہنے سے ممانعت اسی لئے آئی ہے کہ یہ کلمات چونکہ بندے اور بندی کے معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں لہٰذا سننے والوں کو وہم ہو سکتا ہے کہ یہ کہنے والا ان کو اپنا بندہ اور بندی کہہ رہا ہے اگرچہ خود کہنے والے کا ایسا قصد نہ ہو۔

دوسری دلیل

اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر عالم الغیب کا اطلاق کیا جاتا تو یا تو اس وجہ سے کہ

آپ کو بعض غیب کا علم ہے یا اس وجہ سے کہ آپ کو کل غیب کا علم ہے۔

یہ دوسری شق تو اس لئے باطل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض غیب کی باتوں کا علم نہ ہونا عقلی اور نقلی دلائل سے ثابت ہے مثلاً قرآن پاک میں ہے۔

ا۔ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ

اور اگر میں جان لیا کرتا غیب کی بات تو بہت کچھ بھلائیاں حاصل کر لیتا

ب۔ اسی طرح یہ علم کہ قیامت کب ہو گی؟ اس کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نفی قرآن و حدیث میں مذکور ہے۔

ج۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بعض منافقین نے تہمت لگائی جو قصہ افک کے نام سے مشہور ہے آپ کی فکر اور پریشانی اور تحقیق و تفتیش کے باوجود انکشاف نہیں ہوا۔ ایک ماہ بعد جب وحی نازل ہوئی اور سورہ نور کی آیتیں اتریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحیح صورت حال سے باخبر کیا گیا اور تب آپ کو اطمینان ہوا۔

اور پہلی شق (یعنی بعض غیب کے علم کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب کہنا) اس لئے باطل ہے کہ اس صورت میں لازم آئے گا کہ ہر انسان کو عالم الغیب کہا جائے کیونکہ غیب کی بعض باتوں کا علم تو سب کو ہے (مثلاً جنت دوزخ کا علم اور فرشتوں کا علم) اور چونکہ سب کو عالم الغیب کہنا ہر اعتبار سے (یعنی عقلاً' نقلاً اور عرفاً") باطل ہے لہٰذا مذکورہ وجہ کی بنیاد پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر عالم الغیب کا اطلاق بھی جائز نہیں ہو گا۔

ساتواں باب

فرشتوں کا بیان

قرآن و احادیث بلکہ کتب سابقہ بھی فرشتوں کے ذکر سے پر ہیں

فرشتے نورانی مخلوق ہیں نور سے پیدا کیے گئے ہیں اور جسم لطیف والے ہیں جس شکل میں چاہیں ظاہر ہو سکتے ہیں کیونکہ بدن ان کے حق میں لباس کا حکم رکھتا ہے۔

نہ وہ مرد ہیں نہ عورت یعنی وہ مرد و عورت کی جنس سے ماوراء ہیں۔

کھانے پینے اور پہننے اور زن و مرد اور توالدو تناسل سے پاک ہیں بلکہ صفات بشریہ جیسے بغض اور حسد اور غضب اور تکبر اور حرص و ظلم سب سے بری ہیں۔

فرشتے اللہ تعالٰی کے مکرم بندے ہیں۔

حق تعالٰی کی نافرمانی سے پاک ہیں۔ جس چیز کا ان کو حکم ہوتا ہے اس کو بجالاتے ہیں۔

- لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ

وہ اللہ کی کسی امر میں نافرمانی نہیں کرتے اور جس چیز کا ان کو حکم دیا جاتا ہے اس کو کرتے ہیں۔

لہٰذا سب فرشتے کبیرہ صغیرہ گناہ سے پاک ہیں۔

ہر وقت اللہ تعالٰی کی عبادت اور تسبیح و تہلیل میں مشغول رہتے ہیں کسی وقت بھی عبادت میں سستی نہیں کرتے

يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْــَٔمُوْنَ

دن رات اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اور تھکتے نہیں۔

خدا تعالٰی نے جس کام پر ان کو مقرر کر دیا وہ وہی کام کرتے ہیں۔

اللہ تعالٰی نے ان سے سفارت کا کام لیا ہے۔ پیغمبروں پر حق تعالٰی کی کتابیں اور

صحیفے انہی کے ذریعے نازل ہوتے رہے۔ یہ ان کو نہایت امانت اور حفاظت سے پہنچانے والے ہیں اور خطا اور غلطی سے مامون اور محفوظ ہیں۔ فرشتوں نے جو کچھ حق تعالٰی کی طرف سے پہنچایا ہے وہ سب حق اور صدق اور صواب ہے اس میں ذرہ برابر کسی غلطی کا احتمال اور اشتباہ نہیں۔ قرآن پاک میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کی یہ صفات بیان ہوئیں۔ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ذِىْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِى الْعَرْشِ مَكِيْنٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ (وہ پیغام لے جانے والے ہیں، عزت والے ہیں، قوت والے ہیں۔ عرش والے کے پاس درجہ پانے والے ہیں۔ سب کے مانے ہوئے ہیں اور امانت دار ہیں)

فرشتے بہت ہیں ان کی تعداد اللہ ہی کو معلوم ہے۔ اس کثرت سے ہیں کہ آسمان و زمین کی کوئی چیز ان سے خالی نہیں ہے۔

ملائکہ (فرشتوں) کی اقسام

آسمان اور زمین بلکہ تمام اجزاء عالم پر فرشتے مقرر ہیں۔ بحکم خداوندی اس کے مدبر اور نگہبان ہیں۔ ان میں سے بعض حاملان عرش ہیں اور بعض عرش کے گرد صف بستہ کھڑے ہیں اور بعض عرش کے طواف میں مشغول ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ

جو فرشتے عرش کو اٹھاتے ہیں اور جو اس کے گرد ہیں اللہ کی حمد کے ساتھ پاکی بیان کرتے ہیں۔

بعض جنت کے خازن ہیں حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ (سورہ زمر: ۷۳)

یہاں تک کہ جب پہنچ جائیں جنت پر اور کھولے جائیں اس کے دروازے اور کہنے لگیں ان کو اس کے داروغہ سلام پہنچے تم پر تو لوگ پاکیزہ ہو سو داخل ہو جاؤ اس میں سدا رہنے کو

بعض دوزخ کے خازن ہیں حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ

خَزَنَتُهَا اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ (سورہ زمر:۷۱)

یہاں تک کہ جب پہنچ جائیں جہنم پر کھولے جائیں اس کے دروازے اور کہنے لگے ان کو اس کے داروغہ کیا نہ پہنچے تھے تمہارے پاس رسول

بعض ملائکہ رحمت ہیں اور بعض ملائکہ عذاب ہیں۔

بعض قبض ارواح پر مقرر ہیں۔

بعض آدمیوں کو شیطان اور موذی چیزوں سے بچانے کے لئے مقرر ہیں۔ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ یعنی انسان کی امرالٰہی سے حفاظت کرتے ہیں۔

بعض فرشتے اعمال لکھنے پر مقرر ہیں وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ یعنی تم پر بزرگ محافظ چھوڑ رکھے ہیں کہ وہ تمہارے اعمال لکھتے ہیں اور جو جو تم کرتے ہو اس کو وہ جانتے ہیں۔

بعض قبر میں مردہ سے سوال کرنے پر مقرر ہیں۔ ان کو منکر نکیر کہتے ہیں۔

بعض کو اللہ نے ہوا سے متعلق کر رکھا ہے اور بعض کو ابر سے اور بعض روزی پہنچانے پر مقرر ہیں

غرض یہ کہ دنیا اور آخرت کے مختلف کاموں پر فرشتے مقرر ہیں اور مختلف کام ان کو تقسیم کر دیئے گئے ہیں۔ فرشتوں پر ایمان لانا ضروریات دین میں سے ہے اور ان کا انکار بلاشبہ کفر ہے۔

سب سے زیادہ مقرب چار فرشتے

۱۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام۔ یہ انبیاء پر وحی لایا کرتے تھے اور وحی کا لانا ان ہی کے سپرد تھا۔

۲۔ حضرت میکائیل علیہ السلام جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے مخلوق کی روزی پہنچانے پر مقرر ہیں۔

۳۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام جن کے سپرد قیامت کے دن صور پھونکنا ہے۔

۴۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام جو تمام عالم کی روح قبض کرنے پر مقرر ہیں۔

جمہور علماء کے نزدیک حضرت جبرئیل امین سب سے افضل ہیں اور بعض احادیث سے یہی ثابت ہوتا ہے۔

آٹھواں باب

کتب الٰہیہ کا بیان

حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں پر جو کتابیں اور صحیفے نازل کئے وہ سب حق ہیں اور ان پر ایمان لانا فرض ہے اللہ تعالیٰ نے جو کتابیں اور صحیفے انبیاء و مرسلین پر نازل فرمائے ان کی تعداد ایک سو چار ہے۔ ان میں سے چھوٹے چھوٹے پچاس صحیفے حضرت شیث علیہ السلام پر اور تیس حضرت ادریس علیہ السلام پر اور دس حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اور دس حضرت آدم علیہ السلام پر اترے۔ اور بڑی اور مشہور کتابیں توریت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اور زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر اور انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اور قرآن کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئیں۔

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اور گزشتہ تمام آسمانی کتابوں اور صحیفوں کے لئے ناسخ ہے۔ دیگر کتابیں اور صحیفے صرف مضمون کے اعتبار سے معجز تھے جب کہ قرآن پاک نظم (لفظ) اور معنی دونوں کے اعتبار سے معجز ہے۔

تنبیہہ

قرآن پاک کے علاوہ جو کتابیں اس وقت یہود و نصاریٰ کے ہاتھ میں ہیں ہم پر ان کی تصدیق لازم نہیں ہم فقط اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ جو توریت اور انجیل اور زبور اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں پر نازل فرمائی تھی۔ وہ برحق تھی اور اس زمانہ کے لوگوں پر اس پر ایمان لانا اور اس پر عمل کرنا فرض تھا۔ اسی طرح ہم بھی ان تمام کتابوں پر ایمان لاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں پر اتاریں لیکن موجودہ توریت و انجیل سب تحریف شدہ ہیں۔ قرآن و حدیث سے ان میں تحریف ہونا ثابت ہے۔ اس لئے اس میں وہی حصہ ماننے کے قابل ہے جس کی تصدیق ہم کو قرآن و حدیث

سے ہو جائے

مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهِ (سورہ نساء: ۴۶)

بعض یہود پھیرتے ہیں بات کو اس کے ٹھکانے سے (یعنی بدلتے ہیں اور تحریف کرتے ہیں)

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَٰبَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا (سورہ بقرہ: ۷۹)

سو خرابی ہے ان کے لئے جو لکھتے ہیں کتاب اپنے ہاتھ سے پھر کہہ دیتے ہیں یہ خدا کی طرف سے ہے تاکہ لیں اس پر تھوڑی سی قیمت

نواں باب

عقائد متعلق بہ علامات قیامت

قرآن اور حدیث اور تمام انبیاء کرام کی شریعتوں سے اور تمام صحابہ و تابعین اور علماء سلف اور خلف کے اجماع سے یہ بات درجہ تواتر کو پہنچ چکی ہے کہ ایک دن تمام دنیا کی زندگی صور اسرافیل کے نفخہ اماتت سے تمام ہو جائے گی۔ حضرت اسرافیل کے صور پھونکتے ہی زمین اور آسمان اور ان میں جو کچھ ہے وہ سب فنا ہو جائیں گے اور چالیس سال بعد حضرات اسرافیل دوبارہ صور پھونکیں گے جس کے سبب تمام مردے جی اٹھیں گے۔ پہلے صور پھونکنے کا نام نفخہ اماتت ہے اور دوسری بار صور پھونکنے کا نفخہ احیاء ہے اور ایک مرتبہ تمام عالم کے فنا ہو جانے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر کھڑے ہو جانے کا نام قیامت ہے۔ اس دوبارہ زندہ کرنے کا مقصد یہ ہو گا کہ جو لوگ دنیا میں انبیاء کرام کی ہدایتوں پر چلے ان کو جزا اور انعام ملے اور جو لوگ انبیاء کرام کی ہدایتوں سے منحرف رہے ان کو اس اعراض اور انحراف کی سزا دی جائے اور مظلوم کا ظالم سے انتقام لیا جائے۔

قرآن اور حدیث اس آنے والے حادثہ یعنی قیامت کی خبر سے بھرا پڑا ہے اس پر ایمان لانا فرض اور لازم ہے۔ حق جل شانہ نے قیامت کے قائم ہونے کا وقت کسی کو نہیں بتلایا کہ قیامت کس تاریخ میں آئے گی البتہ انبیاء کرام کو اس آنے والے واقعہ کی علامتوں سے بذریعہ وحی کے آگاہ فرمایا ہے۔ خاتم الانبیاء سید الاصفیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور پیشین گوئی قیامت سے پہلے پیش آنے والے بہت سے واقعات اور فتنوں کی خبر دی ہے اور امت کو قیامت کی علامتوں سے خوب آگاہ کر دیا ہے۔ قیامت کی علامات دو قسم کی ہیں ایک صغریٰ اور دوسری کبریٰ۔

۱۔ علامات صغریٰ

علامات صغریٰ وہ کہلاتی ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے لے کر امام مہدی کے ظہور تک ظہور میں آئیں گی۔

۲۔ علامات کبریٰ

اور علامات کبریٰ وہ کہلاتی ہیں کہ جو امام مہدی کے ظہور کے بعد سے نفخ صور تک ظہور میں آئیں گی۔

قیامت کی علامات صغریٰ کا بیان

قیامت کی علامات صغریٰ میں سب سے پہلی علامت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور وفات ہے اسی وجہ سے کتب سابقہ میں حضور کا لقب نبی الساعت تھا یعنی قیامت کا نبی کہ جو آخری نبی ہو گا اور قیامت اس کی امت پر قائم ہو گی۔ پھر فتنہ ارتداد کا ظہور اور صحابہ کرام کے ہاتھ اس کا انسداد جس کی خبر یَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ میں دی گئی ہے کہ عنقریب فتنہ ارتداد پیش آئے گا اور اس کا انسداد تیغ بے دریغ سے ہو گا۔

چنانچہ حسب پیشین گوئی حضور کی وفات کے بعد بہت سے لوگ مرتد ہو گئے کوئی بت پرست بنا اور کوئی مدعی نبوت مسیلمہ کذاب جیسوں کا پیرو ہوا۔ صحابہ کرام نے تمام مرتدین اور مدعیان نبوت سے لڑائی کی اور ان کو قتل کیا۔ جنگ یمامہ اسی مسیلمہ کذاب کے ساتھ مشہور جنگ ہے۔ پھر بیت المقدس کا فتح ہونا جو حضرت عمر کے زمانہ میں ہوا۔ پھر مسلمانوں میں باہمی فتنوں کا ہونا جس کا ظہور حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علیؓ کے زمانہ میں ہوا اور اس قسم کی بے شمار علامتیں ہیں جن کا ذکر احادیث میں آیا ہے۔

مثلاً

(۱) علم کا اٹھ جانا اور جہل کا زیادہ ہونا

(۲) زنا کاری اور شراب خوری کی کثرت

(۳) لب سڑک زنا کا ہونا اور جانوروں کی طرح اپنی خواہش کو پورا کرنا

(۴) عورتوں کا زیادہ ہونا اور مردوں کا کم ہونا یہاں تک کہ پچاس عورتوں کا خبر گیری کرنے والا صرف ایک مرد ہو گا

(۵) مزامیر اور معازف یعنی گانے بجانے کے سامان اور گانے والی عورتوں کا علانیہ طور پر ہو جانا۔

(۶) جھوٹ کا عام طور پر پھیل جانا۔

(۷) ماں کی نافرمانی اور بیوی کی اطاعت

(۸) دوستوں کو قریب بٹھلانا اور باپ کو دور کرنا۔ یاروں سے رغبت اور باپ سے نفرت۔

(۹) حکام کا ملک کے محاصل کو اپنی ذاتی دولت سمجھنا۔

(۱۰) امانت کو لوٹ کا مال سمجھ کر دبالینا۔

(۱۱) احمقوں اور نالائقوں کا امیر اور حاکم ہونا۔

(۱۲) رذیلوں اور فاسقوں کا اپنے اپنے قبیلہ کا سردار ہونا۔

(۱۳) حیا اور شرم کا اٹھ جانا۔

(۱۴) ظلم اور ستم کا رواج ہو جانا وغیرہ وغیرہ۔

ان کے علاوہ اور بھی قیامت کی بہت سی علامتیں ہیں جو احادیث صحیحہ میں آئی ہیں۔ وہ سب حق اور بجا اور درست ہیں۔ ان میں سے اکثر و بیشتر ظاہر ہو چکی ہیں اور وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔

قیامت کی علامات کبریٰ کا بیان

وہ نشانیاں جن کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ وہ قیامت

کے قریب ظاہر ہوں گی جیسے امام مہدی کا ظہور اور دجال کا خروج اور حضرت عیسیٰ بن مریم کا آسمان سے نزول اور یاجوج ماجوج اور دابۃ الارض کا خروج وغیرہ وغیرہ ان کو اشراط ساعت کہتے ہیں فَهَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَن تَأْتِيَهُم بَغْتَةً فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا۔ ان تمام علامتوں کو حق اور بجا اور درست سمجھنا اور ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔

۱۔ ظہور مہدی

قیامت کی علامت کبریٰ میں پہلی علامت امام مہدی کا ظہور ہے۔

مہدی لغت میں ہر ہدایت یافتہ کو کہتے ہیں۔ معنی لغوی کے لحاظ سے ہر اس عالم کو جس کا علم صحیح ہو اس کو مہدی کہا جا سکتا ہے بلکہ ہر سچے اور پکے مسلمان کو مہدی کہا جا سکتا ہے لیکن جس مہدی موعود کا ذکر احادیث میں آیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اخیر زمانہ میں اس کے ظہور کی خبر دی ہے اس سے ایک خاص شخص مراد ہے جو حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد سے ہو گا اس کا نام محمد اور اس کے باپ کا نام عبد اللہ اور ماں کا نام آمنہ ہو گا صورت اور سیرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہو گا مدینہ کے رہنے والے ہوں گے مکہ میں ظہور ہو گا شام اور عراق کے اولیاء اور ابدال ان کے ہاتھ پر بیعت کریں گے اور تاج الکعبہ یعنی جو خزانہ خانہ کعبہ میں مدفون ہے وہ نکال کر مسلمانوں پر تقسیم فرمائیں گے۔ اولاً عرب اور پھر تمام روئے زمین کے بادشاہ ہوں گے۔ دنیا کو عدل اور انصاف سے بھر دیں گے جیسا کہ اس سے پیشتر ظلم و ستم سے بھری ہو گی۔ شریعت محمدیہ کے مطابق ان کا عمل ہو گا۔ امام مہدی کے زمانہ میں دجال نکلے گا۔ اور انہی کے زمانہ بادشاہت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے دمشق کے شرقی منارہ پر صبح کی نماز میں نازل ہوں گے اور امام مہدی کے پیچھے نماز ادا فرمائیں گے امام مہدی نصاریٰ سے جہاد کریں گے اور قسطنطنیہ کو فتح فرمائیں گے۔

فائدہ جلیلہ

اہل سنت و الجماعت کے عقائد میں سے ہے کہ امام مہدی کا اخیر زمانہ میں ظہور حق اور صدق ہے۔ اس پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے اس لئے کہ امام مہدی کا ظہور احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ اگرچہ اس کی بعض تفصیلات اخبار آحاد سے ثابت ہوں۔ عہد صحابہ و تابعین سے لے کر اس وقت تک امام مہدی کے ظہور کو مشرق و مغرب میں ہر طبقہ کے مسلمان علماء اور صلحاء عوام اور خواص ہر قرن اور ہر عصر میں نقل کرتے چلے آئے ہیں۔

۲۔ خروج دجال

قیامت کی علامات کبریٰ میں سے دوسری علامت خروج دجال ہے جو احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

دجال دجل سے مشتق ہے جس کے معنی لغت میں بڑے جھوٹ اور مکر اور فریب اور حق اور باطل کو خلط ملط کرنے کے ہیں۔ لغوی معنی کے لحاظ سے ہر جھوٹے اور مکار کو دجال کہہ سکتے ہیں لیکن حدیث شریف میں جس دجال موعود کے خروج کی خبر دی گئی ہے وہ ایک خاص کافر شخص کا نام ہے جو قوم یہود سے ہو گا اور مسیح اس کا لقب ہو گا۔ کانا ہو گا اور ایک آنکھ میں انگور کے دانہ کے برابر ناخونہ ہو گا۔ دونوں آنکھوں کے درمیان ک ف ر لکھا ہوا ہو گا سب سے پہلے اس کا ظہور شام اور عراق کے درمیان ہو گا اور نبوت کا دعویٰ کرے گا۔ پھر اصفہان آئے گا وہاں ستر ہزار یہودی اس کے تابع ہو جائیں گے بعد ازاں وہ خدائی کا دعویٰ کرے گا اور زمین میں فساد پھیلاتا پھرے گا۔ حق تعالیٰ بندوں کے امتحان کے لئے اس کے ہاتھ سے قسم قسم کے کرشمے اور خارق عادت امور ظاہر فرمائیں گے لیکن اخیر میں وہ ایک شخص کو قتل کر

کے زندہ کرے گا اور پھر اس کو قتل کرنا چاہے گا لیکن اس کے قتل پر ہرگز قادر نہ ہو گا تو اس سے صاف ظاہر ہو جائے گا کہ یہ شخص دعوائے خدائی میں بالکل جھوٹا ہے اس لئے کہ اول تو اس کا کانا ہونا ہی اس کے خدا نہ ہونے کی نہایت روشن اور بین دلیل تھی۔ دوم یہ کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان ک ف ر لکھا ہوا ہو گا سوم یہ کہ قتل کرنا ایسا فعل ہے جو بشر کی قدرت میں داخل ہے۔ جب اس میں اب یہ قدرت باقی نہ رہی کہ وہ دوبارہ قتل کر سکے تو وہ خدا کیونکر ہو سکتا ہے اور یہ جو چند روز اس کے ہاتھ احیاء موتی کا ظہور ہوتا رہا وہ فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کا فعل تھا اس کے ہاتھ سے جو کرایا گیا وہ محض استدراج اور ابتلاء اور امتحان تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جب مردہ لایا جاتا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے اور بارگاہ خداوندی میں دعا مانگتے کہ اے پروردگار تو اپنی قدرت سے اس مردہ کو زندہ فرما۔ حق تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ کی دعا سے مردہ کو زندہ فرما دیتے اس طرح سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدائی کا شبہ بھی نہ ہوتا۔ بلکہ ان کا خدا کا مقبول اور برگزیدہ بندہ ہونا ثابت ہو جاتا۔

خروج دجال کب ہو گا

امام مہدی ظاہر ہونے کے بعد نصاریٰ سے جہاد و قتال کریں گے یہاں تک کہ جب قسطنطنیہ کو فتح فرما کر شام واپس ہوں گے اور شہر دمشق میں مقیم ہوں گے اور مسلمانوں کے انتظام میں مصروف ہوں گے۔ اس وقت دجال کا خروج ہو گا۔ دجال مع اپنے لشکر کے زمین میں فساد مچاتا پھرے گا۔ یمن سے ہو کر مکہ مکرمہ کا رخ کرے گا مگر مکہ مکرمہ پر فرشتوں کا پہرہ ہو گا اس لئے دجال مدینہ منورہ کا ارادہ کرے گا۔ مدینہ منورہ کے دروازوں پر بھی فرشتوں کا پہرہ ہو گا۔ اس لئے دجال مدینہ منورہ میں بھی داخل نہ ہو سکے گا۔ بالآخر پھر پھرا کر شام واپس آئے گا کہ عیسیٰ علیہ السلام دمشق کی جامع مسجد

کے شرقی منارہ پر دو فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے ہوئے آسمان سے نازل ہوں گے اور اس لعین کو قتل فرمائیں گے جیسا کہ آئندہ علامات کے بیان میں آئے گا۔

۳۔ نزول عیسیٰ ابن مریم علیہ الصلوٰۃ و السلام

قیامت کی علامات کبریٰ میں سے تیسری علامت قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نازل ہونا اور دجال لعین کو قتل کرنا ہے جو حق اور سچ ہے اور قرآن کریم اور احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے اس کی تصدیق کرنا اور اس پر ایمان لانا فرض اور ضروری ہے۔

کانے دجال کا خروج ہو چکا ہو گا اور امام مہدی دمشق کی جامع مسجد میں نماز کے لئے کھڑے ہوں گے کہ یکایک عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے دمشق کی جامع مسجد کے شرقی منارہ پر آسمان سے دو فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے ہوئے نزول فرمائیں گے اور نماز سے فراغت کے بعد امام مہدی کی معیت میں دجال پر چڑھائی کریں گے۔

حضرت عیسیٰؑ کے سانس میں یہ تاثیر ہو گی کہ کافر اس کی تاب نہ لا سکے گا۔ اس کے پہنچتے ہی مر جائے گا۔ اور دجال حضرت عیسیٰ کو دیکھتے ہی ایسا پگھلنے لگے گا۔ جیسے نمک پانی میں پگھل جاتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کا تعاقب کریں گے اور باب لد پر جا کر اس کو اپنے نیزہ سے قتل کریں گے اور اس کا خون مسلمانوں کو دکھلائیں گے بعد ازاں لشکر اسلام۔ دجال کے لشکر کا مقابلہ کرے گا جو یہودی ہوں گے ان کو خوب قتل کرے گا اور اس طرح زمین دجال اور یہود کے ناپاک وجود سے پاک ہو جائے گی۔ جن کا دعویٰ یہ تھا کہ ہم نے عیسیٰ بن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ جس کو ہم نے اپنے زعم میں قتل کر ڈالا تھا وہ اب تک آسمان پر زندہ تھا اور اب آسمان سے ہمارے قتل کے لئے زمین پر اترا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول میں ایک حکمت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں کے شر سے بچانے کے لئے کسی حکمت اور مصلحت کی بنا پر ایک معین مدت کے لئے آسمان پر

اٹھا لیا تھا۔ مگر چونکہ عیسیٰ ابن مریم بنی آدم میں سے ہیں اور کوئی انسان آسمان پر فوت نہیں ہو سکتا۔ فوت اور دفن کا محل زمین ہے۔ مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ رفع السماء کی مدت معینہ ختم ہونے کے بعد حضرت عیسیٰ کو زمین پر نازل فرمائیں گے تاکہ چند روز زمین پر رہنے کے بعد زمین پر وفات پائیں اور زمین ہی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب دفن ہوں۔

دوسری حکمت یہ ہے کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ ابن مریم کو ساحر اور جادوگر بتایا اور ان کے قتل کے درپے ہوئے اور جب دجال لعین ظاہر ہو گا تو اسی کا اتباع کریں گے اور اس پر ایمان لائیں گے اور چونکہ یہود مسلمانوں اور عیسائیوں کے ہاتھ ہمیشہ ذلیل اور خوار رہے اس لئے یہود اس موقع کو غنیمت سمجھیں گے اور مسلمانوں سے انتقام لینے کی سوچیں گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے مسیح ابن مریم کو آسمان سے نازل کرے گا تاکہ یہودیوں کے سردار دجال لعین کو اس مسیح ابن مریم کے ہاتھ سے قتل کرائے جس کے متعلق یہود کا یہ زعم تھا کہ ہم ان کو صلیب پر چڑھا چکے ہیں اور قتل کر چکے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ ہونے اور مصلوب نہ ہونے کے دلائل

پہلی دلیل

قرآن پاک میں ہے

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ

(یہود ملعون ہوئے بہ سبب) ان کے قول کے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ بن مریم کو جو

اللہ کے رسول تھے قتل کیا حالانکہ نہ انہوں نے ان کو قتل کیا۔ اور نہ ہی ان کو صلیب پر لٹکایا لیکن ان کو اشتباہ ہو گیا۔

آگے فرمایا۔

وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا

یہود نے یقینی طور ان (عیسیٰ علیہ السلام) کو قتل نہیں کیا بلکہ ان کو اللہ نے اپنی طرف (یعنی آسمان پر) اٹھالیا۔

یہ بات مسلم ہے کہ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جانی دشمن تھے اور انہوں نے آپ کو قتل کرنے کی سازش کی لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی سازش کو ناکام بنا دیا اور وہ نہ ان کو قتل کر سکے اور نہ ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر لٹکا سکے۔

یہ کہنا صحیح نہیں کہ صلیب پر لٹکایا گیا ہو لیکن قتل نہ کر پائے ہوں کیونکہ صلیب پر ہی لٹکا کر قتل کیا جاتا ـــــ تھا جب قرآن نے قتل کی نفی کی تو معلوم ہوا کہ صلیب پر قتل نہیں کئے گئے اور جب صلیب کی نفی کی تو معلوم ہوا کہ صلیب پر لٹکائے بھی نہیں گئے۔

دوسری دلیل

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ

(اب قیامت کے زمانہ میں) نہیں کوئی اہل کتاب مگر یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام پر ان کی موت سے پہلے ایمان لائے گا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ "صحیح قول فقط یہی ہے کہ دونوں ضمیریں (یعنی بہ اور موتہ میں) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہیں۔"

اس قول کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اہل کتاب (یعنی عیسائی) تو اپنی موت سے پہلے یعنی زندگی میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے ہیں پھر اس کو ذکر کرنے میں کوئی فائدہ نہ ہوا۔ ہاں اگر یہ مراد ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت

سے پہلے اہل کتاب ان پر ایمان لے آئیں گے تو اس ذکر میں بلاشبہ فائدہ ہے کہ ان کی وفات سے پیشتر جب ان کا آسمان سے نزول ہو گا تو اہل کتاب ان کو دیکھ کر ان کو مانیں گے اور ان کے بارے میں اپنے عقیدے کی تصحیح کریں گے۔

ان دو آیتوں سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ قتل کیا گیا اور نہ ہی صلیب پر لٹکایا گیا بلکہ خود ارادہ بد رکھنے والوں کو اشتباہ میں ڈال دیا گیا اور یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابھی زندہ ہیں اور ایک وقت آئے گا کہ لوگوں کے سامنے آئیں گے اور اس وقت موجود اہل کتاب یعنی عیسائی ان کو سچا تسلیم کریں گے۔

اب رہا یہ سوال کہ پھر اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہاں ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ

جب اللہ نے کہا اے عیسیٰ بے شک میں آپ کو پورا لینے والا ہوں اور آپ کو اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔

جب اوپر کے دلائل سے واضح ہو گیا کہ ابھی تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت نہیں ہوئی تو متوفیک اس معنی میں تو نہیں ہو سکتا کہ میں آپ کو وفات یعنی موت دینے والا ہوں بلکہ عربی لغت کے اعتبار سے یہ مطلب بنے گا کہ میں آپ کو پورا لینے والا ہوں (یعنی جسم و روح سمیت)

علاوہ ازیں اگر متوفیک کا مطلب وفات اور موت دینے کے معنی میں لیا جائے تو پھر رافعک الی کا کیا مطلب اور اس کے ذکر کی کیا ضرورت ہوئی؟ کیونکہ قدرتی موت ہو یا قتل ہو دونوں صورتوں میں ـــــــ نیک لوگوں اور خصوصاً انبیاء علیہم السلام کی ارواح کو بلند مقام دیئے ہی جاتے ہیں اور اگر بلند مرتبہ مراد ہو تو قتل و شہادت کی صورت میں تو درجہ زیادہ بلند ہو جاتا ہے پھر قدرتی موت کے ساتھ اس کے ذکر کا کیا فائدہ؟

غرض قرآن پاک نے خوب وضاحت کے ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ

السلام کو اللہ تعالیٰ نے روح و جسم سمیت دنیا سے اوپر اٹھا لیا یعنی آسمان پر اٹھا لیا اور وہ ابھی تک زندہ ہیں اور قیامت سے پیشتر دنیا میں اتارے جائیں گے۔

اسی بات پر پوری امت محمدیہ کا اجماع ہے۔ تفسیر جامع البیان میں ہے۔

الاجماع علی انہ حیی فی السماء وینزل و یقتل الدجال و یؤید الدین

اس پر امت کا اجماع ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں اور نازل ہوں گے اور دجال کو قتل کریں گے اور دین کی مدد کریں گے۔

یہی مضمون قدرے تفصیل سے حدیث میں بھی وارد ہے۔

(۱) امام حسن بصری رحمہ اللہ سے مرسل روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے فرمایا عیسیٰ علیہ السلام ابھی نہیں مرے وہ قیامت کے قریب ضرور لوٹ کر آئیں گے۔

(۲) امام ابوداؤد اپنی سنن میں اور امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمام انبیاء باپ شریک بھائی ہیں مائیں مختلف ہیں یعنی شریعتیں مختلف ہیں جب کہ دین جو کہ اصول شریعت ہیں وہ سب کا ایک ہے۔ اور میں عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ سب سے زیادہ قریب ہوں اس لئے کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔ وہ نازل ہوں گے جب ان کو دیکھو تو پہچان لینا وہ میانہ قد ہوں گے۔ ان کا رنگ سرخ اور سفیدی کے درمیان ہو گا۔ ان پر دو رنگے ہوئے کپڑے ہوں گے۔ سر کی یہ شان ہو گی کہ گویا پانی ٹپک رہا ہے اگرچہ اس کو کسی قسم کی تری نہیں ہو گی۔ صلیب کو توڑیں گے جزیہ کو اٹھائیں گے۔ سب کو اسلام کی طرف بلائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے زمانہ میں سوائے اسلام کے تمام مذاہب کو نیست و نابود کر دے گا اور اللہ تعالیٰ ان کے زمانہ میں مسیح دجال کو قتل کرائے گا۔ پھر تمام روئے زمین پر ایسا امن ہو جائے گا ------ عیسیٰ علیہ السلام زمین پر چالیس سال ٹھہریں گے پھر وفات پائیں گے اور

مسلمان ان کے جنازہ کی نماز پڑھیں گے۔

— رہی یہ آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (اور نہیں محمد مگر رسول۔ یقیناً ان سے پہلے بھی رسول گزرے)

خلت کا ترجمہ ہے گزر گئے یعنی روئے زمین سے گزر گئے اور چلے گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی یہ معنی صادق آتا ہے کیونکہ آپ کو جب آسمان پر اٹھا لیا گیا تو آپ روئے زمین پر سے گزر گئے اور چلے گئے۔ اس کا یہ ترجمہ کرنا کہ وفات پا گئے بالکل غلط ہے۔ مندرجہ بالا دلائل سے بھی یہی بات حاصل ہوتی ہے۔

اسی طرح ایک حدیث میں ہے لوکان موسیٰ و عیسیٰ حیین (اگر موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام زندہ ہوتے ------)

تو حیین تثنیہ ہے حی کا جیسا کہ کتاب کا تثنیہ کتابین ہوتا ہے۔ پھر عربی زبان میں یہ بھی طریقہ مستعمل ہے کہ دو مختلف چیزوں کو لے کر ان پر ایک کے نام کے تثنیہ کا اطلاق کیا جاتا ہے مثلاً والد اور والدہ کو لے کر والدین کہا جاتا ہے حالانکہ والدین صرف والد کے لفظ کا تثنیہ ہے۔ اور مثلاً شمس (سورج) اور قمر (چاند) کو لے کر کبھی شمسین کہہ دیتے ہیں اور کبھی قمرین کہہ دیتے ہیں۔ اسی طرح حدیث میں ایک زندہ اور ایک وفات یافتہ کو لے کر تغلیباً کہا گیا ہے کہ اگر دونوں زندہ ہوتے لہٰذا اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر دلیل بنانا غلط ہے۔

امر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور امام مہدی دو شخص علیحدہ علیحدہ ہیں صحابہ اور تابعین کے وقت سے لے کر اس وقت تک کوئی اس کا قائل نہیں ہوا کہ نازل ہونے والا مسیح اور ظاہر ہونے والا مہدی ایک ہی شخص ہوں گے اس لئے کہ

(۱) حضرت عیسیٰ بن مریم نبی اور رسول ہیں اور امام مہدی امت محمدیہ کے آخری خلیفہ ہوں گے نبی نہ ہوں گے۔

(۲) حضرت مسیح بن مریم حضرت مریم کے بطن سے بغیر باپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے چھ سو سال پہلے بنی اسرائیل میں پیدا ہوئے اور امام مہدی قیامت کے قریب مدینہ منورہ میں پیدا ہوں گے والد کا نام عبد اللہ اور والدہ کا نام آمنہ ہو گا۔

(۳) حضرت عیسیٰ بنی اسرائیل میں سے ہیں اور امام مہدی حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کی اولاد سے ہوں گے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

ایک روایت میں آیا ہے کہ لا مھدی الا عیسی بن مریم نہیں ہے کوئی مہدی مگر عیسیٰ بن مریم اس روایت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مہدی اور عیسیٰ دونوں ایک ہی شخص ہیں۔

جواب: یہ ہے کہ اول تو یہ روایت محدثین کے نزدیک ضعیف اور غیر مستند ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری ص ۳۵۸ ج ۶ میں اس کی تصریح کی ہے۔

دوم یہ کہ یہ روایت ان بے شمار احادیث صحیحہ اور متواترہ کے خلاف ہے جن سے حضرت عیسیٰ اور امام مہدی کا دو شخص ہونا خوب ظاہر ہے اور متواتر کے مقابلہ میں ضعیف اور منکر روایت معتبر نہیں۔

سوم یہ کہ اگر اس روایت کو تھوڑی دیر کے لئے صحیح تسلیم کر لیا جائے تو یہ کہا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد شریعت محمدیہ کا اتباع کریں گے

وجہ یہ ہے کہ جب شریعت محمدیہ آئی تو تمام جن اور انس پر قیامت تک اس کی متابعت واجب ہوئی۔ کیونکہ آپ خاتم الانبیاء ہیں اور آپ کی شریعت تمام شریعتوں کی ناسخ ہے۔ آپ کی شریعت آخری شریعت ہے اور تمام شریعتوں سے اکمل ہے۔ لہذا اس وقت عیسیٰ علیہ السلام کا تمام عمل اور حکم کتاب و سنت کے موافق ہو گا۔ انجیل پر نہ ہو گا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد بھی نبی ہوں گے کیونکہ انبیاء کرام اپنی نبوت سے کبھی معزول نہیں ہوتے لیکن یہ نزول نبی ہونے کی حیثیت سے نہ ہو گا بلکہ عادل حکمران اور شریعت محمدیہ کے مجدد اور تابع ہونے کی حیثیت سے ہو گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شریعت محمدیہ کا علم کیسے ہو گا؟

اس بارے میں قرآن و حدیث میں کوئی تصریح تو موجود نہیں ہے البتہ چند ممکنہ صورتیں ہیں۔ اسی وجہ سے بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نزول سے قبل ہی آسمان پر شریعت محمدیہ کا علم عطا فرما دے گا یا یہ نزول کے بعد بذریعہ وحی کے آپ کو شریعت محمدیہ کا علم ہو گا۔ یا کتاب و سنت کو دیکھ کر علم ہو جائے گا یا روحانی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے علم حاصل ہو جائے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور امام مہدی دو شخص ہیں

ظہور مہدی اور نزول عیسیٰ بن مریم کے بارہ میں جو احادیث آئی ہیں ان سے یہ

جائے کہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ اس وقت حضرت عیسیٰ بن مریم سے بڑھ کر کوئی شخص ہدایت یافتہ نہ ہو گا اس لئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگرچہ نزول کے بعد آپ کی شریعت کے تابع ہوں گے مگر نبی اور رسول ہوں گے اور امام مہدی آپ کی امت کے آخری خلیفہ راشد ہوں گے نبی نہ ہوں گے اور ظاہر ہے کہ غیر نبی کی ہدایت۔ نبی اور رسول کی ہدایت سے اکمل اور افضل نہیں ہو سکتی اس لئے کہ نبی کی ہدایت معصوم عن الخطا ہوتی ہے اور عصمت انبیاء کا خاصہ ہے حدیث میں ہے لا فتی الا علی یعنی کوئی جوان شجاعت میں علی کے برابر نہیں اور یہ معنی نہیں کہ دنیا میں سوائے علی کے کوئی جوان نہیں اسی طرح لامهدی الاعیسیٰ بن مریم کے یہ معنی ہوں گے کہ کوئی مہدی اور کوئی ہدایت یافتہ عصمت اور علو منزلت میں عیسیٰ بن مریم کے برابر نہیں كذا فی العرف الوردے للامام السیوطی (ص ۸۵ ج ۲) وقال المناوی۔ اخبار المهدی لایعار ضهاخبر لا مهدی الاعیسیٰ بن مریم لان المرادبه کماقال القرطبی لامهدی کاملا معصوما الاعیسیٰ کذا فی فیض القدیر (ص ۲۷۹ ج ۲۔)

۴۔ خروج یاجوج و ماجوج

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور دجال کی ہلاکت کے کچھ عرصہ بعد امام مہدی انتقال فرما جائیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کی نماز جنازہ پڑھائیں گے۔ بیت المقدس میں ان کا انتقال ہو گا اور وہیں مدفون ہوں گے اس وقت امام مہدی کی عمر پینتالیس یا اڑتالیس یا انچاس (۴۹) سال ہو گی۔ امام مہدی کی وفات کے بعد تمام انتظام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں ہو گا اور زمانہ نہایت سکون اور راحت سے گزر رہا ہو گا کہ یکایک وحی نازل ہو گی کہ اے عیسیٰ تم میرے بندوں کو کوہ طور کے پاس لے جاؤ۔ میں اب ایک ایسی قوم کو نکالنے والا ہوں کہ جس کے ساتھ کسی کو لڑائی کی طاقت نہیں۔ وہ قوم یاجوج و ماجوج کی قوم ہے جو یافث بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں

سے ہے۔ شاہ ذوالقرنین نے دو پہاڑوں کے درمیان ایک نہایت مستحکم آہنی دیوار قائم کر کے ان کا راستہ بند کر دیا تھا قیامت کے قریب وہ دیوار ٹوٹ جائے گی اور یہ غارت گر قوم ٹڈی دل کی طرح ہر طرف سے نکل پڑے گی اور دنیا میں فساد پھیلائے گی جس کا قصہ قرآن کریم میں مذکور ہے۔ اس وقت حضرت عیسیٰ خاص خاص اہل ایمان کو لے کر کوہ طور کی طرف چلے جائیں گے اور بارگاہ خداوندی میں یاجوج و ماجوج کی ہلاکت کی دعا کریں گے جب کہ باقی لوگ اپنے اپنے طور پر قلعہ بند اور محفوظ مکانوں میں بند ہو جائیں گے اللہ ان کو طاعون کی وباء سے ہلاک کرے گا اور اس بلاء آسمانی سے سب مر جائیں گے بعد ازاں اللہ تعالیٰ لمبی گردن والے پرندے بھیجے گا جو بعض کو تو کھا جائیں گے اور بعض کو اٹھا کر سمندر میں ڈال دیں گے اور پھر ایک عظیم بارش ہو گی جس کے سبب ان مرداروں کی عفونت اور بدبو سے نجات ملے گی۔ اور زندگی نہایت راحت اور آرام سے گزرے گی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۴۵ سال زندہ رہ کر مدینہ منورہ میں انتقال فرمائیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے بعد ایک قحطانی شخص کو اپنا خلیفہ مقرر کر جائیں گے جس کا نام جہجاہ ہو گا۔ خوب اچھی طرح عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کرے گا مگر ساتھ ہی ساتھ شر اور فساد کا پھیلنا بھی شروع ہو جائے گا۔

۵۔ خروج دخان یعنی دھویں کا ظاہر ہونا

جہجاہ کے بعد اور چند بادشاہ ہوں گے اور کفر اور الحاد شر اور فساد بڑھنا شروع ہو گا۔ یہاں تک کہ ایک مکان مغرب میں اور ایک مکان مشرق میں جہاں منکرین تقدیر رہتے ہوں گے وہ دھنس جائے گا اور انہیں دنوں آسمان سے ایک بہت بڑا دھواں ظاہر ہو گا جو آسمان سے لے کر زمین تک تمام چیزوں کو گھیر لے گا جس سے لوگوں کا دم گھٹنے لگے گا وہ دھواں چالیس دن تک رہے گا۔ مسلمانوں کو زکام سا معلوم ہو گا اور کافروں پر بے ہوشی طاری ہو جائے گی۔ کسی کو دو دن میں اور کسی کو تین دن میں ہوش آئے گا۔ قرآن کریم میں اس دخان کا ذکر ہے۔

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ يَغْشَى النَّاسَ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ

پس آپ اس روز کا انتظار کیجئے کہ آسمان کی طرف سے ایک دھواں نمودار ہو گا۔

اور عبد اللہ بن مسعود یہ فرماتے ہیں کہ یہ دخان کی علامت گزر چکی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا سے اس زمانہ میں ایک سخت قحط پڑا تھا جس سے کفار زمین پر دھواں دیکھتے تھے۔

۶۔ مغرب سے طلوع آفتاب

قیامت کی علامات کبریٰ میں سے ایک بڑی علامت۔ آفتاب کا مغرب کی جانب سے طلوع ہونا ہے اور اس آیت شریفہ:

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِیَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِیَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ

کیا لوگ ایمان لانے میں اس کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا خود تیرا رب آئے یا خدا کی نشانیوں میں سے کوئی بڑی نشانی آئے۔

اس آیت میں بعض آیات ربک سے آفتاب کا جانب مغرب سے طلوع ہونا مراد ہے۔ حدیث میں ہے کہ جس رات کی صبح کو آفتاب مغرب سے طلوع کرے گا وہ رات نہایت دراز ہو گی۔ یہاں تک کہ بچے چلا اٹھیں گے اور مسافر تنگ دل ہو جائیں گے کہ کوئی امر عظیم اور حادثہ عظیم ظاہر ہونے والا ہے۔ لہذا دعاء اور استغفار میں سر بسجود مصروف ہو جائیں گے۔ اتنے میں آفتاب مغرب کی جانب سے طلوع کرے گا۔ مگر اس میں روشنی نہ ہو گی جیسے گہن کے وقت ہوتا ہے۔ اس قسم کا بے نور ہو گا اور اتنا بلند ہو کر جتنا کہ چاشت کے وقت ہوتا ہے پھر غروب ہو جائے گا اور پھر اپنی قدیم عادت کے مطابق مشرق سے نکلتا رہے گا تمام لوگ اس حالت کا مشاہدہ کر لیں گے۔ اس عظیم الشان نشان کے بعد نہ کسی کافر کا ایمان معتبر ہو گا اور نہ کسی گنہگار مسلمان کی

توبہ۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے۔

يَوْمَ يَاْتِیْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِیْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا

جس دن تیرے رب کی ایک خاص نشانی آ جائے گی یعنی آفتاب کا مغرب سے طلوع ہو جانا تو اس دن کسی شخص کو ایمان لانا نفع نہ دے گا جو پہلے سے ایمان نہ لایا ہو اور نہ اس شخص کو توبہ نفع دے گی جس نے پہلے سے توبہ نہ کی۔

بخاری اور مسلم اور دیگر احادیث صحیحہ میں تصریح ہے کہ بعض آیات ربک سے آفتاب کا مغرب کی جانب سے طلوع کرنا مراد ہے۔ لہذا اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔

نکتہ: جس وقت آفتاب مغرب سے طلوع کرے گا وہ وقت اس تمام عالم کے نزع اور جان کنی کے شروع ہو جانے کا وقت ہو گا۔ صور پھونکنے کے بعد تمام عالم کی پوری جان نکل جائے گی اور جس طرح نزع اور جان کنی کے وقت ایمان اور توبہ معتبر نہیں اسی طرح مغرب سے آفتاب طلوع ہونے کے بعد کسی کا ایمان اور توبہ قبول نہ ہو گی کیونکہ پوری دنیا کی نزع اور جان کنی شروع ہو گئی ہے اور وہ آخرت جو اب تک غیب تھی اب وہ محسوس اور مشاہد ہو گئی اور ایمان وہی معتبر ہے جو بالغیب ہو۔ مشاہدہ کے بعد ایمان معتبر نہیں۔

حق جل شانہ جب اس نظام کو درہم برہم کرنے کا ارادہ فرمائے گا تو اس کی ابتداء اس عظیم الشان نشان سے ہو گی تاکہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ دنیا کا کام اب انتہا کو پہنچ چکا ہے اور قیامت کے بارہ میں انبیاء کرام نے خلق خدا کو جو خدا کا پیغام پہنچایا تھا وہ سب بجا اور درست ہے اور وہ خبراب آنکھوں کے سامنے آ گئی ہے۔

قرآن کریم کی صرف دو ہی سورتوں کو پڑھ لیجئے۔ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ الی آخر السورۃ اور اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ جس میں اس امر کی پوری تفصیل ہے کہ جب قیامت قائم ہو گی تو آسمان اور زمین کا نظام آسمانی اور زمینی اور شمس و قمر اور نجوم و کواکب کا تمام نظام شمسی اور فلکی درہم و برہم ہو جائے

گا۔

۷۔ دابتہ الارض کا نکلنا

قیامت کی ایک بڑی نشانی زمین سے دابتہ الارض کا نکلنا ہے۔ جو نص قرآنی سے ثابت ہے۔

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ۔

اور جب قیامت کا وعدہ پورا کرنے کا وقت قریب الوقوع ہو جائے گا تو اس وقت ہم لوگوں کی عبرت کے لئے زمین سے ایک عجیب و غریب جانور نکالیں گے جو لوگوں سے باتیں کرے گا اور کہے گا کہ اب قیامت قریب آ گئی ہے یہ جانور ہم زمین سے اس لئے نکالیں گے کہ لوگ ہماری نشانیوں کا یقین نہیں کرتے تھے۔

جس روز آفتاب مغرب سے طلوع کرے گا اسی دن یا اگلے دن یہ عجیب الخلقت جانور زمین سے نکلے گا۔ مکہ مکرمہ کا ایک پہاڑ جس کو کوہ صفا کہتے ہیں وہ پھٹے گا اس میں سے ایک عجیب الخلقت جانور نکلے گا اور لوگوں سے کلام کرے گا جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے حضرت صالح علیہ السلام کے ناقہ کو پتھر سے نکالا تھا۔ اسی طرح اپنی قدرت سے قیامت کے قریب زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو لوگوں سے کلام کرے گا اور قیامت کی خبر دے گا۔ مومنوں کے چہروں پر ایک نورانی نشانی لگائے گا۔ جس سے مومنین کے چہرے روشن ہو جائیں گے اور کافروں کی آنکھوں کے درمیان ایک مہر لگائے گا جس سے ان کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے اور حسب ارشاد باری۔=

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ۔ مسلم اور مجرم کا امتیاز اس طرح شروع ہو جائے گا اور پورا امتیاز حساب و کتاب کے بعد ہو گا۔

۸۔ ٹھنڈی ہوا کا چلنا

دابتہ الارض کے نکلنے کے کچھ عرصہ بعد ایک ٹھنڈی ہوا چلے گی جس سے تمام

اہل ایمان اور اہل خیر مرجائیں گے یہاں تک کہ اگر کوئی مومن کسی غار یا پہاڑ میں چھپا ہوا ہو گا تو وہاں بھی یہ ہوا پہنچے گی اور وہ شخص اس ہوا سے مرجائے گا نیک لوگ سب مرجائیں گے اور نیکی اور بدی میں فرق کرنے والا بھی کوئی باقی نہ رہے گا۔ (رواہ مسلم)

۹۔ غلبہ حبشہ

بعد ازاں حبشہ کے کافروں کا غلبہ ہو گا اور زمین پر ان کی سلطنت ہو گی۔ ظلم اور فساد عام ہو گا بے شرمی اور بے حیائی کھلم کھلا ہو گی چوپایوں کی طرح لوگ سڑکوں پر جماع کریں گے۔ حدیث میں ہے۔

لا يستخرج كنز الكعبة الا ذوالسويقين من الحبشة

خانہ کعبہ کے (امام مہدی علیہ السلام کے بعد جمع ہونے والے) خزانہ کو چھوٹی پنڈلیوں والا حبشہ کا رہنے والا نکالے گا۔ (رواہ ابو داؤد)

۱۰۔ آگ کا نکلنا

قیامت کی آخری نشانی یہ ہے کہ وسط عدن سے ایک آگ نکلے گی جس کی روشنی شام تک پہنچے گی یہ آگ لوگوں کو گھیر کر ارض محشر کی طرف لائے گی یعنی ملک شام کی طرف لائے گی جہاں مرنے کے بعد حشر ہو گا یہ آگ لوگوں سے دن رات میں کسی وقت جدا نہ ہو گی جب شام کا وقت ہو گا اور لوگ ٹھہر جائیں گے تو یہ آگ بھی ٹھہر جائے گی اور جب صبح ہو گی اور آفتاب بلند ہو جائے گا تو یہ آگ لوگوں کو ہنکائے گی جب لوگ ملک شام میں پہنچ جائیں گے تو یہ آگ غائب ہو جائے گی۔

صحیح مسلم میں حذیفہ بن اسید غفاری سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی دس علامتیں بیان فرمائیں ان میں سے آخری علامت یہ ہے۔

نار تخرج من اليمن تطرد الناس الى محشرهم۔

ایک آگ یمن سے نکلے گی اور لوگوں کو ارض محشر یعنی سرزمین شام کی طرف

ہنکا کر لے جائے گی۔

اس کے بعد کچھ عرصہ نہایت عیش و آرام سے گزرے گا کفر اور بت پرستی پھیل جائے گی اور زمین پر کوئی خدا کا نام لینے والا باقی نہ رہے گا۔ اس وقت قیامت قائم ہو گی اور اسرافیل علیہ السلام کو صور پھونکنے کا حکم ہو گا۔

تنبیہہ: اکثر احادیث میں خروج نار کو قیامت کی آخری نشانی بتایا گیا ہے لیکن صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ اول نشانی قیامت کی وہ آگ ہو گی جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف نکالے گی ان دونوں روایتوں میں تطبیق یہ ہے کہ گذشتہ علامتوں کے اعتبار سے یہ آخری نشانی ہے لیکن اس اعتبار سے کہ اس علامت کے ظہور کے بعد اب دنیا کی کوئی چیز باقی نہ رہے گا بلکہ اس کے بعد متصل نفخ صور واقع ہو گا۔ اس کو اول نشانی کہا گیا۔ یہاں تک قیامت کی دس بڑی علامتوں کا بیان ختم ہوا جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں اور ان سب پر ایمان لانا ضروری ہے۔

دسواں باب

قبر میں عذاب و راحت اور فرشتوں کا سوال کرنا حق ہے

۱۔ سورہ مومن میں ہے۔

فَوَقٰهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ○ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۔ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ۔

پھر خدا تعالیٰ نے اس (مومن) کو ان لوگوں کی تدبیروں سے محفوظ رکھا اور فرعون والوں پر (مع فرعون کے) موذی عذاب نازل ہوا (جس کا بیان یہ ہے) کہ وہ لوگ (برزخ میں) صبح و شام آگ پر پیش کیے جاتے ہیں (یعنی جلائے جاتے ہیں) اور جس روز قیامت قائم ہو گی (تو حکم ہو گا کہ) فرعون والوں کو (مع فرعون کے) نہایت سخت عذاب میں داخل کرو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن سے پہلے بھی فرعون اور اس کے لوگوں پر عذاب ہو رہا ہے۔ یہی قبر کا اور برزخ کا عذاب ہے۔

۲۔ سورہ نوح میں ہے۔

مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا

اپنے گناہوں کے سبب وہ (یعنی حضرت نوح علیہ السلام کے لوگ) غرق کیے گئے پھر آگ میں داخل کیے گئے۔

ان لوگوں کا قیامت سے پہلے آگ میں داخلہ سے مراد برزخ اور قبر کی آگ میں داخلہ ہے جس کے یہ دلائل ہیں۔

۱۔ فادخلوا میں حرف فاء جو اپنے ماقبل کے متصل بعد پر دلالت کرتی ہے لہذا

مطلب یہ ہوا کہ آگ میں داخلہ غرق ہونے کے متصل بعد ہوا۔

ب۔ ادخلوا فعل ماضی کا لفظ ہے جو اس پر دلیل ہے کہ آگ میں داخلہ ہو چکا ہے۔

۳۔ قبر میں عذاب و راحت اور فرشتوں کے سوال کے بارے میں احادیث متواتر ہیں اور کثیر صحابہ سے منقول ہیں۔ مثلاً حضرات عمر بن الخطاب' عثمان بن عفان' زید بن ثابت' انس بن مالک' براء بن عازب' تمیم داری' ثوبان' جابر بن عبد اللہ' حذیفہ' عبادۃ بن صامت' عبد اللہ بن رواحہ' عبد اللہ بن عباس' عبد اللہ بن عمر' عبد اللہ بن مسعود' عمرو بن العاص' معاذ بن جبل' ابو امامہ' ابو الدرداء' ابوہریرہ اور عائشہ رضی اللہ عنہم۔ پھر ان سے بے شمار لوگوں نے روایت کیا۔

چند ایک احادیث یہ ہیں۔

ا۔ عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان العبد اذا وضع فی قبرہ و تولی عنہ اصحابہ انہ یسمع قرع نعالھم اتاہ ملکان فیقعدانہ فیقولان ماکنت تقول فی ھذا الرجل لمحمد فاما المومن فیقول اشھد انہ عبد اللہ و رسولہ فیقال لہ انظر الی مقعدک من النار قد ابدلک اللہ بہ مقعدا من الجنۃ فیراھما جمیعا واما المنافق و الکافر فیقال لہ ماکنت تقول فی ھذا الرجل فیقول لا ادری کنت اقول ما یقول الناس فیقال لہ لا دریت ولا تلیت و یضرب بمطارق من حدید ضربۃ فیصیح صیحۃ یسمعھا من یلیہ غیر الثقلین (بخاری و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ بلا شبہ جب بندے کو اس کی قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی اس سے پھر جاتے ہیں تو ان کی جوتیوں کی چاپ سنتا ہے اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں (ایک اور حدیث میں ان کا نام منکر اور نکیر ذکر ہے) جو اس کو بٹھاتے ہیں

اور اس سے پوچھتے ہیں کہ تم ان صاحب یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا کہتے تھے۔ جو مومن ہوتا ہے وہ جواب میں کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اس سے کہا جائے گا تو اپنے جہنم کے ٹھکانے کو دیکھ جس کو اللہ نے جنت کے ٹھکانے سے بدل دیا ہے۔ وہ مومن دونوں ٹھکانوں کو دیکھے گا۔ اور جو کافر اور منافق ہوتا ہے اس سے پوچھا جاتا ہے تو ان صاحب کے بارے میں کیا کہتا تھا تو وہ جواب میں کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا جو لوگ کہتے تھے میں بھی وہی کہتا تھا۔ اس کو کہا جاتا ہے کہ نہ تو نے عقل سے کام لیا اور نہ ہی نقلی دلیل کو اختیار کیا اور اس کو لوہے کے گرزوں سے مارا جاتا ہے جس سے وہ چیخ مارتا ہے جو سوائے انسانوں اور جنوں کے آس پاس موجود جانور سنتے ہیں۔

ب۔ عن زید بن ثابت قال بینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حائط لبنی النجار علی بغلۃ لہ ونحن معہ اذ حادت بہ فکادت تلقیہ واذا اقبر ستۃ او خمسۃ فقال من یعرف اصحاب ھذہ الاقبر قال رجل انا قال فمتی ماتوا قال فی الشرک فقال ان ھذہ الامۃ تبتلی فی قبورھا فلولا ان لا تدافنوا لدعوت اللہ ان یسمعکم من عذاب القبر الذی اسمع منہ (مسلم)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس دوران کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنو نجار کے باغ میں اپنے خچر پر سوار تھے اور ہم آپ کے ساتھ تھے کہ اچانک آپ کا خچر بدکا اور قریب تھا کہ وہ آپ کو گرا دے۔ ناگہاں سامنے پانچ یا چھ قبریں تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ ان قبر والوں سے کون واقف ہے۔ ایک شخص نے جواب دیا کہ میں (واقف ہوں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ ان کی وفات کب ہوئی تھی۔ اس شخص نے جواب دیا کہ (زمانہ) شرک میں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کی ان کی قبروں میں آزمائش کی جاتی ہے اور اگر مجھے ڈر نہ ہوتا کہ تم لوگ مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں اللہ سے

دعا کرتا کہ جو عذاب قبر میں سن رہا ہوں اللہ وہ تم کو بھی سنوا دے۔

د۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم مربقبرین فقال انہما لیعذبان وما یعذبان فی کبیر اما احدھما فکان لا یستبری من البول واما الآخر فکان یمشی بالنمیمۃ --- الخ (بخاری و مسلم)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دو قبروں پر گذر ہوا تو فرمایا ان دونوں قبر والوں کو عذاب دیا جا رہا ہے اور ان کو بڑی مشکل چیز پر عذاب نہیں دیا جا رہا (کہ ان سے پرہیز مشکل ہو) ایک تو پیشاب (کی چھینٹوں) سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلیاں لگاتا تھا۔

تنبیہہ ۱: فرشتوں کے سوال اور عذاب و راحت کے سلسلہ میں جب قبر کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے مراد ہر وہ جگہ ہے جہاں میت دفن ہو یا اس کے اجزاء موجود ہوں خواہ وہ اجزاء اکٹھے ہوں یا متفرق ہوں اور خواہ اپنی اصلی شکل میں ہوں یا (مثلاً جل کر) کسی اور شکل میں تبدیل ہو گئے ہوں اور خواہ وہ خشکی میں ہوں یا پانی میں ہوں یا کسی درندے کے پیٹ میں ہوں اور خواہ میت کے تمام اجزاء ہوں یا صرف ایک خلیہ (Cell) ہی ہو۔

تنبیہہ ۲: آدمی کے مرنے کے بعد اس کی روح کو اس کے ٹھکانے اور مستقر میں پہنچا دیا جاتا ہے اور وہیں ہوتے ہوئے روح کا تعلق اپنے مادی جسم یا اس کے اجزاء کے ساتھ قائم کر دیا جاتا ہے جس کی بنا پر مردے یا اس کے اجزاء بلکہ ایک ہی خلیہ پر (اگر فقط وہی ہو) عذاب و راحت کے جو حالات گزرتے ہیں روح ان کو محسوس کرتی ہے۔

تنبیہہ ۳: ہم ایک مادی اور حسی عالم میں رہ رہے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ہمیں عالم خواب کا تجربہ ہے جو مادی نہیں ہے۔ آدمی پر عالم خواب میں بہت سے

حالات گزرتے ہیں لیکن پاس بیٹھے ہوئے بیدار شخص کو اس کا کچھ علم نہیں ہوتا اور وہ ان کو محسوس نہیں کرتا۔ اسی طرح ہمارے اس مادی و حسی عالم سے مختلف ایک اور عالم ہے جو عالم برزخ کہلاتا ہے۔ جیسے سویا ہوا شخص باوجودیکہ اس کا جسم عالم مادی میں ہوتا ہے عالم خواب میں چلا جاتا ہے۔ اسی طرح وفات پانے والا شخص باوجود اس کے کہ جسم کے اجزاء عالم مادی میں ہوتے ہیں عالم برزخ میں منتقل ہو جاتا ہے جیسے سوئے ہوئے شخص کا جسم ہمارے سامنے ہوتا ہے لیکن عالم خواب میں اس پر گزرنے والے حالات کو ہم نہیں دیکھ سکتے اسی طرح میت کا جسم ہمارے سامنے ہوتا ہے لیکن عالم برزخ میں اس پر گزرنے والے حالات کو ہم محسوس نہیں کر سکتے اور دیکھ نہیں سکتے۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ کسی پر عالم برزخ کو منکشف فرما دیں تو وہ شخص عالم برزخ کے حالات کو دیکھ لے گا جیسا کہ عذاب قبر کی وجہ سے میت کی چیخ جانوروں کو سنوا دی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ اگر میت کے اجزاء اور خلیے کسی جانور کے پیٹ اور جسم میں ہوں اور میت پر عذاب ہو تو جانور پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔

تنبیہہ ۴: بعض مردوں کو اپنے جسم یا اس کے اجزاء کے علاوہ برزخی جسم بھی دیئے جاتے ہیں اور ان پر عذاب و راحت کے حالات گزرتے ہیں جیسا کہ حدیث میں آتا ہے اپنے مستقر میں رہتے ہوئے روح کا تعلق دونوں جسموں سے قائم کر دیا جاتا ہے۔

عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتیت لیلۃ اسری بی علی قوم بطونھم کالبیوت فیھا الحیات نری من خارج بطونھم فقلت من ھولآء یا جبرئیل قال ھولاء اکلۃ الربا رواہ احمد و ابن ماجہ (مشکوۃ ص ۲۴۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس رات مجھے معراج کرائی گئی میرا گزر ایسے لوگوں پر ہوا جن کے پیٹ کمروں کی طرح (پھولے ہوئے) تھے اور ان میں سانپ تھے جو باہر سے نظر آ رہے تھے۔ میں نے پوچھا اے جبرئیل یہ کون لوگ ہیں۔ انہوں

نے جواب دیا کہ یہ سود خور ہیں۔

تنبیہہ ۵: حدیث میں جو یہ آیا کہ قبر کے عذاب کو جانور سنتے ہیں تو اس پر بعض لوگوں کو یہ اشکال ہوتا ہے کہ حدیث کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خچر تو بدکا تھا لیکن ہم کسی جانور کو کافروں کے قبرستان میں بھی بدکتے ہوئے نہیں دیکھتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں فقط اتنا ہے کہ جانور اس کو سنتے ہیں جب کہ یہ ہو سکتا ہے کہ چیخ پکار کی کچھ آواز ان تک پہنچتی ہو جس سے ان کے معمولات میں کچھ فرق نہیں آتا چیخ پکار کی پوری شدت ان تک بھی نہ پہنچائی جاتی ہو۔ اور حدیث کے واقعہ میں تعلیم امت کی غرض سے جانور پر چیخ پکار کی اصل شدت ایک آن کے لئے ظاہر کر دی گئی ہو جس سے وہ بدک گیا ہو۔

گیارہواں باب

عقائد متعلقہ عالم آخرت

قیامت کا دن حق ہے اور ضرور آنے والا ہے اس دن اسرافیل علیہ السلام بحکم خداوندی صور پھونکیں گے جس سے تمام عالم فنا ہو جائے گا آسمان پھٹ جائیں گے اور ستارے گر جائیں گے اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ صور بگل کے مانند ایک چیز ہے جس کو اسرافیل علیہ السلام اپنے منہ سے لگا کر بجائیں گے جس کی آواز اس درجہ شدید ہو گی کہ اس کی شدت سے عالم کی ہر چیز فنا ہو جائے گی۔ اس کے بعد پھر دوبارہ صور پھونکیں گے جس سے تمام مردے جی اٹھیں گے پہلی مرتبہ صور پھونکنے کا نام نفخہ اولی ہے اور اس کو نفخہ اماتت بھی کہتے ہیں اور دوسری مرتبہ صور پھونکنے کا نام نفخہ ثانیہ ہے اور اس کو نفخہ احیاء بھی کہتے اور دونوں نفخوں کی درمیانی مدت چالیس سال یا چالیس ماہ ہو گی۔ نفخہ اولیٰ سے لے کر جنت اور جنہم میں داخل ہونے تک کے سارے زمانہ کو قیامت کہتے ہیں۔

قیامت کا آغاز نفخہ اولی سے ہو گا جس سے تمام عالم تباہ اور برباد ہو جائے گا تمام جاندار مرجائیں گے کما قال تعالیٰ

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ

جس دن صور پھونکا جائے گا سو تمام آسمان و زمین والے گھبرا جائیں گے مگر جس کو خدا چاہے۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ

اور قیامت کے دن صور پھونکا جائے گا تو آسمان اور زمین والے بے ہوش ہو جائیں گے مگر جس کو خدا چاہے وہ بے ہوشی سے محفوظ رہے گا۔

چالیس سال کے بعد دوبارہ صور پھونکا جائے گا اور یہ دوسرا نفخہ مردوں کو قبروں سے زندہ کرنے کے لئے ہو گا جیسا کہ اس آیت میں ہے۔

ثُمَّ نُفِخَ فِیْهِ اُخْرٰی فَاِذَا هُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ۔

پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو دفعتہً سب زندہ ہو کر کھڑے ہو جائیں گے اور ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں گے۔

وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰی رَبِّهِمْ یَنْسِلُوْنَ

اور دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو لوگ قبروں سے نکل کر خدا کی طرف دوڑیں گے۔

قیامت کا آغاز کس طرح ہو گا

باشندگان عالم اپنے کاروبار میں مشغول ہوں گے اور روئے زمین پر کوئی اللہ کا نام لینے والا باقی نہ رہے گا اور جمعہ کا دن ہو گا اور محرم الحرام کی دسویں تاریخ روز عاشورہ ہو گا کہ یکایک علی الصباح لوگوں کے کانوں میں ایک باریک آواز آنا شروع ہو گی اور بڑھتی جائے گی۔ یہاں تک کہ تمام لوگ مرجائیں گے اور روحیں بے ہوش ہو جائیں گی اور زمین و آسمان پھٹ جائیں گے وغیرہ وغیرہ۔ پھر دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا جس سے تمام مردے زندہ ہو جائیں گے۔

قیامت برحق ہے

جس خدا نے اپنی قدرت سے اس عالم کو عدم محض سے نکال کر وجود عطا فرمایا اور نابود سے بود کیا۔ وہ دوبارہ بھی اس عالم کو فنا کرنے اور زندہ کرنے پر قادر ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَاُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ

وہی پہلی بار بناتا ہے اور پھر وہی دوبارہ بنائے گا اور اعادہ ابتداء سے بہت آسان ہے۔

وقال تعالیٰ کَمَا بَدَاْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُهٗ وَعْدًا عَلَیْنَا اِنَّا کُنَّا فٰعِلِیْنَ

جس طرح ہم نے اس عالم کو پہلی بار پیدا کیا اسی طرح ہم اس کو دوبارہ پیدا کریں گے۔ یہ ہمارے ذمہ وعدہ ہے ہم ضرور اس کو کریں گے۔

وَاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ لَّا رَیْبَ فِیْهَا وَاَنَّ اللّٰهَ یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ۔

اور تحقیق قیامت یقیناً آنے والی ہے اس میں ذرہ برابر شک نہیں اور اللہ تعالیٰ مردوں کو قبروں سے زندہ کر کے اٹھائیں گے

دلائل بعث بعد الموت

قرآن کریم میں اثبات قیامت کے دلائل بہت ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

(۱) اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ یَعْیَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنْ یُّحْیِۦَ الْمَوْتٰی مطلب یہ ہے کہ جو خدا زمین و آسمان کے پیدا کرنے سے عاجز نہ ہوا تو کیا وہ مردوں کے دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہ ہو گا

(۲) ایک اور جگہ فرماتے ہیں قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِکُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمٌ یعنی کافر کہتے ہیں کہ بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا۔ اے پیغمبر آپ ان سے کہہ دیجئے کہ جس ذات نے ان کو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا وہی ان کو دوبارہ پیدا کرے گا اور وہ تو ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

(۳) اور ایک جگہ فرماتے ہیں یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ۔ اے لوگو اگر تم کو دوبارہ زندہ ہونے

میں شک اور تردد ہے تو اپنی پیدائش میں غور کر لو۔ تحقیق ہم نے تم کو اول مٹی سے پھر نطفہ سے پیدا کیا اس سے تم کو خدا کی قدرت کا اندازہ ہو جائے گا۔

(۴) اور ایک جگہ حضرت ابراہیم کا قصہ ذکر فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نے سوال کیا رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی اے میرے پروردگار مجھ کو دکھلا دیجئے کہ آپ قیامت کے دن کس طرح مردوں کو زندہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ چار پرندوں کو لے کر ان کا قیمہ کر دے اور ان ٹکڑوں کو پہاڑوں پر تقسیم کر دے اور ان کے اجزاء کو خلط ملط کر دے اور پھر ان کو بلا وہ زندہ ہو کر دوڑتے ہوئے تیرے پاس چلے آئیں گے اور ہر ایک کے اجزاء دوسرے سے جدا ہو کر پہلی صورت پر نمودار ہو جائیں گے اسی طرح قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بدن کے متفرق اجزاء کو جمع کر کے پہلی صورت پر اس کو زندہ کر دے گا۔

(۵) اور ایک جگہ حضرت عزیر کا یا کسی اور نبی کا قصہ بیان فرمایا ان کو یہی شوق ہوا کہ مرنے کے بعد زندہ ہونے کی کیفیت دیکھیں اللہ تعالیٰ نے ان کو برسوں تک مارے رکھا مگر ان کا جسم صحیح سالم رہا اور خدا کی قدرت سے اس میں کوئی تغیر نہ ہوا مگر ان کی سواری کا گدھا مر کر ریزہ ریزہ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس گدھے کو ان کے روبرو زندہ کیا اور قیامت کے دن مخلوق کے زندہ ہونے کا نمونہ دکھلا دیا اور بتلا دیا کہ موت اور حیات ہر وقت ہماری قدرت میں ہے۔

(۶) اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اصحاب کہف کا قصہ ذکر کیا کہ تین سو سال کی نیند کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو بیدار کیا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اللہ نے مردوں کے زندہ کرنے کا جو وعدہ کیا ہے وہ حق ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شبہ نہیں۔ وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا۔ اس زمانہ میں بعث بعد الموت کے متعلق بڑا جھگڑا تھا کوئی قائل تھا اور کوئی منکر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا کرشمہ دکھلا دیا کہ جو خدا تین سو سال کی نیند کے بعد جگانے پر قادر ہے وہ صدہا سال کی موت کے بعد زندہ کرنے پر بھی قادر

ہے۔ غرض یہ کہ جو لوگ بعث بعد الموت کے منکر ہیں ان کے رد کے لئے حق تعالیٰ نے دلائل بھی بیان فرمائے اور واقعات بھی ذکر کیے تاکہ منکرین معاد پر اللہ کی حجت پوری ہو جائے۔

ابطال عقیدۂ تناسخ

برہمن اور ہندوستان کے ہندو بھی بعث بعد الموت کے منکر ہیں مگر برہمنوں اور ہندوؤں کا مذہب عجیب ہے برہمن اور ہندو لوگ یہ کہتے ہیں کہ قیامت کوئی چیز نہیں البتہ مرنے کے بعد روحیں مختلف جسموں میں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ نیک لوگوں کی روحیں اچھے جسموں میں منتقل ہوتی ہیں اور بد لوگوں کی روحیں کتے بلی سور ریچھ گدھے وغیرہ کے قالب میں منتقل ہوتی رہتی ہیں اور روح کا اس طرح مختلف جسموں میں منتقل ہونے کا نام تناسخ ہے۔

اہل اسلام کہتے ہیں کہ عقیدۂ تناسخ بالکل مہمل اور خلاف عقل ہے اس لئے کہ جزا اور سزا کے لئے یہ ضروری ہے کہ جس کو سزا دی جا رہی ہے اس کو اس بات کا علم ہونا چاہئے کہ یہ اس کے فلاں جرم کی سزا ہے مگر دوسرے جون میں آنے والے کو اس کا مطلق علم نہیں ہوتا کہ میں اس جون میں کس گناہ کی وجہ سے آیا ہوں۔ سب کو معلوم ہے کہ اگر کوئی شخص سالہا سال کسی شہر میں رہ کر آیا ہو تو دوسرے شہر میں پہنچ کر اس کو پہلے شہر کے اکثر واقعات یاد رہتے ہیں اور لوگوں کو سناتا ہے۔ پس اگر ہندوؤں کے بقول آدمی اس سے پہلے دنیا میں چند بار رہ چکے ہیں تو کیا سبب ہے کہ وہ یہاں آ کر اس جنم کے کسی حال کی خبر نہیں دیتے۔ معلوم ہوا کہ اس سے پہلے کبھی اس دنیا میں نہیں آئے۔ تمہاری یہ آمد دنیا میں پہلی آمد ہے مرنے کے بعد تمہارا بدن قبر میں دفن کر دیا جائے گا اور تمہاری روح کا اصل مستقر یا تو سدرۃ المنتہی ہو گا یا سجین ہو گا۔ اور اس حالت میں تمہاری روح کا ایک گونہ تعلق تمہارے اس جسم سے

رہے گا پھر قیامت کے دن تم کو پہلی صورت اور حالت میں دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔

عقیدۂ وزن اعمال

قیامت کے دن اعمال کا حساب ہونا حق ہے اور اعمال کے تولنے کے لئے میزان اعمال (یعنی ترازو کا رکھا جانا بھی حق ہے جس کی نیکیوں" کا پلہ بھاری ہو گا وہ اس کی نجات کی علامت ہو گی اور جس کا پلہ ہلکا ہو گا' یہ اس کے خسارہ اور نقصان کا نشان ہو گا اور حساب کئے ہوئے اعمال پر اعضاء اور جوارح یعنی ہاتھ اور پیروں کا شہادت دینا کہ ہم نے یہ یہ کیا تھا۔ یہ بھی حق ہے اور اعمال ناموں کا نیکوں کے دائیں ہاتھ میں اڑ کر آنا اور بدوں کے بائیں ہاتھ میں اڑ کر آنا حق ہے۔

اور میزان اعمال حقیقتہ" ترازو ہو گی۔ اس کے دو پلڑے اور زبان ہو گی اور ایک پلڑہ نورانی ہو گا جس میں حسنات تلیں گی اور دوسرا ظلمانی جس میں سیئات تلیں گی اور حقیقتہ" وزن ہو گا۔ باقی اس ترازو کی حقیقت اور اس کے وزن کی کیفیت اللہ تعالٰی ہی کو معلوم ہے اور ایمان لانے کے لئے اتنا علم اجمالی کافی ہے۔

شفاعت کبریٰ

نفخہ ثانیہ کے بعد اللہ تعالٰی تمام مخلوق کو حساب اور پیشی کے مقام میں جمع کرے گا اس موقف کا نام ساہرہ ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ساہرہ لغت میں روئے زمین کو کہتے ہیں۔ حساب و کتاب کے لئے اللہ تعالٰی نے جس زمین پر خلائق کو جمع کرے گا وہ یہ زمین نہ ہو گی بلکہ دوسری زمین ہو گی۔ کما قال تعالٰی یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَ السَّمٰوٰتُ حساب و کتاب اسی نئی زمین پر ہو گا جب پیشی و حساب کے مقام میں مخلوق کو کھڑے ہوئے ایک عرصہ دراز گذر جائے گا اور لوگ تشنگی اور تپش سے عاجز آ جائیں

گے تو حضرت آدم کی خدمت میں حاضر ہو کر شفاعت کی درخواست کریں گے کہ خلائق کا فیصلہ اور حساب و کتاب ہو جائے اور یہ مصیبت ختم ہو۔ حضرت آدم حضرت نوح کی طرف بھیجیں گے اور نوح علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف اور حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ کی طرف اور حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ کی طرف حوالہ کریں گے اس وقت حضرت عیسیٰ یہ فرمائیں گے۔

ان محمداً خاتم النبیین قد حضر الیوم

محمد مصطفیٰ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم آج تشریف فرما ہیں۔

ان سے شفاعت کی درخواست کرو۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام خلائق کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور شفاعت کی درخواست کریں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کے لئے کھڑے ہوں گے اور مخلوق کو اس دن کی گرمی اور تپش سے نجات دلائیں گے۔ اس شفاعت کا نام شفاعت کبریٰ ہے اور شفاعت کبریٰ کے مقام میں کھڑے ہونے کا نام مقام محمود ہے۔ کما قال تعالٰی عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔ وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی۔

نامہائے اعمال کی تقسیم

حضور کی شفاعت کے بعد خلائق کو نامہائے اعمال اس طرح تقسیم ہوں گے کہ ہر ایک کا نامہ اعمال اڑ کر اس کے دائیں ہاتھ یا بائیں ہاتھ میں پہنچ جائے گا اور پھر ہر ایک کو اپنے نامہ اعمال پڑھنے کا حکم ہو گا۔

اِقْرَاْ کِتٰبَکَ کَفٰی بِنَفْسِکَ الْیَوْمَ عَلَیْکَ حَسِیْبًا۔

آج اپنا نامہ اعمال خود پڑھ لے تیرا نفس ہی خود کافی محاسب ہے۔

تاکہ ہر شخص کو معلوم ہو جائے کہ میں نے جو کچھ دنیا میں کیا تھا وہ سب لکھا ہوا

آج میرے سامنے موجود ہے۔

نامہائے اعمال کے پڑھنے کے بعد محاسبہ شروع ہو گا

جب ہر شخص اپنا نامہ اعمال دیکھ لے گا اور پڑھ لے گا تب اس کا حساب اور محاسبہ شروع ہو گا جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے۔

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا۔

جس شخص کا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو اس کا حساب نہایت آسان طریقہ سے لیا جائے گا۔

معلوم ہوا کہ حساب اور محاسبہ نامہ اعمال کی تقسیم کے بعد ہو گا۔

محاسبہ کے وقت کراماً کاتبین اور حضرات انبیاءؑ کی حضوری

جس وقت حساب لیا جائے گا اس وقت انبیاء کرام اور کراماً کاتبین (حاکمانہ حیثیت سے) حاضر ہوں گے جیسا کہ ارشاد باری ہے۔

وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ۔

اور حساب کے وقت انبیاء اور شہداء کو بلایا جائے گا اور حق کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا۔

آیت میں شہداء سے کراماً کاتبین مراد ہیں۔

اور اس دن اور فرشتے بھی کافروں کی توبیخ اور ملامت کے لئے حاضر ہوں گے۔

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ۔

جس دن یہ لوگ فرشتوں کو دیکھیں گے تو ان کے لئے کوئی بات خوشی اور مسرت

کی نہ ہو گی۔

انبیاء کرام یہ کہیں گے کہ ہم نے ان کو اللہ کے احکام پہنچائے مگر انہوں نے تکذیب کی۔ کفار انبیاء کرام کی تبلیغ اور دعوت کا انکار کریں گے۔ اللہ تعالیٰ اس وقت انبیاء سے گواہ طلب کریں گے۔ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور امت محمدیہ گواہی دے گی کہ انبیا کرام نے اللہ کے احکام پہنچا دیئے تھے اور یہ آیت اسی بارہ میں نازل ہوئی وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا' اور کراماً کاتبین نامہائے اعمال پیش کر دیں گے اور جب کفار نامہائے اعمال کا بھی انکار کریں گے تو من جانب اللہ خود انسان کے اعضاء اور جوارح انسان کے اعمال کی شہادت دیں گے اور خود بخود بولیں گے کہ انسان نے کیا کیا عمل کئے تھے چنانچہ ارشاد ہے۔

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا قَالُوْا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ۔

قیامت کے دن ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور پیر ان کے اعمال کی شہادتیں دیں گے لوگ اس وقت اعضاء سے یہ کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں شہادت دی اعضاء جواب میں یہ کہیں گے کہ ہم کو آج اس خدا نے گویائی دی جس نے ہر چیز کو گویائی عطا کی یعنی ہمارے اختیار کو کوئی دخل نہیں۔

غرض یہ کہ انبیا کرام اور کراماً کاتبین کی شہادت کے بعد خود ان کے اعضاء اور جوارح بھی ان کی بد اعمالیوں کی شہادتیں دیں گے اور اس طرح ان پر حجت تمام ہو گی۔

محاسبہ کا معنیٰ

حساب اور محاسبہ کے معنی یہ ہیں کہ ان کو ان کے اعمال پر مطلع کیا جائے گا اور

ان کو بتلایا اور جتلایا جائے گا کہ تم نے فلاں فلاں وقت اور فلاں فلاں جگہ یہ یہ اعمال کئے ۔ غرض یہ کہ ذرہ ذرہ کا حساب ہو گا وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ یعنی اگر ان کا کوئی عمل رائی کے دانہ کے برابر بھی ہو گا تو اس کو بھی سامنے کر دیں گے اور اس کا حساب لیں گے اور ہم کافی حساب لینے والے ہیں کفار اور مشرکین سے حساب و کتاب لینے کے بعد دوزخ میں ڈالنے کا حکم ہو گا اہل ایمان سے حساب مختلف طرح ہو گا کسی سے آسان اور کسی سے سخت' حدیث شریف میں ہے کہ مسلمان کو یہ دعا مانگنی چاہیے۔

اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنِىْ حِسَابًا يَّسِيْرًا

اے اللہ مجھ سے بہت ہی آسان حساب لینا

اور قرآن اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک گروہ جنت میں بلا حساب و کتاب جائے گا وہ گروہ متوکلین کا ہے۔

اور حق جل شانہ بوقت حساب اپنے خاص بندوں سے کچھ کلام اور خطاب بھی فرمائیں گے اور ان کے اور خدا کے درمیان کوئی حجاب اور ترجمان نہ ہو گا اور کفار سے اول تو کوئی کلام ہی نہیں فرمائیں گے اور اگر کچھ فرمائیں گے تو غیظ و غضب اور توبیخ اور سرزنش کے ساتھ ہو گا۔

عقیدۂ حوض کوثر

حوض کوثر حق اور سچ ہے اور اہل ایمان کا قیامت کے دن اس حوض سے پانی پینا حق ہے۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر نبی کو اس کے مرتبہ کے موافق ایک حوض عطا فرمائیں گے اور ہر نبی کی امت کی ایک خاص علامت ہو گی۔ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض کا نام کوثر ہے جو تمام حوضوں سے بڑا ہو گا جس کا اِنَّآ

اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ اور بے شمار احادیث میں ذکر آیا ہے اور آپ کی امت کی علامت یہ ہو گی کہ اعضاوضو نہایت روشن اور چمک دار ہوں گے۔

جب لوگ قبروں سے اٹھیں گے تو پیاسے ہوں گے تو ہر نبی اپنی امت کے نیکوں کو اس حوض سے پانی پلائے گا۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ حوض کوثر پر حاضری حساب و کتاب سے پہلے ہو گی یا پل صراط سے گزرنے کے بعد لیکن ظاہر یہ ہے کہ بعض کو قبر سے اٹھتے ہی پانی ملے گا اور بعض کو کچھ دیر میں اور بعض کو پل صراط گزرنے کے بعد اور بعض کو دوزخ سے خلاص ہونے کے بعد اور جنت میں داخل ہونے سے پہلے پانی ملے گا اور ممکن ہے کہ کسی کو سب جگہ پانی پلایا جائے۔ وما ذالک علے اللہ بعزیز۔

عقیدۂ پل صراط

پل صراط جو دوزخ کی پشت پر ایک پل قائم کیا جائے گا جس کو مومنین عبور کر کے جنت میں جائیں گے اور دوزخی اس سے پھسل کر دوزخ میں گریں گے حق اور صدق ہے اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے دوزخ اس پل کے نیچے ہو گی وزن اعمال کے بعد لوگوں کو پل صراط پر چلنے کا حکم ہو گا اہل ایمان جلدی سے گزر جائیں گے سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو لے کر گزریں گے کوئی مومن تو پلک جھپکنے میں گزر جائے گا اور کوئی بجلی کی طرح اور کوئی سوار کی طرح اور کوئی تیز گھوڑے کی طرح اور کوئی اونٹ کی طرح پل صراط پر اندھیرا ہو گا صرف اہل ایمان کے سامنے ان کے ایمان کا نور اور روشنی ہو گی جو ان کی رہنمائی کرے گی جس کا اس آیت میں ذکر ہے۔ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ۔

نکتہ: پل صراط پر گزرنا۔ صراط مستقیم پر چلنے کی صورت مثالیہ ہے جو دنیا میں صراط مستقیم پر قائم رہا وہ آخرت میں بھی پل صراط سے بسہولت گزر جائے گا اور جس کا قدم یہاں پھسلا اس کا وہاں بھی پھسلے گا اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ پل صراط کا راستہ حقیقی راستہ ہے جو محسوس ہو گا اور تمام اہل محشر اس کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھیں گے، کوئی خیالی اور مجازی چیز نہیں تمام ادیان حقہ اسی کے موید ہیں اور تمام پیغمبروں نے اپنی اپنی امتوں کو اسی طرح خبر دی ہے اور پھر سب نبیوں کے بعد خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے پل صراط کے متعلق امت کو اسی طرح خبر دی ہے اور اس کو اسی طرح صاف اور واضح بیان فرمایا ہے کہ اس میں کسی تاویل اور شبہ کی گنجائش نہیں لہذا اس کو حقیقی طور پر ماننا تمام امت پر فرض ہے۔

بارہواں باب

عقیدہ شفاعت

قرآن پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن شفاعت ہو سکتی ہے۔

۱۔ یَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا (سورہ طہ ۱۰۹)

اس روز سفارش نفع نہ دے گی مگر ایسے شخص کو جس کے واسطے اللہ نے اجازت دے دی ہو اور اس شخص کے واسطے بولنا پسند کر لیا ہو۔

۲۔ وَلَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ (سورہ سبا: ۲۳)

اور خدا کے سامنے سفارش کسی کے لئے کام نہیں آتی مگر اس کے لئے جس کے لئے اجازت دے دی۔

۳۔ مَن ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِندَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ (سورہ بقرہ: ۲۵۵)

ایسا کون شخص ہے جو اس کے پاس شفاعت (سفارش) کر سکے بدون اس کی اجازت کے۔

بلکہ ان ہی آیات میں غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن شفاعت ہو گی بھی۔ وہ اس طرح کہ اگر قیامت کے دن شفاعت ہونی ہی نہ ہو تو پھر شفاعت کے نہ ہونے سے یا نفع نہ دینے سے ان لوگوں کو مستثنیٰ نہ کیا جاتا جن کے لئے اللہ تعالیٰ کی اجازت ہو گی یا جن کو شفاعت کرنے کا اذن اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہو گا اور یہ استثناء عبث ہوتا۔ لیکن چونکہ قرآن پاک میں کوئی بات عبث نہیں لہذا یہ استثناء صرف امکان و احتمال ہی نہیں ہے بلکہ واقع بھی ہو گا۔

۴۔ لَّا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا (سورہ مریم: ۸۷)

کوئی سفارش کا اختیار نہ رکھے گا مگر ہاں جس نے رحمان کے پاس اجازت لی ہے۔

شفاعت کس کے لئے نہ ہوگی

مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ (سورہ مومن: ۱۸)
ظالموں کا نہ کوئی دلی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی ہوگا جس کا کہا مانا جائے۔
اس آیت میں ظالمین سے مراد کفار مشرکین ہیں جیسا کہ ایک آیت میں ہے۔
اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (سورہ لقمان:) بے شک شرک بڑا ظلم ہے

شفاعت کے لئے ضابطہ

قرآن پاک میں کافروں مشرکوں کے بارے میں فرمایا۔
وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَ يَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ۔ (سورہ یونس: ۱۸)
یعنی یہ لوگ اللہ کی توحید کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو عبادت نہ کرنے کی صورت میں ان کو نہ ضرر پہنچا سکیں اور نہ عبادت کرنے کی صورت میں ان کو نفع پہنچا سکیں اور اپنی طرف سے ایک نفع کا اختراع کر کے کہتے ہیں کہ یہ معبود اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں اس لئے ہم ان کی عبادت کرتے ہیں۔
سورہ زمر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔
اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا۔
یعنی کیا توحید کے دلائل کے قائم ہونے کے باوجود ان مشرک لوگوں نے خدا کے سوا دوسروں کو معبود قرار دے رکھا ہے جو ان کی سفارش کریں گے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگرچہ یہ مزعوم سفارشی کچھ بھی قدرت نہ رکھتے ہوں اور کچھ بھی علم نہ رکھتے ہوں کیا پھر بھی ان کو شفیع و سفارشی ہی سمجھے جائیں گے۔ یعنی شفاعت و سفارش کرنے کے لئے کم از کم علم و قدرت تو درکار ہے جو ان میں بوجہ جماد و پتھر ہونے کے مفقود

ہے۔
اور چونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ کوئی مشرک کہے کہ یہ جمادات اور مورتیاں فی نفسہ سفارشی نہیں بلکہ جن ہستیوں کی یہ مورتیاں ہیں وہ درحقیقت سفارشی ہیں اور وہ ذی روح بھی تھے اور ان میں علم و قدرت دونوں ہیں۔ اس لئے آگے اس کا جواب دیا کہ آپ یہ بھی کہہ دیجئے کہ سفارش تو تمام تر خدا ہی کے اختیار میں ہے کہ اس کے اذن کے بغیر کسی کی مجال نہیں کہ سفارش کر سکے۔
مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ۔
اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کوئی سفارش و شفاعت نہیں کر سکتا۔ اور اذن کے لئے دو شرطیں ہیں ایک سفارش کرنے والے کا اللہ کے ہاں مقبول ہونا اور دوسرے جس کی سفارش کی جائے اس کا قابل مغفرت ہونا۔
اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جن آیتوں میں شفاعت کی نفی ہے مثلاً يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ۔
اے ایمان والو خرچ کرو ان چیزوں سے جو ہم نے تم کو دی ہیں قبل اس کے وہ دن آ جائے جس میں نہ تو خرید و فروخت ہوگی اور نہ دوستی ہوگی اور نہ کوئی سفارش ہوگی۔
تو اس سے وہ شفاعت مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر ہو۔
غرض قیامت کے دن نیکوں کی شفاعت بروں کے حق میں اللہ تعالیٰ کے اذن اور اجازت سے حق ہے اللہ تعالیٰ انبیاء اور علماء اور شہداء اور فرشتوں کو اہل ایمان کے حق میں کچھ عرض معروض کرنے کی اجازت دیں گے۔ شفاعت کا دروازہ سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھلوائیں گے اور تمام اولین و آخرین مل کر حضور سے شفاعت کی درخواست کریں گے اہل محشر کی طرف سے شفاعت کی درخواست حضرت آدم سے شروع ہوگی اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگی اور اس وقت

آپ کا خاتم النبیین اور سید الاولین والاخرین ہونا سب اہل حشر پر ظاہر ہو جائے گا اور سب کو آپ کے مرتبہ کا علم ہو جائے گا۔

فائدہ جلیلہ: جاننا چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد مقامات پر مختلف شفاعتیں ہوں گی پہلی شفاعت جس کو شفاعت کبریٰ کہتے ہیں یہ میدان حشر میں ہو گی۔ یہ شفاعت میدان حشر کی شدت اور دہشت کی تخفیف اور حساب و کتاب شروع ہونے کے لئے ہو گی دوسری شفاعت حساب اور سوال میں سہولت ہو جانے کے لئے ہو گی کہ ان سے حساب آسان لیا جائے محاسبہ میں سختی نہ کی جائے۔ تیسری شفاعت بعض گنہگاروں پر عذاب کا حکم جاری ہونے کے بعد شفاعت فرمائیں گے کہ ان کا قصور معاف کر دیا جائے اور جہنم میں نہ ڈالا جائے چوتھی شفاعت بعض گنہگار جو جہنم میں داخل ہوں گے ان کو دوزخ سے نکالنے کی شفاعت فرمائیں گے۔ پانچویں شفاعت بعض اہل ایمان کے درجے بلند ہونے کی شفاعت فرمائیں گے کہ اس مومن کو اس سے بڑھ کر درجہ دے دیا جائے۔ گنہگار کو ان تمام مواقع پر شفاعت کی امید رکھنی چاہئے

یہ شفاعت کی پانچ قسمیں ہوئیں جو احادیث سے ثابت ہیں اور سب حق ہیں معتزلہ صرف پہلی قسم اور پانچویں قسم کی شفاعت کے قائل ہیں اور دوسری اور تیسری اور چوتھی قسم کی شفاعت کے منکر ہیں اس لئے کہ ان کے نزدیک گناہ کبیرہ کرنے سے مومن نہیں رہتا اور غیر مومن کے لئے شفاعت مغفرت نہیں۔

تیرھواں باب

جنت و دوزخ سے متعلق عقائد

عقیدہ

جنت اور جہنم حق ہے اور جنت کا ثواب اور عیش و آرام اور دوزخ کا عذاب سب حق ہے۔ تمام جسمانی اور روحانی لذتیں اور راحتیں اہل جنت کو میسر ہوں گی اور تمام جسمانی اور روحانی مصیبتیں اہل جہنم کو حاصل ہوں گی۔

عقیدہ

جنت اور دوزخ دونوں پیدا ہو چکی ہیں اور فی الحال موجود ہیں۔ قرآن پاک میں ہے۔

۱۔ وَسَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ (آل عمران ۱۳۳)

اور دوڑو اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور جنت کی طرف جس کی وسعت ایسی ہے جیسے سب آسمان اور زمین وہ تیار کی گئی ہے خدا سے ڈرنے والوں کے لئے۔

۲۔ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ (سورہ آل عمران: ۱۳۱)

اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

ان آیات کی رو سے جب جنت اور دوزخ تیار شدہ ہیں تو ان کا فی الحال موجود ہونا بھی ثابت ہوا۔

۳۔ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى (سورہ نجم ۱۵۔ ۱۳)

اور انہوں نے اس فرشتہ کو ایک اور دفعہ بھی دیکھا ہے سدرۃ المنتہی کے

پاس اس کے قریب جنت الماوی ہے اس آیت سے بھی واضح ہوا کہ جنت فی الحال موجود ہے۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے۔

۱۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

قال تعالٰی اعدت لعبادی الصالحین مالا عین رات ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر

اللہ تعالٰی نے فرمایا میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ چیزیں تیار کر رکھی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں نہ کسی کان نے سنیں اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال بھی گزرا۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اشتکت النار الی ربها فقالت رب اکل بعضی بعضا فاذن له بنفسین نفس فی الشتاء و نفس فی الصیف فهو اشد ما تجدون من الحر و اشد ما تجدون من الزمهریر۔

جہنم نے اپنے رب سے شکایت کی کہ شدت کی وجہ سے میرا ایک حصہ دوسرے حصہ کو کھا رہا ہے تو اللہ تعالٰی نے اس کو دو سانس لینے کی اجازت دی ایک سردی میں اور ایک گرمی میں۔ انتہائی تپش اور انتہائی ٹھنڈا جو تم پاتے ہو وہ اسی کا اثر ہے۔

بعض معتزلہ اس بات کے قائل ہوئے کہ جنت اور دوزخ قیامت کے دن پیدا کی جائیں گی۔ ان کی ایک دلیل یہ آیت ہے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا (سورہ قصص)

اس آیت میں نجعلها کا مطلب انہوں نے یہ لیا کہ ہم پیدا کریں گے۔ اس کے مطابق آیت کا ترجمہ یہ ہوا یہ عالم آخرت ہم اس کو پیدا کریں گے ان لوگوں کے

لئے جو دنیا میں نہ بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نجعلها کا جو مطلب معتزلہ نے لیا ہے وہ حتمی نہیں ہے بلکہ یہ لفظ کسی کے لئے خاص کر دینے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا (سورہ انعام: ۱۳۶)

اور اللہ تعالٰی نے جو کھیتی اور مویشی پیدا کئے ہیں ان لوگوں نے ان میں سے کچھ حصہ اللہ کا مقرر کیا۔

لہٰذا مذکورہ بالا آیتوں کی روشنی میں اس آیت کا صحیح ترجمہ یوں ہے۔

"یہ عالم آخرت ہم ان لوگوں کے لئے خاص کریں گے جو دنیا میں نہ بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا۔

معتزلہ کی دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآن پاک میں ہے اُكُلُهَا دَائِمٌ (سورہ رعد: ۳۵) اس کا پھل دائم رہے گا۔

اگر جنت فی الحال موجود ہوتی تو ضروری ہے کہ اس کے پھل ہمیشہ اور دائمی رہیں کبھی ہلاک نہ ہوں حالانکہ قرآن پاک میں یہ بھی ہے كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ یعنی سوائے اللہ کی ذات کے ہر شے ہلاک ہونے والی ہے جس میں جنت کے پھل بھی شامل ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ پھلوں کے دائم رہنے سے مراد یہ ہے کہ ان کی نوع باقی رہے گی گو بعض فنا ہو جائیں یعنی اگر ایک بار میوہ کھا لیا دوسرا اس کی جگہ درخت پر اور لگ جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ ایسا نہیں ہو گا کہ جنتیوں کے استعمال سے پھل ختم اور فنا ہو جائیں گے بلکہ ان کی جگہ اور لگتے چلے جائیں گے۔ تو اس آیت میں اس وقت کا دوام مراد ہے جب ان پھلوں کا استعمال ہو گا اور ایسا نیک لوگوں کے جنت میں داخلے کے بعد ہو گا۔ علاوہ ازیں كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ میں ہر ہر شے کے لئے مکمل فنا اور دائمی ہلاکت مراد نہیں ہے بلکہ بعض کے لئے وقتی ہلاکت مراد ہے جیسے

انسان کے لئے۔ اس کو فنا نہیں کہتے۔ لہٰذا وقتی ہلاکت دوام کے منافی نہیں ہے۔

عقیدہ

جنت اور جہنم دونوں دائمی ہیں ان کو کبھی فنا نہیں کیا جائے گا ان کی نعمتیں اور ان کا عذاب بھی دائمی ہے۔ قرآن پاک میں متعدد مقامات پر فرمایا کہ مومن جنت میں اور کافر جہنم میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا۔

کافروں کے بارے میں فرمایا لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا یعنی نہ تو ان کی قضا آئے گی کہ مر ہی جائیں اور نہ ہی دوزخ کا عذاب ان سے ہلکا کیا جائے گا۔ (سورہ فاطر: ۳۶)

مسلم اور ترمذی کی ایک حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اذا دخل اهل الجنة الجنة ينادى مناد ان لكم ان تحيوا لا تموتوا ابدا

جب تمام اہل جنت جنت میں داخل ہو جائیں گے تو ایک پکارنے والا پکارے گا کہ تم ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہو گے کبھی بھی تمہیں موت نہیں آئے گی۔

اس موقع پر دو سوال پیدا ہوتے ہیں وہ اور ان کے جواب لکھے جاتے ہیں۔

پہلا سوال

کافر نے کفر تو ایک قلیل مدت میں کیا یعنی اپنی حیات دنیوی میں لیکن اس کو سزا ہمیشہ ہمیش کی ملے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب

کافر اپنی دنیوی زندگی میں اپنے کفر پر پختہ ہوتا ہے اور جیسے مسلمان اپنے عقیدے میں پختہ ہوتا ہے اور یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ اگر دنیا میں ہمیشہ ہمیش کا رہنا بھی ہو تب بھی اپنے عقیدے کو ترک نہیں کروں گا اسی طرح کافر کا بھی یہ عزم ہوتا ہے کہ اگر اسے

ہمیشہ ہمیش دنیا میں رہنا پڑے تو وہ اپنے عقیدے پر ہی رہے گا۔ اس عزم اور اعتقاد پر جب مسلمان اور کافر کو موت آئی اور آخرت میں اعتبار موت اور خاتمہ کے وقت کا ہوتا ہے تو آخرت میں کافر کو جو جہنم کی ابدی اور دائمی سزا ملے گی وہ کفر دائمی کے اعتقاد کے سبب ملے گی۔

دوسرا سوال: عقوبت اور سزا کی غرض انزجار (یعنی گناہ سے روک) ہوتی ہے تاکہ خطا کار سزا بھگت کر ڈر جائے اور آئندہ کے لئے تائب ہو کر اس گناہ سے رک جانے کا ہمیشہ سے عزم کر لے اور ظاہر ہے کہ جب اہل جہنم کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا تو ایسے سخت عذاب سے بڑھ کر مجرم کے لئے ڈراؤ اور گناہ و کفر سے روک اور کس چیز سے ہو سکتی ہے اور توبہ کا باعث اس سے بڑھ کر اور کونسی سزا ہو سکتی ہے۔ اسی لئے مجرم فوراً توبہ پر آ جائیں گے اور آئندہ کے لئے پختگی سے کفر سے باز رہنے کا وعدہ کریں گے جیسا کہ قرآن پاک میں ہے۔

۱۔ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ

اے ہمارے رب ہم کو اس (جہنم) سے (اب) نکال دیجئے پھر اگر ہم دوبارہ (ایسا کریں) تو بے شک ہم پورے قصور وار ہیں۔

۲۔ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ

اور وہ لوگ اس (دوزخ) میں چلائیں گے کہ اے ہمارے رب ہم کو (یہاں سے) نکال لیجئے (اب خوب) اچھے (اچھے) کام کریں گے برخلاف ان کاموں کے جو کیا کرتے تھے۔

۳۔ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ۔

اور اگر آپ دیکھیں (تو عجب حال دیکھیں) جب کہ یہ مجرم لوگ اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوں گے کہ اے ہمارے رب بس ہماری آنکھیں اور کان کھل گئے

سو ہم کو پھر بھیج دیجئے ہم نیک کام کریں گے ہم کو پورا یقین آگیا۔

پس چونکہ عقوبت اور سزا کی غرض پوری ہو گئی اور مجرموں نے توبہ بھی کرلی اور آئندہ کفر سے بچنے کا پختہ وعدہ بھی کرلیا تو اب کوئی وجہ باقی نہیں رہتی کہ پھر بھی اس عذاب کو باقی رکھا جائے۔

جواب: سزا و عذاب یا خوف عذاب کی حالت میں مجرموں کے وعدے دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک حقیقی وعدہ جو دل سے ہوتا ہے اور جس میں گناہ سے بچنے کا واقعی عزم ہوتا ہے دوسرا دفع الوقتی ہوتا ہے یعنی دل میں گناہ چھوڑنے کا حقیقی عزم نہ ہو صرف سزا و مصیبت سے رہائی پانے کے لئے جھوٹا وعدہ کیا جائے اس مصلحت سے کہ اس وقت تو جان بچالینی چاہیے۔ آئندہ دیکھا جائے گا۔

جہنم میں سزا پانے والے کافروں کے یہ وعدے دوسری قسم کے ہوں گے جو محض جھوٹ اور وقت گزاری کے لئے ہوں گے۔ اسی لئے خود قرآن پاک میں ان کی اس دفع الوقتی (وقت گزاری) اور کذب بیان کی تصریح صاف الفاظ میں موجود ہے۔ ارشاد ہے

وَلَوْ تَرَىٰٓ اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَ نَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ○ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ

اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جب کہ یہ دوزخ کے پاس کھڑے کئے جائیں گے تو کہیں گے ہائے کیا اچھی بات ہو کہ ہم پھر واپس بھیج دیے جائیں اور اگر ایسا ہو جائے تو ہم اپنے رب کی آیات کو جھوٹا نہ کہیں اور ہم ایمان والوں میں سے ہو جائیں بلکہ جس چیز کو اس سے قبل چھپایا کرتے تھے وہ سامنے آگئی ہے۔ اور اگر یہ لوگ پھر واپس بھیج دیے جائیں تب بھی وہ یہی کام کریں جس سے ان کو منع کیا گیا تھا اور یقیناً یہ بالکل جھوٹے ہیں۔

اگر سوال کیا جائے کہ یہ کیسے معلوم ہوا کہ اس وقت گناہ سے بچنے کا عزم نہ ہو

گا؟ جواب یہ ہے کہ آیت میں یہ الفاظ انهم لكاذبون (یقیناً یہ بالکل جھوٹے ہیں) اس کی دلیل ہے۔ کیونکہ اپنے اختیار کے کاموں میں آئندہ کے وعدے کے سچے یا جھوٹے ہونے کا مدار پختہ ارادہ یعنی عزم ہونے نہ ہونے پر ہی تو ہے اگر عزم ہو گا تو وعدہ سچا ہے اور اگر عزم نہ ہو گا تو وعدہ جھوٹا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ یہ جھوٹے ہیں تو معلوم ہو گیا کہ جھوٹا وعدہ تھا یعنی ان کا عزم نہ تھا اور وعدہ دل سے نہیں کیا تھا بلکہ صرف زبان سے جھوٹ کہہ دیا تھا۔

اگر سوال کیا جائے کہ آخرت میں عذاب دیکھنے کے بعد دنیا میں اس کا کفر کیسے ممکن ہو سکتا ہے کیونکہ دنیا میں تو کفر کرتے ہیں حق کے خلاف عقیدہ رکھنے کو اور دوزخ کے پاس کھڑے ہو کر جب کفر کا عذاب آنکھوں سے دیکھ لیا تو اس کے خلاف کا اعتقاد دل میں کیسے آ سکتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ کفر صرف یہی نہیں ہے کہ حق کے خلاف اعتقاد رکھے بلکہ حق کا یقین ہوتے ہوئے بھی پھر اس کو نہ ماننا بھی کفر ہوتا ہے بلکہ یہ کفر کی زیادہ سخت قسم ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔

وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا

(اور غضب یہ تھا کہ) ظلم اور تکبر کی راہ سے ان (معجزات) کے بالکل منکر ہی ہو گئے حالانکہ ان کے دلوں نے ان کا یقین کر لیا تھا۔

اور اس پر تعجب نہ کیا جائے کہ ایسے شدید وقت میں جھوٹ کیونکر ممکن ہے؟ کیونکہ بدطینت لوگوں کا فساد ایسا ہی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس ہولناک دن میں اور بھی جھوٹ بولیں گے قرآن پاک میں

ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ

پھر ان کے شرک کا انجام اس کے سوا اور کچھ بھی نہ ہو گا کہ وہ یوں کہیں گے کہ قسم اللہ کی اپنے پروردگار کی ہم مشرک نہ تھے۔ ذرا دیکھو تو کس طرح جھوٹ بولا اپنی جانوں پر

مگر طینت وطبع کا فساد ان کے لئے عذر نہ ہو گا کیونکہ اس سے یہ نہیں ہوتا کہ آدمی میں قدرت و اختیار ہی باقی نہ رہے۔

عقیدہ

مومن فاسق یعنی گنہگار مسلمان کو اگر اللہ تعالیٰ جہنم میں بھیجیں گے تو وہاں اس کا رہنا دائمی نہ ہو گا بلکہ اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر جہنم سے نکال لیا جائے گا اور جنت میں داخل کر دیا جائے گا کیونکہ ایمان بھی ایک عمل ہے خواہ وہ کتنا ہی کمزور ہو۔ اور آدمی اس کی جزا پائے گا جو جنت ہی میں مل سکتی ہے اور جہنم سے نکال کر تو جنت میں داخل کیا جا سکتا ہے لیکن جنت سے نکال کر جہنم میں داخل نہیں کیا جاتا۔ لہٰذا گنہگار مسلمانوں کو اگر جہنم کی سزا ہوئی تو سزا بھگتنے کے بعد ان کو وہاں سے نکال لیا جائے گا اور جنت میں دائمی داخلہ عطا کیا جائے گا۔ ان میں ایسے بھی ہوں گے جن کے پاس سوائے ایمان کے کوئی اور نیک عمل بالکل نہ ہو گا حدیث میں ان کے بارے میں یہ الفاظ ہیں لم یعمل خیرا قط (ایمان کے علاوہ کبھی کوئی اور نیک عمل انہوں نے کیا ہی نہیں ہو گا)

عقیدہ

اعراف حق ہے۔ اعراف اس مقام کا نام ہے جو جنت اور دوزخ کے درمیان ہو گا اس میں نہ جنت جیسی راحت ہو گی اور نہ دوزخ جیسی مصیبت ہو گی مگر یہ مقام دائمی نہیں اس پر جو لوگ ہوں گے وہ اہل جنت اور اہل دوزخ دونوں کو دیکھیں گے اور ان سے کلام کریں گے کما قال تعالیٰ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ یعنی جنت اور دوزخ کے درمیان ایک دیوار ہو گی جس کا نام اعراف ہے اس پر کچھ لوگ ہوں گے جو سب کو ان کے چہروں کی علامت سے پہچان لیں گے کہ یہ دوزخی ہے یا جنتی ہے قیامت کے دن آدمی تین قسم کے ہوں گے۔ ایک وہ ہوں گے کہ جن کی نیکی ان کی بدی پر غالب ہو گی انہیں جنت میں جانے

کا حکم ہو جائے گا دوسرے وہ کہ جن کی بدی ان کی نیکی پر غالب ہو گی انہیں دوزخ میں جانے کا حکم ہو گا اور تیسرے وہ لوگ ہوں گے جن کی نیکی اور بدی برابر ہو گی ان کو مقام اعراف میں ٹھہرنے کا حکم ہو گا۔ یہاں تک کہ جب اللہ کو منظور ہو گا تو ان کی خطائیں معاف کر کے ان کو جنت میں داخل ہونے کا حکم دے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ۔ اہل اعراف کو حکم ہو گا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ اب تم پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ کچھ غم ہے۔

جمہور سلف اور خلف کا مذہب یہی ہے کہ اہل اعراف وہ لوگ ہوں گے جن کی حسنات اور سیات برابر ہوں گی۔ فی الحال وہ اس دیوار پر چڑھ کر جنت والوں کو سفید اور روشن چہرہ دیکھ کر پہچان لیں گے اور دوزخیوں کی سیاہ روئی کو دیکھ کر ان کو پہچان لیں گے اہل جنت کو دیکھ کر جنت میں جانے کی طمع کریں گے اور دوزخیوں کو دیکھ کر ڈریں گے اور ان کے حال سے پناہ مانگیں گے۔ مگر اللہ کے فضل پر نظر لگائے ہوئے ہوں گے اور اسی طمع میں ہوں گے کہ اللہ کا فضل ان کی دستگیری کرے گا اور ان کو اپنے فضل اور رحمت سے جنت میں جانے کا حکم دے گا۔ بہرحال تمام اہل حق اس پر متفق ہیں کہ اعراف کوئی دائمی مقام نہیں بالآخر اعراف والے جنت میں داخل ہوں گے۔

عقیدہ: آخرت میں دیدار الٰہی

آخرت میں اہل ایمان کا اللہ تعالیٰ کو بے چون و چگون اور بے جہت اور بے مثال دیکھنا حق ہے قرآن پاک میں ہے

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۙ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۚ (سورہ قیامہ)

آخرت میں بہت سے چہرے ترو تازہ ہوں گے اور اپنے پروردگار کی طرف دیکھنے والے ہوں گے۔

۲۔ احادیث متواترہ سے بھی آخرت میں دیدار الٰہی کا ثبوت قطعی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا هل تضامون فی رویة القمر لیلة البدر لیس بینکم و بینه سحاب کذلک ترون ربکم

کیا تم چودھویں رات کو چاند دیکھنے میں شک کرتے ہو جب کہ تمہارے اور چاند کے درمیان کوئی بادل حائل نہ ہو؟ ایسے ہی تم اپنے رب کو دیکھو گے

اس کو اکیس اکابر صحابہ نے روایت کیا وہ یہ ہیں عبد اللہ بن مسعود، عبد اللہ بن عمر۔ عبد اللہ بن عباس۔ صہیب۔ انس۔ ابو موسیٰ اشعری۔ ابو ہریرہ۔ ابو سعید خدری۔ عمار بن یاسر۔ جابر بن عبد اللہ۔ معاذ بن جبل۔ ثوبان۔ عمارہ بن رویبہ ثقفی۔ حذیفہ۔ ابو بکر صدیق۔ زید بن ثابت۔ جریر بن عبد اللہ بجلی۔ ابوامامہ باہلی۔ بریدہ اسلمی۔ ابو برزہ۔ عبد اللہ بن حارث بن جزء زبیدی رضی اللہ عنہم۔ ان کے علاوہ اور صحابہ سے بھی یہ مضمون وارد ہے مثلاً ابو رزین عقیلی۔ عمارہ بن صامت۔ کعب بن عجرہ۔ فضالہ بن عبید۔ ابی بن کعب اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم۔

اکثر معتزلہ اور خوارج اور روافض کی بعض جماعتیں اہلسنت کے خلاف آخرت میں دیدار الٰہی کی منکر ہیں۔ ذیل میں ہم ان کے دلائل اور ان کے جواب تحریر کرتے ہیں۔

۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی

رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ اے میرے پرودگار اپنا دیدار مجھ کو دکھلا دیجئے کہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں

تو جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا

لَنْ تَرٰىنِيْ تم مجھ کو ہرگز نہیں دیکھ سکتے

جواب: اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں کسی کو موت سے پہلے دیدار خداوندی کا شرف حاصل ہونا شرعاً ممتنع ہے البتہ عقلاً" ممکن ہے کیونکہ اگر امکان عقلی بھی نہ مانا جائے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کی نسبت یہ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ایک محال عقلی کی درخواست کرتے۔ اہل السنة و الجماعت کا یہی مذہب ہے کہ دیدار الٰہی دنیا میں عقلاً ممکن ہے شرعاً اس کا وقوع ممتنع ہے اور آخرت میں اس کا وقوع نصوص قطعیہ سے ثابت ہے۔

پھر اسی آیت میں آگے دنیا میں دیدار الٰہی کے ممتنع الوقوع ہونے کی دلیل بیان فرمائی

وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ

لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو سو اگر یہ اپنی جگہ پر برقرار رہا تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے

یعنی تم پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو ہم اپنے جمال کی ایک جھلک اس پر ڈالتے ہیں۔ اگر پہاڑ جیسی سخت اور مضبوط چیز اس کو برداشت کر سکی تو ممکن ہے تم کو بھی اس کا تحمل کرا دیا جائے ورنہ سمجھ لیجئے کہ جس چیز کا تحمل پہاڑ سے نہ ہو سکے کسی انسان کی مادی ترکیب اور جسمانی آنکھیں اسے کیسے برداشت کر سکتی ہیں۔ آگے فرمایا

فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا (سورہ اعراف: ۱۴۳)

پس ان کے رب نے جو اس پر تجلی فرمائی تجلی نے اس کے پرخچے اڑا دیے اور

موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے حق تعالیٰ کی تجلیات بہت طرح کی ہیں اور یہ خدا کا ارادی فعل ہے کہ جس چیز پر جس طرح چاہے تجلی فرمائی۔ پہاڑ پر جو تجلی فرمائی اس نے معاً پہاڑ کے خاص حصہ کو ریزہ ریزہ کردیا اور موسیٰ علیہ السلام چونکہ محل تجلی سے قریب تھے ان پر اس قرب محل اور پہاڑ کے ہیبت ناک منظر دیکھنے کا یہ اثر ہوا کہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس دنیا کی مادی اعتبار سے بڑی مضبوط سے مضبوط چیز اللہ تعالیٰ کی ایک جھلک کا تحمل نہیں کر سکتی تو انسان کی دنیوی آنکھ اس کا تحمل کیونکر کر سکتی ہے جو کہ مادی اعتبار سے بہت کمزور بھی ہے۔ اسی وجہ سے دنیا میں دیدار الہٰی کا وقوع ممتنع ہے۔

تنبیہہ

قلبی اور روحانی طاقت کے اعتبار سے زمین' آسمان پہاڑ' سب چیزوں سے انسان فائق ہے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام جس وحی الہٰی کے حامل تھے بلکہ دوسرے انسان بھی جس امانت عظیمہ کے حامل ہیں پہاڑ وغیرہ اس کے اٹھانے پر قادر نہیں۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ (سورہ احزاب: ۷۲)

ہم نے یہ امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تھی سو انہوں نے اس کی ذمہ داری سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اپنے ذمہ لے لیا۔

وَلَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ (سورہ حشر: ۲۱)

اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تو اس کو دیکھتا کہ خدا کے خوف سے دب جاتا اور پھٹ جاتا۔

تاہم جس چیز کا تعلق ظاہری آنکھوں یا بدن کی مادی قوت سے ہو اس میں انسان دوسری عظیم الخلقت چیزوں سے بہت کمزور واقع ہوا ہے۔

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (سورہ مومن: ۵۷)

البتہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا بڑا ہے لوگوں کے بنانے سے لیکن بہت سے لوگ نہیں سمجھتے

خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا (سورہ نساء)

انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

منکرین دیدار الہٰی کی دوسری دلیل

قرآن پاک میں ہے

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَ هُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ (سورہ انعام: ۱۰۳)

یعنی انسانی نگاہیں اللہ کا ادراک نہیں کر سکتیں اور اللہ ہی سب نگاہوں کا ادراک کرتا ہے۔ اس آیت سے مفہوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا جا سکتا۔

جواب

ادراک کا معنی لغت میں دیکھنے کے نہیں ہے بلکہ احاطہ کرنے اور گھیر لینے اور انتہا تک پہنچنے کو کہتے ہیں۔ قرآن پاک میں آتا ہے۔

قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰۤى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ

تو مطلب یہ ہوا کہ نگاہیں کبھی اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور نہ اس کی انتہا کو پا سکتی ہیں۔ اور آخرت میں دیدار ہو گا لیکن احاطہ نہیں ہو گا۔ ہاں اس کی شان یہ ہے کہ وہ تمام نگاہوں اور دیکھی جانے والی چیزوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

چودھواں باب

عقائد متعلقہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

عقیدہ اول

تمام انبیاء کرام کے بعد خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کا مرتبہ اور مقام ہے۔ امام طحاویؒ عقیدہ طحاویہ میں فرماتے ہیں و نحب اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا نفرط فی حب احد منہم و نبغض من یبغضہم و بغیر الحق یذکرھم ولا نذکر ھم الا بالخیر وحبہم دین و ایمان و احسان و بغضہم کفر و نفاق و طغیان)

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے محبت رکھتے ہیں اور ان میں سے کسی ایک کی محبت میں بھی کمی نہیں کرتے اور جو ان سے بغض رکھے اور انکا ذکر ناحق طریقے سے کرے ہم اس سے بغض رکھتے ہیں اور صحابہ کا ذکر فقط خیر اور بھلائی کے ساتھ کرتے ہیں ان کی محبت دین اور ایمان اور احسان ہے اور صحابہ سے بغض اور نفرت کفر اور نفاق اور فسق اور عصیان ہے جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے بہتر اور افضل ہیں اسی طرح حضور کی امت تمام امتوں سے افضل اور بہتر ہے۔ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ قرآن کریم کی نص صریح ہے اور تمام امت میں سب سے افضل اور بہتر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طبقہ ہے۔ اس لئے تمام اہل سنت و جماعت کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ تمام انسانوں میں انبیاء کرام کے بعد صحابہ کرام کا درجہ اور مرتبہ ہے وہ بلاشبہ مومن کامل اور صحیح اسلام والے تھے۔ معاذ اللہ وہ منافق نہ تھے۔ ان کا خاتمہ ایمان اور اسلام پر ہوا قیامت تک کوئی شخص ان کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ جس طرح کوئی ولی نبی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا اسی طرح کوئی ولی صحابہ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ اللہ نے قرآن میں ان کے لئے اپنی رضا اور

خوشنودی کا اعلان فرمایا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اور دنیا ہی میں ان کو جنت کی بشارت سنا دی گئی۔ صحابہ کرام اگرچہ انبیاء کرام کی طرح معصوم نہیں مگر خدا تعالیٰ کا ان سے راضی ہونا اور جنت میں ان کا جانا قطعی اور یقینی ہے اور صحابہ کے ایمان اور دلی اخلاص کی شہادتیں قرآن کریم میں وارد ہیں۔ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ

اس آیت میں حق تعالیٰ نے صحابہ کے متعلق اپنی رضا مندی کا اعلان فرمایا اور فعلم ما فی قلوبھم میں ان کے دلی اخلاص کی شہادت دی کہ اللہ کو ان کے دلوں کا خوب حال معلوم ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے محب صادق اور مخلص خالص ہیں جن میں نفاق اور تقیہ کا ذرہ برابر بھی شائبہ نہیں۔

خصوصیات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

۱۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے صحابہ کرام کو ایمان اور اسلام کی لازوال دولت عطا فرمائی۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور نصرت کے لئے پسند کیا اور دین اور ملت کی تقویت اور اعانت کے لئے ان کو منتخب کیا۔

وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا

اور اللہ نے ان کے لئے تقویٰ اور پرہیز گاری کی خصلت کو لازم کر دیا کہ تقویٰ اور پرہیز گاری ان سے جدا نہ ہو سکے اور صحابہ ہی تقویٰ اور پرہیز گاری کے سب سے زیادہ مستحق تھے اور وہی سب سے زیادہ اس کے اہل تھے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے کہ کون کس کا اہل ہے۔ معلوم ہوا کہ صحابہ سے بڑھ کر کوئی متقی اور پرہیز گار نہیں۔

۳۔ صحابہ کرام کے سامنے قرآن کریم کا نزول ہوا اور جن حالات اور واقعات میں آیات قرآنیہ کا نزول ہوا وہ تمام صحابہ کرام کے سامنے پیش آئے اس لئے امت میں سب سے زیادہ قرآن کے سمجھنے والے صحابہ کرام ہوئے۔

۴۔ صحابہ کرام اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کے احکام کے اولین مخاطب ہیں جن کو اللہ نے اپنے خطاب سے نوازا

۵۔ صحابہ کرام نے قرآن شریف اور دیگر احکام شریعت کو بلا واسطہ حضور کی زبان مبارک سے سنا۔

۶۔ صحابہ کرام نے خدا کی راہ میں اپنی جانوں اور مالوں کو پانی کی طرح بہا دیا۔ اور اللہ کے رسول کی محبت میں خویش اور اقارب اولاد اور والدین سب کو چھوڑ دیا اور آپ کی محبت میں وطن مالوف سے ہجرت کی اور عرب او رعجم سے لڑائی مول لی اور آپ کی نصرت اور حمایت میں خویش اور اقارب سے جنگ کی اور اس مقابلے میں باپ اور بیٹے اور چچا اور ماموں کسی کی پروا نہیں کی۔

۷۔ قرآن کریم اور احادیث نبویہ اور احکام شریعت صحابہ کرام ہی کے ذریعہ امت تک پہنچے اگر صحابہ کرام قرآن کریم کو جمع نہ کرتے اور احادیث اور احکام شریعت کی روایت نہ کرتے تو امت کو نہ قرآن کا علم ہوتا اور نہ حدیث کا اور نہ آپ کی شریعت کا اور نہ آپ کی نبوت کا' صحابہ رسول اور امت کے درمیان واسطہ ہیں۔

۸۔ صحابہ کرام ہی نے دنیا میں اسلام کا جھنڈا بلند کیا اور کتاب و سنت کی نشرو اشاعت میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جو بھی مسلمان ہوا وہ صحابہ کرام ہی کو دیکھ کر مسلمان ہوا۔

۹۔ قرآن کریم میں اہل ایمان کی جس قدر بھی صفات فاضلہ کا ذکر آیا ہے مثلاً (۱) مومنین اور (۲) مسلمین اور (۳) متقین اور (۴) صادقین اور (۵) صدیقین اور (۶) شہداء اور (۷) صالحین اور (۸) قانتین اور (۹) صابرین اور (۱۰) شاکرین اور (۱۱) تائبین اور (۱۲) عابدین اور (۱۳) راکعین اور (۱۴) ساجدین اور (۱۵) آمرین بالمعروف

اور (۱۶) ناہین عن المنکر اور (۱۷) حافظوں لحدود اللہ اور (۱۸) محسنین اور (۱۹) متوکلین اور (۲۰) مہتدین اور (۲۱) مفلحین وغیرہ۔

ان صفات فاضلہ کا اولین مصداق صحابہ کرام ہیں۔

۱۰۔ جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں توریت اور انجیل میں مذکور ہیں۔ کما قال تعالیٰ اَلنَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرٰۃِ وَالْاِنْجِیْلِ اسی طرح صحابہ کرام کے اوصاف اور کمالات بھی توریت اور انجیل میں مذکور ہیں کما قال تعالیٰ ذٰلِکَ مَثَلُھُمْ فِی التَّوْرٰۃِ وَ مَثَلُھُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ۔

۱۱۔ بارگاہ خداوندی سے صحابہ کرام کو دائمی رضاء اور خوشنودی کا پروانہ ملا رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ سے صحابہ کرام کے لئے بلا شرط کے رضا اور خوشنودی کا اعلان ہوا۔ اور صحابہ کے بعد آنے والوں کے لئے یہ شرط ہوئی کہ اگر بعد میں آنے والے اخلاص کے ساتھ صحابہ کا اتباع کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے بھی راضی ہو گا۔ کما قال تعالیٰ

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُھٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ وَاَعَدَّ لَھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا اَبَدًا ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ

جو مہاجرین اور انصار ایمان میں سب سے سابق اور مقدم ہیں اور جو لوگ قیامت تک مہاجرین اور انصار کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں اور اخلاص کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والے ہیں ان سب سے اللہ راضی ہوا اور یہ اللہ سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے لئے ایسے باغات تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں جن میں یہ ہمیشہ رہیں گے اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

اس آیت میں حق تعالیٰ نے مہاجرین اور انصار کے لئے اولاً اپنی رضا اور خوشنودی کا اعلان فرمایا اور ثانیاً" ان کو دائمی جنت کی بشارت دی اور ثالثاً" صحابہ کے

بعد میں آنے والے لوگوں کے لئے رضا اور جنت کا وعدہ اس شرط کے ساتھ مشروط کیا کہ بعد میں آنے والے صحابہ کی اخلاص کے ساتھ پیروی کریں۔ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ۔

۱۲۔ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (سورہ توبہ)

ہاں رسول اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں نے اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا ان لوگوں کے لئے تمام بھلائیاں ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہیں ان لوگوں کے لئے اللہ نے ایسے باغات تیار کئے ہیں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں یہ لوگ ہمیشہ انہیں میں رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

اس آیت میں حق تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لانے والوں کے لئے چار وعدے فرمائے ہیں۔ ایک تمام بھلائیوں کا دوم فلاح کامل کا۔ سوم جنتوں کا۔ چہارم فوز عظیم کا

۱۳۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ (سورہ انفال)

اور جو لوگ سب سے پہلے ایمان لائے اور خدا کی راہ میں ہجرت کی اور جہاد کیا اور جن لوگوں نے ان مہاجرین کو ٹھکانا دیا اور ان کی مدد کی یہ سب لوگ سچے اور پکے مومن ہیں۔ ان کے لئے اللہ کی طرف سے مغفرت اور رزق کریم لکھا جا چکا ہے۔

اس آیت میں حق تعالیٰ نے مہاجرین اور انصار کو سچا اور پکا مومن فرمایا اور ان سے مغفرت اور رزق کریم کا وعدہ فرمایا۔ معلوم ہوا کہ صحابہ پکے اور سچے مومن تھے۔

۱۴۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ

وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا۔ (سورہ فتح)

محمد اللہ کے رسول ہیں اور آپ کے اصحاب اور رفقاء کافروں پر سخت اور مسلمانوں کے حق میں نرم اور مہربان ہیں اے دیکھنے والے تو صحابہ کو رکوع اور سجدہ کرتا ہی دیکھے گا جو محض اللہ کے فضل اور اس کی رضا اور خوشنودی کے طالب ہیں اور سجدہ کے نشان ان کے چہروں پر تو نمایاں طور پر دیکھے گا صحابہ کے یہ اوصاف تو توریت میں مذکور ہیں اور انجیل میں ان کی یہ مثال بیان کی ہے کہ جیسے کھیتی کہ اس نے اپنی سوئی نکالی پھر قوی اور موٹی ہوئی اور اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوئی جو کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی۔ اسی طرح صحابہ کرام کی حالت اول کمزور تھی بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کو قوت دی تاکہ دنیا میں کافروں کو صحابہ کے غیظ اور حسد سے جلائے اور آخرت میں ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔

اس آیت میں صحابہ کرام کی مدح فرمائی اور یہ بھی بتلایا کہ جس طرح نبی کریم کی بشارت توریت اور انجیل میں مذکور ہے اسی طرح صحابہ کرام کے اوصاف بھی توریت اور انجیل میں مذکور ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت میں صحابہ کرام کا مرتبہ ہے اور جس طرح رسول اللہ کی اطاعت خدا تعالیٰ کی اطاعت کا نمونہ ہے۔ اسی طرح صحابہ کرام کا اتباع نبی کریم کی اطاعت کا نمونہ ہے۔

لہٰذا جس طرح اسوہ نبوی اور سنت پیغمبری کو طریقہ خداوندی سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح اسوۂ صحابہ کو اسوۂ نبوی سے جدا نہیں کیا جا سکتا خدا تعالیٰ کا دین ہم تک انہیں دو واسطوں سے پہنچا ہے ایک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے صحابہ کرام

عقیدہ دوم

تمام اہل حق کا اس پر اجماع ہے کہ پیغمبروں کے بعد تمام انسانوں میں افضل اور بہتر اور خاتم الانبیاء علیہ الصلوۃ و السلام کے بعد امام برحق اور خلیفہ مطلق ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں' اور ان کی فضیلت ان کی خلافت کی ترتیب کے موافق ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اکابر صحابہ سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اجتماع میں بڑے بڑے جلیل القدر علماء اور صلحاء مدبر اور عقلاء حضرات شامل تھے بحث و نظر اور غور و فکر کے بعد تمام حاضرین نے صدق دل اور طیب خاطر اور شرح صدر کے ساتھ بالاتفاق ابوبکر صدیق کو یہ سمجھ کر اپنا خلیفہ بنایا کہ ابوبکر علم اور فہم ورع اور تقوی امانت اور عدالت اور تدبیر سیاست میں تمام صحابہ سے بڑھ کر ہیں اور جملہ اصحاب کبار نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا عظیم الشان مجمع جو ایسے حضرات پر مشتمل ہو کہ جن کو اللہ اور اس کی رضا اور خوشنودی کا پروانہ اور جنت کی بشارت مل چکی ہو وہ سوائے حق کے کسی بات پر متفق نہیں ہو سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لن یجتمع امتی علی الضلالۃ میری امت گمراہی پر متفق نہیں ہو سکتی۔

ابتدائے مشاورت میں انصار کی یہ رائے تھی کہ

منا امیر و منکم امیر

ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر تم میں سے۔

انصار نے خلافت کو قبیلہ کی سیادت پر قیاس کیا کہ جس طرح عرب کا دستور تھا کہ ہر قبیلہ کا سردار اسی قبیلہ کا آدمی ہوتا تھا اسی طرح ہر قبیلہ کا خلیفہ اور امیر بھی الگ

الگ اسی قبیلہ سے ہو لیکن حضرت عمرؓ نے انصار کے سامنے یہ دلیل رکھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الوفات میں ابوبکر کو نماز میں مسلمانوں کا امام اور پیشوا بنایا اور نماز دین کا ایک بہت بڑا ستون ہے اور آخری بیماری میں ابوبکر کو نماز میں اپنی جگہ کھڑا کیا اور خود ابوبکر کی اقتدا کی پس جس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے دین کے لئے پسند کیا اور اس کو آگے کیا ہم اس کو پیچھے نہیں کر سکتے۔ ہم بھی اس شخص کو آگے ہی کریں گے۔ اس بحث و مباحثہ کے بعد انصار نے بھی بصد رغبت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کی ورنہ انصار کو مہاجرین کا کوئی خوف اور ڈر نہ تھا۔ مدینہ منورہ میں اکثریت انصار کی تھی۔ مال و دولت اور عددی کثرت ہر اعتبار سے انصار مہاجرین پر غالب تھے۔ اگر انصار بہ رضا و رغبت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت نہ کرتے تو مہاجرین کے پاس کوئی قوت ایسی نہ تھی جو اس اکثریت کو اقلیت کے امیر اور خلیفہ کی بیعت پر مجبور کر سکتی۔ معلوم ہوا کہ ابوبکر صدیق میں امارت اور خلافت کی شرائط اس درجہ اتم اور اکمل تھیں کہ سب نے بالاتفاق اپنا خلیفہ بنایا۔ بعض علماء اہل سنت اس طرف گئے ہیں کہ ابوبکرؓ کی خلافت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تنصیص اور تصریح سے ثابت ہے۔ حضور نے اپنے مرض الوفات میں ابوبکر کی خلافت کی صراحت فرما دی تھی۔ اس کے برعکس شیعہ یہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہ کو خلافت کے لئے نامزد کر دیا تھا۔

حق یہ ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوۃ و التسلیم سے کسی خاص شخص کی خلافت کے بارہ میں کوئی صریح اور جلی نص نہیں پائی گئی نہ ابوبکر صدیقؓ کے لئے اور نہ علی مرتضیؓ کے لئے' البتہ ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے لئے نصوص خفیہ اور اشارات اس درجہ کثرت کے ساتھ موجود ہیں کہ جو قریب صراحت کے ہیں۔ خلافت صدیقی کے انعقاد کے لئے اہل سنت و الجماعت کا اصل تمسک اجماع امت سے ہے اور نصوص خفیہ اور اشارات نبویہ کو اس اجماع کا منشا اور مبنی اور موید قرار دیتے ہیں۔ اہل سنت نصوص خفیہ اور اشارات کو محض تقویت اور تاکید حجت کے لئے پیش کرتے ہیں ورنہ

صحابہ کرام کا اجماع خود ایک مستقل حجت ہے اجماع صحابہ کے بعد کسی دوسری دلیل کی مطلق حاجت نہیں۔

اور اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت پر کوئی نص ہوتی تو صحابہ کرام ضرور اس کو ذکر کرتے اور اگر بفرض محال صحابہ نے چھپایا تھا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس وقت اپنی نص خلافت کو ظاہر فرما دیتے تو انصار بجائے ابوبکر کے یقیناً حضرت علی کا ساتھ دیتے اس لئے کہ حضور کی قرابت کی وجہ سے انصار پر بنو ہاشم کا خاص اثر اور لحاظ تھا اور اگر کوئی شیعہ یہ کہے کہ حضرت علی نے تقیہ کی بنا پر اپنی نص خلافت کو چھپا لیا تو اہل سنت یہ کہیں گے کہ تقیہ کرنا شان اسد اللہی کے خلاف ہے اہل سنت کے نزدیک حضرت علیؓ نے کبھی تقیہ نہیں کیا وہ اللہ کے شیر تھے۔ سوائے خدا کے کسی سے نہیں ڈرتے تھے اور اگر بالفرض حضرت علی نے اس وقت تقیہ کر کے اس نص کو چھپا لیا تھا تو جس وقت حضرت علی خلیفہ ہو گئے تھے اس وقت تو اس نص کو ظاہر فرما دیتے مگر پھر بھی کوفہ کے منبر پر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی افضلیت کا اعلان فرماتے رہے۔

حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ کا مرتبہ ہے

حضرت ابوبکر کے بعد حضرت عمر کا مرتبہ ہے اس لئے کہ حضرت ابوبکر نے اپنے انتقال کے وقت حضرت عمر کو خلیفہ مقرر کیا اور اس بارہ میں ایک عہد نامہ لکھ دیا اور سب مسلمانوں کو حضرت عمر کی اطاعت اور متابعت کا حکم دیا۔ حضرت عمر کی سختی کی وجہ سے بعض لوگوں نے کہا اے ابوبکر تم خدا کو کیا جواب دو گے کہ تم ایک سخت مزاج آدمی یعنی عمر کو ہم پر خلیفہ مقرر کر کے جا رہے ہو۔ ابوبکرؓ نے فرمایا کہ میں خدا تعالیٰ سے یہ عرض کروں گا کہ اے پروردگار میں نے تیرے بہترین بندے کو خلیفہ مقرر کیا۔

اور یہی بات احادیث سے معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ جس قدر بھی احادیث ایسی ہیں کہ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر اور عمر کے ذکر کو جمع کیا ہو ان

میں بلا اتفاق ابوبکر کا ذکر عمر کے ذکر سے مقدم ہے۔ ذخیرہ حدیث میں ایک حدیث بھی ایسی نہیں ملے گی کہ جس میں ابوبکر کا ذکر عمر فاروق سے مقدم نہ ہو۔ مثلاً اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر۔

سیدا کہول اہل الجنۃ من الاولین والآخرین ابوبکر و عمر۔ انا اول من تنشق عنہ الارض ثم ابوبکر ثم عمر۔ امنت بہ انا وابوبکر وعمر۔

شیخین کی دو عجیب خصوصیتیں

شیخین کی ایک عجیب خصوصیت تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شمار احادیث میں شیخین یعنی ابوبکر و عمر کو اپنے ساتھ ملا کر ذکر فرمایا ہے جس سے ان دونوں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اختصاص خاص صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے سوائے ان دو بزرگوں کے اور کسی صحابی کو حضور نے اپنے ساتھ ملا کر ذکر نہیں فرمایا اور دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ دونوں بزرگ وفات کے بعد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مصاحب اور قرین رہے۔ اور ایک ہی حجرہ میں تینوں مدفون ہوئے۔ یہ وہ شرف ہے کہ جو سوائے ابوبکر اور عمر کے اور کسی صحابی کو نصیب نہیں ہوا۔ امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں حضرات شیخین کی تمام صحابہ کے درمیان ایک عجیب شان ہے ابوبکر صدیق اور فاروق اعظم' یہ دونوں حضرات گویا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم خانہ ہیں اور باقی صحابہ ہمراہ اور ہم شہر ہونے کی نسبت رکھتے ہیں اور اولیاء امت کا وہاں کیا دخل ہے۔ (ماخوذ از مکتوب ۲۵۱ دفتر اول)

شیخین کے بعد ختنین کا مرتبہ ہے

شیخین یعنی ابوبکر و عمر کے بعد۔ ختنین یعنی عثمان غنی اور علی مرتضیٰ کا درجہ

ہے۔ ابوبکر اور عمر کو شیخین کہتے ہیں اور عثمان غنی اور علی مرتضیٰ کو ختنین کہتے ہیں۔ ختن کے معنی داماد کے ہیں۔ یہ دونوں بزرگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے۔ اور عثمان غنی کو ذی النورین بھی کہتے ہیں (دو نور والے) چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یکے بعد دیگرے دو صاحبزادیاں یعنی حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم حضرت عثمان کے نکاح میں آئیں اس لئے ان کو ذوالنورین کہتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے اپنی شہادت کے بعد انتخاب خلیفہ کے لئے چھ آدمیوں کی ایک مجلس شوریٰ مقرر فرمائی اور خلافت کو ان چھ آدمیوں میں دائر فرمایا کہ ان چھ میں سے کسی کو خلیفہ بنا لیا جائے۔ ہر ایک ان میں سے خلیفہ ہونے کا اہل ہے وہ چھ آدمی یہ تھے۔ حضرت عثمان غنیؓ حضرت علیؓ حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم۔

حضرت عمر کی وفات کے بعد یہ چھ آدمی جمع ہوئے حضرت عبد الرحمن بن عوف اور طلحہ اور زبیر اور سعد یہ کہہ کر اٹھ گئے کہ اس وقت استحقاق خلافت میں عثمان اور علی سے بہتر اور کوئی نہیں۔ اور ان دو میں سے انتخاب خلیفہ کا کام عبد الرحمن بن عوف کے سپرد کیا۔ عبد الرحمن نے حضرت عثمان ذوالنورین سے اور حضرت علی سے کہا کہ تم اپنے اپنے گھر چلے جاؤ میں مشورہ کر کے اطلاع دوں گا۔ جب یہ دونوں حضرات اپنے اپنے گھر چلے گئے تو عبد الرحمن ہر ایک کے پاس علیحدہ علیحدہ گئے اور ہر ایک سے اس کا عہد اور میثاق لیا کہ اگر دوسرے کو خلیفہ بنا دوں تو تم بھی اس کی خلافت کو تسلیم کرو گے اور جس کے ہاتھ پر میں بیعت کروں تم بھی اس کے ہاتھ پر بلا تاخیر بیعت کرو گے جیسا کہ صحیح بخاری ص ۱۰۷۰ کتاب الاحکام۔ باب کیف یبایع الامام الناس اور قسطلانی جلد ۱۰ صفحہ ۲۵۴ میں یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

بیعت میں ایک خاص شرط

حضرت عبدالرحمن بن عوف نے عثمان غنی کے ہاتھ پر بیعت کرتے وقت بیعت

میں یہ شرط بھی لگائی کہ جس شخص کے ہاتھ پر بیعت کی جائے اس کو قرآن حکیم اور نبی کریم علیہ السلام کی سنت کے موافق عمل کرنا لازم ہو گا اور اپنی تمام کوشش اور جدوجہد مسلمانوں کی فلاح اور بہبود اور دینی اور دنیوی ترقی میں خرچ کرنا ہو گی اور سیرت شیخین ابوبکر و عمر کی متابعت اور پیروی اس کو کرنی ہو گی اور اپنے زمانہ خلافت میں ابوبکر و عمر کا جو طریقہ تھا اس پر چلنا ہو گا دیکھو بخاری شریف صفحہ ۱۰۷۰۔ بعد ازاں حضرت عبدالرحمن بن عوف نے اکابر صحابہ اور مہاجرین اور انصار سے مشورہ کرنے کے بعد حضرت عثمان کو خلیفہ مقرر کیا۔ تمام حضرات صبح کی نماز میں حاضر تھے نماز سے فارغ ہو کر حضرت عبد الرحمن نے حضرت عثمان سے کہا کہ اے عثمان منبر پر جا کر بیٹھو اور مجمع سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں نے ان راتوں میں تمام مہاجرین اور انصار سے مشورہ کیا سب کو اس پر متفق پایا کہ اس وقت عثمان غنی سے بڑھ کر کوئی خلافت کا اہل اور مستحق نہیں اس لئے میں ان کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں۔ سب سے پہلے حضرت علی مرتضیٰ نے بیعت کی بعد ازاں کل صحابہ نے حضرت عثمان کے دست حق پر بیعت کی اور اس طرح باتفاق صحابہ حضرت عثمان غنی خلیفہ مقرر ہوئے۔

حضرت عثمان غنی کے بعد تمام صحابہ نے حضرت علیؓ کو سب سے افضل اور اکمل سمجھ کر اپنا خلیفہ مقرر کیا اہل سنت و الجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ صحابہ کرام نے حضرت علی مرتضیٰ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کی بنا پر خلیفہ مقرر نہیں کیا بلکہ یہ سمجھ کر خلیفہ کیا کہ عثمان غنی کی شہادت کے بعد روئے زمین پر علم اور فہم اور ورع اور تقویٰ اور امانت اور عدالت میں حضرت علی سے بڑھ کر کوئی نہیں اور ان کے زمانہ میں جو اختلافات پیش آئے وہ استحقاق خلافت اور امامت میں نہ تھے۔ ان کا افضل اور اکمل ہونا اور سب سے زیادہ مستحق خلافت ہونا سب کو مسلم تھا بلکہ ان اختلافات اور نزاعات کا منشاء خطا اجتہادی تھی لوگ حضرت عثمان کے قاتلوں کی سزا میں جلدی چاہتے تھے اور حضرت علی تاخیر میں مصلحت سمجھتے تھے

نیز حضرت معاویہ ان بلوائیوں کو قاتل سمجھتے تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی

نظر میں باغی تھے۔ باغی اگر ہتھیار ڈال دے تو اس سے زمانہ بغاوت میں کیے ہوئے فعل کا قصاص اور ضمان نہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نظر نہایت دقیق اور عمیق تھی اور وہی حق پر بھی تھے۔

فائدہ جلیلہ :

قال الشیخ الامام ابو الحسن الاشعری ان تفضیل ابی بکر ثم عمر علی بقیۃ الامۃ قطعی۔ امام ابو الحسن اشعری فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر اور پھر حضرت عمر کی تمام امت پر فضیلت قطعی ہے۔

لیکن حضرت عثمان کی فضیلت حضرت علی پر اس درجہ کی قطعی نہیں ائمہ اربعہ مجتہدین کا مذہب تو یہی ہے کہ حضرت عثمانؓ حضرت علی سے افضل ہیں اور بعض علماء نے حضرت علی کی کثرت مناقب کی وجہ سے حضرت عثمان اور حضرت علی کی تفضیل میں توقف کیا ہے۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ امام مالک سے اس بارہ میں توقف منقول ہے لیکن بعد میں توقف سے حضرت عثمان کی تفضیل کی طرف رجوع فرمایا۔ امام قرطبی فرماتے ہیں۔

هوالاصح انشاء الله تعالیٰ یعنی حضرت عثمان کا حضرت علی سے افضل ہونے کا قول ہی صحیح ہے۔

بعض علماء کو امام اعظم ابوحنیفہؒ کی ایک عبارت سے توقف کا گمان ہوا ہے وہ عبارت یہ ہے۔

من علامة السنة و الجماعة تفضیل الشیخین و محبة الختنین یعنی شیخین حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو فضیلت دینا اور ختنین حضرت عثمان اور حضرت علی سے محبت کرنا اہل سنت و الجماعت کی علامت ہے۔ امام اعظمؒ کا اس عبارت سے یہ مقصد نہیں کہ آپ کو حضرت عثمان اور حضرت علی کی تفضیل میں کوئی توقف تھا بلکہ وجہ یہ تھی کہ ان دونوں حضرات کے زمانہ خلافت میں چونکہ فتنے اور فساد

ظاہر ہوئے تو بہت سے لوگوں کے دلوں میں ان کی طرف سے کدورت آ گئی۔ اس کدورت کے ازالہ کے لئے امام اعظم نے ان کے حق میں لفظ محبت کا استعمال کیا اور ان کی محبت اور دوستی کو سنت کی علامت قرار دیا۔ حاشا وکلا امام اعظم نے یہ لفظ توقف کی بنا پر استعمال نہیں کیا اس لئے کہ امام اعظم اور ان کے تمام اصحاب اور تمام فقہاء حنفیہ کی تصریحات سے کتب حنفیہ بھری پڑی ہیں کہ خلفاء راشدین کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب پر ہے۔ الغرض شیخین کی افضلیت قطعی اور یقینی ہے اور حضرت عثمان کی افضلیت اس سے کمتر ہے اس لئے فقہاء نے حضرت عثمان کی افضلیت کے منکر کو شیخین کی افضلیت کے منکر کے برابر نہیں قرار دیا بلکہ کچھ فرق رکھا ہے۔

عقیدہ سوم

خلفاء راشدین کے بعد ان صحابہ کا مرتبہ ہے جن کی بابت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی ہے ان کو عشرہ مبشرہ کہتے ہیں۔ جن کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مجلس میں نام بنام جنت کی بشارت دی وہ دس یہ ہیں۔ چار خلفاء راشدین اور بقیہ چھ کے نام یہ ہیں۔ سعد بن ابی وقاص اور عبد الرحمن بن عوف اور ابو عبیدۃ بن الجراح اور سعید بن زید اور طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم۔

یہ دس حضرات تمام امت میں سب سے بہتر اور افضل ہیں۔ قریش کے سردار ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار اور رشتہ دار ہیں۔ دین اسلام کے سابقین اولین میں سے ہیں ان کی خاندانی نجابت وجاہت اور ان کے ذاتی فضائل اور خصائل اور محاسن اور کمالات اسلام کی تقویت کا باعث بنے اسلام میں داخل ہونے کے بعد دل و جان سے اسلام کے معین اور مددگار رہے اور ہر غزوہ اور ہر معرکہ میں حضور رسالت مآب کے ہم رکاب رہے ان دس حضرات کے وجود سے اسلام کو جو قوت پہنچی وہ کسی اور سے نہیں پہنچی۔

چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی وقت میں ان تمام حضرات کا نام لے

لے کر جنت کی بشارت دی اسی لئے ان کو عشرہ مبشرہ کہتے ہیں۔ ورنہ انفرادی طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دس کے سوا اور حضرات کو بھی جنت کی بشارت دی ہے جیسے حضرت سیدۃ النساء فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا اور امام حسن اور امام حسین اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت حمزہ اور حضرت عباس اور حضرت سلمان اور حضرت صہیب اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم۔ عشرہ مبشرہ کی بشارت درجہ شہرت کو پہنچ چکی ہے اور ان حضرات کی بشارت اخبار آحاد کے درجہ میں ہے اور خلفاء راشدین کی بشارت درجہ تواتر کو پہنچ چکی ہے۔

عقیدہ چہارم

عشرہ مبشرہ کے بعد اہل بدر کا درجہ ہے جن کے متعلق حدیث میں آیا ہے۔

ان اللہ قد اطلع علی اھل بدر فقال اعملوا ماشئتم فقد غفرت لکم

تحقیق اللہ تعالیٰ مطلع ہوا اہل بدر پر پس فرمایا اے اہل بدر تم جو چاہے عمل کرو میں نے تمہاری مغفرت کر دی ہے۔

ہجرت کے بعد غزوۂ بدر پہلا غزوہ ہے جس میں اسلام کو خاص عزت اور کفر کو خاص ذلت حاصل ہوئی۔ اس غزوہ کے مجاہدین تین سو تیرہ تھے جو رسولوں کا عدد ہے گویا کہ مجاہدین بدر کو بقیہ صحابہ کرام سے فضیلت اور رتبہ میں وہی نسبت ہے جو حضرت مرسلین کو حضرات انبیاء سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ہم اپنے رسولوں کی مدد کرتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ اِنَّا لَنَنۡصُرُ رُسُلَنَا الآیۃ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کی نصرت اور امداد کے لئے پانچ ہزار فرشتے آسمان سے اتارے۔ اہل بدر کے تین سو تیرہ آدمیوں کا گروہ چونکہ حضرات مرسلین کے نقش قدم پر تھا اس لئے ان کے لئے یہ حکم آگیا کہ تم جو چاہے کرو۔ یہ اجازت ہر کس وناکس کو نہیں ہو سکتی اس کا خطاب انہیں پاک اور مخلص بندوں کو ہو سکتا ہے جن کے قدم کی جادۂ محبت میں پوری پوری

استقامت ثابت ہو چکی ہو۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ

عشرہ مبشرہ بھی بدر کی لڑائی میں شریک تھے سوائے عثمان غنیؓ کے کہ وہ شریک ہونے کے لئے تیار تھے مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ (جو حضرت عثمان کی زوجیت میں تھیں) کی علالت اور بیماری کی وجہ سے حضور کے حکم سے مدینہ میں رہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اہل بدر میں شمار کیا اور بدر کی غنیمت میں سے ان کو حصہ عطا فرمایا۔

چونکہ اہل بدر کا مرتبہ عشرہ مبشرہ کے بعد ہے اس لئے عشرہ مبشرہ کے لئے صراحت اور وضاحت کے ساتھ نام بنام جنت کی بشارت آئی اور اہل بدر کے لئے مغفرت کے عنوان سے بشارت آئی اور کسی کا نام لے کر بشارت نہیں دی۔ اہل بدر کے بعد اہل احد کا مرتبہ ہے۔ اس غزوہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دندان مبارک شہید ہوا اور سید الشہداء حضرت حمزہ اور ستر صحابی اس غزوہ میں شہید ہوئے۔ رضی اللہ عنہم اور عشرہ مبشرہ بھی احد میں شریک تھے۔

اہل احد کے بعد اہل بیعت الرضوان کا درجہ ہے۔ بیعت الرضوان اس بیعت کا نام ہے کہ جو مسلمانوں نے صلح حدیبیہ سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی جس کے بارہ یہ آیت نازل ہوئی۔

لَقَدۡ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ یُبَایِعُوۡنَکَ تَحۡتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَافِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ۔

البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ راضی ہوا ان اہل ایمان سے جنہوں نے درخت کے نیچے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کے اخلاص کو خوب جانتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کے دلی اخلاص کی خبر دی ہے اور اسی دلی اخلاص پر خوشنودی کا پروانہ عطا فرمایا لہٰذا شیعوں کا یہ کہنا کہ معاذ اللہ۔ صحابہ کا ایمان محض ظاہری طور پر تھا اور دل سے وہ مومن نہیں ہوئے تھے عجب نہیں کہ فَعَلِمَ مَافِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ کا لفظ شیعوں کے اسی وسوسہ کے ازالہ کے لئے نازل کیا ہو۔

فائدہ: افضلیت کی یہ ترتیب جو اب تک بیان ہوئی وہ مجمع علیہ ہے اس کے بعد تمام صحابہ کا مقام ان کے علم اور تقویٰ کے اعتبار سے ہے کما قال تعالیٰ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ

عقیدہ پنجم

حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا جنت کی تمام عورتوں کی سردار ہیں اور امام حسن اور حسین جنت کے جوانوں کے سردار ہیں اور حضرت فاطمہ کے بعد ان کی والدہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور ان کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ اور پھر سب امہات المومنین تمام دنیا کی عورتوں سے افضل ہیں۔

اور صحابہ کرام کی عورتوں کے بارے میں صحابہ کے مراتب کے اعتبار سے اعتقاد رکھیں۔

عقیدہ ششم

صحابہ کرام کے درمیان جو باہمی اختلافات اور نزاعات پیش آئے جیسے جمل اور صفین کا جھگڑا ان کو نیک وجہ پر محمول کرنا چاہئے اور ہوا ہوس اور حب جاہ اور حب ریاست اور طلب رفعت سے اس کو دور سمجھنا چاہئے کیونکہ یہ نفس امارہ کی کمینہ اور رذیل خصلتیں ہیں اور ان بزرگوں کے نفوس۔ حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کیمیا اثر کی برکت سے ہوا وہوس اور حرص اور کینہ اور حب مال اور حب جاہ سے آئینہ کی طرح صاف اور شفاف ہو چکے تھے اسی وجہ سے تمام امت کا اجماع ہے کہ ہزاراں ہزار جنید اور ہزاراں ہزار شبلی اور بایزید ایک ادنیٰ صحابی کے نقش پا کو نہیں پہنچ سکتے صحابہ کرام کے نفوس اگرچہ حضور کی صحبت کی برکت سے نفس امارہ کی رذیل اور کمینہ خصلتوں سے پاک ہو چکے تھے لیکن صحابہ کرام بشر اور انسان تھے۔ ملائکہ اور انبیاء نہ تھے جو غلطی سے معصوم رہتے مقتضائے بشریت اجتہادی خطا کا واقع ہو جانا

شان تقویٰ اور ورع کے منافی نہیں قال تعالیٰ

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ اُدْخُلُوْھَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِیْنَ وَ نَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِھِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ

تحقیق اور بلاشبہ پرہیزگار لوگ جنت کے باغوں اور چشموں میں ہوں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ جنت میں سلامتی اور امن کے ساتھ داخل ہو جاؤ اور ان متقی اور پرہیزگاروں کے سینوں میں اگر کوئی رنج اور کدورت ہو گی تو اس کو ان کے دل سے نکال دیں دے گے مخلص بھائی ہوں گے اور تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی متقیوں اور پرہیزگاروں کے دلوں میں بھی باہمی رنجش اور کدورت ہوتی ہے اور وہ رنج اور کدورت ان کے لئے مضر نہیں ہوتی نہ ان کے تقویٰ کے منافی ہوتی ہے اور نہ جنت میں جانے کے لئے حارج ہوتی ہے اسی بنا پر حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے امید ہے کہ میں اور طلحہ اور زبیر انہیں لوگوں میں سے ہوں گے۔ پس مشاجرات صحابہ کو اس آیت کے ماتحت سمجھو۔ دونوں گروہ متقی تھے دونوں جنت میں جائیں گے ان کی صلح بھی حق کے لئے تھی اور ان کی لڑائی بھی حق کے لئے تھی ہر ایک گروہ نے اجتہاد کے موافق عمل کیا پس جو مصیب ہے اس کے لئے دو اجر ہیں اور جو مخطی ہے اس کے لئے ایک اجر ہے بہرحال مصیب ہو یا مخطی ملامت سے ہر طرح دور ہے درجات ثواب اور اجر میں فرق ہے۔

ان لڑائیوں میں حق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جانب تھا اور ان کے مخالف خطا پر تھے لیکن یہ خطا خطا اجتہادی تھی جس پر طعن اور ملامت ہرگز جائز نہیں چہ جائیکہ کفر یا فسق کو ان کی طرف منسوب کیا جائے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ یہ ہمارے بھائی ہیں انہوں نے ہم پر بغاوت کی ہے یہ نہ کافر ہیں اور نہ فاسق یعنی غلط فہمی کی وجہ سے کفر اور فسق ان کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ اس فتنہ کے برپا ہونے کا اصل منشا حضرت عثمان کا قتل اور ان کے قاتلوں سے قصاص کا طلب

کرتا تھا۔ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر جو اول مدینہ سے نکلے وہ اسی تاخیر قصاص کے باعث نکلے اور حضرت عائشہ صدیقہ نے ان کی موافقت کی اور نوبت جنگ تک پہنچی اس جنگ کو جنگ جمل کہتے ہیں اس کے بعد حضرت معاویہ کے ساتھ جنگ صفین ہوئی۔ یہ تمام جھگڑا حضرت عثمان کے قاتلوں کے قصاص کے بارے میں تھا خلافت کے بارہ میں نہ تھا۔ حضرت علی کی افضلیت اور استحقاق خلافت سب کو مسلم تھا۔ علامہ تفتازانی فرماتے ہیں۔

وما وقع من المخالفات و المحاربات لم یکن عن نزاع فی خلافة بل عن خطا فی الاجتهاد۔

حضرت علی اور حضرت معاویہ کے درمیان جو لڑائی جھگڑے پیش آئے وہ خلافت کے بارہ میں نہ تھے بلکہ اجتہادی خطا کے سبب سے تھے۔

اور حاشیہ خیالی میں ہے:

فان معاویة و احزابه بغوا عن طاعته مع اعترافهم بانه افضل اهل زمانه الاحق بالامامة منه بشبهة هی ترک القصاص عن قتلة عثمان رضی اللہ عنه

حضرت معاویہ اور ان کے گروہ نے حضرت علی کی اطاعت سے انحراف کیا باوجودیکہ وہ سب اس کے مقر اور معترف تھے کہ حضرت علی اپنے تمام اہل زمانہ سے افضل ہیں اور سب سے زیادہ خلافت اور امامت کے مستحق ہیں۔ باوجود اس اعتراف کے ان کا اطاعت سے انحراف ایک شبہ کی بنا پر تھا وہ یہ کہ حضرت علی حضرت عثمان غنی کے قاتلوں سے فی الفور قصاص کیوں نہیں لیتے۔

اور اس معاملہ میں حضرت معاویہ پر حضرت علیؓ کی معذوریت منکشف نہ ہوئی اور حضرت علی کی اس تاخیر کو تغافل اور تساہل سمجھا اس لئے حضرت معاویہ نے حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت نہ کی اور امام برحق کے قاتلوں سے قصاص لینے کو بیعت پر مقدم سمجھا۔ معاذ اللہ نفسانیت نہ تھی۔

حضرت طلحہ سے ثابت ہے کہ اخیر وقت میں اس لڑائی سے ان کی رائے بدل گئی اور آخر رمق میں حضرت علیؓ کے ایک دوست پر نظر پڑی تو یہ فرمایا کہ اپنا ہاتھ لاؤ کہ امیر المومنین علی کے لئے بیعت کروں۔ چنانچہ انہوں نے اپنا ہاتھ دیا۔ حضرت طلحہ نے حضرت علی کے لئے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حضرت عائشہ صدیقہ کے حالات میں ہے کہ آپ جنگ جمل کو یاد کرتیں تو اتنا زار و قطار روتیں کہ اوڑھنی تر ہو جاتی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھی حضرت طلحہ اور زبیر کی شہادت کا خاص طور پر صدمہ تھا اور جن لوگوں نے حضرت علی کا مقابلہ کیا حضرت علی جب ان پر غالب آئے تو جو بھاگا اس کا تعاقب نہیں کیا اور نہ ان کے مال کو مباح قرار دیا۔ حضرت علی ان کو مسلمان بھائی سمجھتے تھے۔

پندرھواں باب

عقیدہ تقدیر کا بیان

قضاء وقدر حق ہے اور اس پر ایمان لانا فرض ہے اور ایمان بالقدر کے معنی یہ ہیں کہ اس بات کا یقین اور اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے پیدا کرنے سے پہلے ہی خیر اور شر کو اور ایمان اور کفر کو اور ہدایت اور ضلالت کو اور طاعت اور معصیت کو مقدر فرما دیا ہے اور اس کو لکھ دیا ہے۔ اب عالم میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب اس کے ارادہ اور مشیت سے ہو رہا ہے اور جو کچھ ہو رہا ہے اس کو پہلے ہی سے علی وجہ الکمال و التمام اس کا علم تھا۔ تقدیر کے معنی لغت میں اندازہ کرنے کے ہیں مثلاً اگر مکان بنانے کا ارادہ ہوتا ہے تو پہلے اس کا نقشہ تیار کر لیتے ہیں تاکہ مکان کی عمارت اس نقشہ کے مطابق بنائی جائے۔

اسی طرح حق جل شانہ نے جب اس کارخانہ دنیا کے بنانے کا ارادہ فرمایا تو بنانے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی میں اس عالم کا نقشہ بنا لیا اور ابتدا سے انتہا تک ہر چیز کا اندازہ لگا لیا پس اس اندازۂ خداوندی اور نقشہ پنہائی کا نام تقدیر ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی میں اندازہ کر لیا کہ فلاں وقت فلاں مکان میں فلاں شے اس طرح ہو گی اور فلاں شخص پیدا ہونے کے بعد فلاں وقت میں ایمان لائے گا اور فلاں شخص پیدا ہونے کے بعد فلاں وقت کفر کرے گا وغیرہ وغیرہ کما قال تعالیٰ قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ لِكُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا۔ اور پھر حق تعالیٰ کا اس کارخانہ عالم کو اپنے نقشہ اور اندازہ کے مطابق بنانے اور پیدا کرنے کا نام قضاء ہے اور لغت میں قضاء کے معنی پیدا کرنے کے ہیں کما قال تعالیٰ فقضاهن سبع سموت۔

پس اہل سنت و جماعت کا اجماعی عقیدہ یہ ہے کہ قضاء و قدر حق ہے اور کوئی ذرہ اس کی تقدیر سے باہر نہیں اور کسی کی مجال نہیں کہ اس کی قضاء و قدر کو کوئی ٹال

سکے یا اس کو آگے یا پیچھے کر سکے۔

پہلا اشکال

جب جو کچھ انسان سے ہوتا ہے مقدر ہو چکا ہے اور یہ لاکھ چاہے کہ میں نیک ہوں مگر جب تک اللہ کو منظور نہ ہو کچھ نہیں ہوتا اور مشاہدہ بھی ہے تو پھر انسان کا اختیار کہاں رہا جس پر جزا ہو۔

جواب

بعض علوم ایسے ہوتے ہیں کہ حقیقت میں بدیہی ہوتے ہیں (یعنی ہر شخص ان کو سمجھتا ہے اور محسوس کرتا ہے) لیکن غور و خوض کرنے سے نظری ہو جاتے ہیں کہ بہت ہی غور و فکر کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً دن رات ہر وقت کوئی نہ کوئی خیال اور بات دماغ میں آتی رہتی ہے اور اس کا مشاہدہ ہوتا ہے لیکن اگر اس پر غور کرنے لگیں کہ بات کے ذہن میں آنے کی کیا صورت ہے؟ اور وہ بات اور چیز جو ذہن میں آتی ہے وہ ذہن میں آنے سے پہلے کہاں تھی اور پھر ذہن میں کیسے چلی گئی۔ پھر ذہن میں جانے کے کیا معنی؟ وہاں پیدا ہو گئی یا باہر سے چلی گئی اور پھر ہزاروں خیال اور باتیں ذہن میں جاتی ہیں کیا یہ دماغ میں برابر برابر رکھی جاتی ہیں یا اوپر تلے رکھی جاتی ہیں۔ پھر پہلی صورت میں اتنی ہزاروں چیزوں کے ذہن میں سمانے کی جگہ کہاں ہے اور دوسری صورت میں وہ مشتبہ کیوں نہیں ہو جاتیں جس طرح کاغذ پر ایک عبارت لکھ کر اسی پر دوسری پھر اس پر تیسری عبارت لکھ دی جائے تو ایک بھی نہیں پڑھی جاتی۔ بہرحال غور و خوض کرنے سے یہ سب سوالات پیدا ہوتے ہیں جن کا حل بڑا دشوار ہے۔ لیکن اگر غور و خوض نہ کیا جائے تو حقیقت بالکل بدیہی اور واضح ہے کہ ایک چیز پہلے منکشف ہو گئی۔ اس میں کسی کو کوئی شبہ نہیں ہے اور نہ کسی کو اس کے وقوع سے انکار ہے۔ اور اگر کوئی شبہ یا انکار کرے تو احمق سمجھا جاتا ہے کہ اتنی بدیہی اور واضح چیز کا انکار کرتا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ بعض باتیں اور علوم اس شان کے ہوتے ہیں۔

مسئلہ تقدیر بھی اسی قسم کا ہے کہ حقیقت اس کی عقل اور نقل دونوں کے اعتبار سے نہایت واضح ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے علم اور ارادہ ازلی کا عالم کے واقعات اور حوادث کے ساتھ متعلق ہونا ہے کہ نقل (یعنی قرآن و حدیث) کی طرح عقل سے بھی ثابت ہے جس میں نہ انکار کی گنجائش ہے نہ شبہ کی گنجائش ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہی علم و ارادہ دو طرح کی چیزوں کے ساتھ متعلق ہوتا ہے ایک تو ان چیزوں کے ساتھ جو شرعاً اور لغتہ" اختیاری کہلاتی ہیں دوسرے ان چیزوں سے جو غیر اختیاری کہلاتی ہیں۔

یہ اختیار بھی ایسی ہی چیز ہے جس کی حقیقت اس قدر بدیہی ہے کہ جانور تک اس کو جانتے ہیں چنانچہ اگر کوئی کتے کو لکڑی سے مارے تو وہ مارنے والے پر حملہ کرتا ہے لکڑی پر حملہ نہیں کرتا۔ تو مختار اور مجبور میں وہ بھی فرق سمجھتا ہے۔ نیز وہی شخص جو بندے سے اختیار کی نفی کرتا ہے اگر اس کا کوئی نوکر کام بگاڑ دے تو عین اس وقت جب کہ وہ زبان سے اختیار کی نفی کر رہا ہوتا ہے یہ اپنے اندر اس بناء پر غصہ پاتا ہے کہ تو اپنے اختیار سے اس کام کے بگاڑنے سے بچ سکتا تھا مگر تو نے اختیار سے کام نہیں لیا۔

تو حقیقت اس کی ایسی بدیہی ہے لیکن اگر اس میں زیادہ غور و خوض سے کام لیا جائے اور تحقیق کے درپے ہوں تو وہی حقیقت نظری ہو جاتی ہے۔ اس لئے شریعت نے نہایت شفقت سے اجمالاً اعتقاد رکھنے کو فرض قرار دیا اور غور و خوض کرنے سے منع فرما دیا۔

دوسرا جواب

گو بندے کے افعال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور ارادہ کا تعلق ہے اور اس تعلق کا اثر یہ ہے کہ اس مقدر کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا لیکن ایسے تعلق سے بھی بندے کے اختیار اور قدرت کی نفی نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ تعلق اس طرح ہے کہ فلاں شخص فلاں کام فلاں وقت اپنے اختیار و قدرت سے کرے گا۔ تو تقدیر جس طرح

بندے کے فعل کے ساتھ متعلق ہوتی ہے اسی طرح اس کی قدرت و اختیار کے ساتھ بھی متعلق ہوتی ہے۔ سو اگر تقدیر کے تعلق سے اس فعل کا ہونا لازمی ہوا ہے تو اسی تعلق سے بندے کے اختیار اور قدرت کا وجود بھی لازم ہوا۔ تو مسئلہ تقدیر سے اختیار و قدرت کی نفی کے بجائے اس کا وجود اور زیادہ موکد ہو گیا۔ للذا یہ شبہ نہ رہا کہ جب بندے کو قدرت و اختیار نہیں پھر اس پر کیا الزام۔

لیکن یہ جواب بھی صرف مسکت ہے کیونکہ اگر اس کی کنہ اور حقیقت میں غور و خوض کیا جائے تو شبہ باقی رہتا ہے۔ لہٰذا اصل جواب پہلا ہی ہے کہ تقدیر اور اختیار کا مسئلہ اصل میں فطری و بدیہی ہے اور عقل و نقل سے ثابت ہے اس لئے ماننا ضروری ہے اور خوض سے پہلے اس میں کوئی اشکال نہیں۔ اور خوض کرنے سے چونکہ اشکالات پیدا ہوتے ہیں جن کا نہ دور کرنا ممکن اور نہ ہی اس کا کوئی نتیجہ ہے اس لئے خوض سے ممانعت فرما دی گئی اور بوجہ مضر ہونے کے عقلاً بھی ممانعت ہو گی۔

دوسرا اشکال

ہمارا ایمان ہے کہ خدا تعالیٰ علیم کل اور عالم الغیب ہے۔ اس کا عالم الغیب ہونا اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ اسے مستقبل کے ہر چھوٹے سے چھوٹے واقعہ کا علم حاصل ہے لہٰذا ہر کام کے لئے ایک طریق کار قبل از وقت مقرر ہو گیا۔ پھر اگر زید نے بکر کے قتل کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ کو اس کی بھی خبر تھی اور اس نے بکر کو قتل کیا وہ بھی اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا یعنی اسے معلوم تھا کہ زید بکر کو قتل کرے گا اور اسی طرح اس کام کو ہونا چاہئے تھا ورنہ علم الٰہی باطل ٹھہرتا ہے۔ جب ہم خدا تعالیٰ کے اس علم غیب کو ہر انسان کے مستقبل پر منضبط کرتے ہیں تو ہمیں انسان کو مجبور محض ماننا پڑتا ہے اور خدا تعالیٰ کے عالم الغیب ہونے کی صفت پر ایمان رکھنا فیٹلزم (جبریت FATALISM) کو ماننے کے مترادف ٹھہرتا ہے۔ اب اس FATALISM (جبریت) کا نام سنتے ہی ہم اپنے آپ کو اس عقیدہ سے بری الذمہ قرار دیتے ہیں اور

کہتے ہیں نہیں اپنے افعال میں ہم خود مختار اور ذمہ دار ہیں جیسا چاہیں کر لیں۔ اس حالت میں خدا کو ہمارے افعال کے علم سے نعوذ باللہ خالی ماننا پڑتا ہے۔ علاوہ ازیں خدا کو عالم الغیب مان کر ہم دعا مانگنے کو بھی بے کار کہنے پر مجبور ہوتے ہیں کیونکہ ہر کام کو اسی طرح ہونا چاہئے جیسا کہ اس کے متعلق خدا تعالیٰ کو علم ہو چکا ہے معاذ اللہ وہ خود بھی اپنے علم کے خلاف جو کہ ابھی سے مکمل ہے آئندہ کچھ نہیں کر سکتا کیونکہ علم غلط ٹھہرتا ہے۔

جواب

یہ یقین ہے کہ اختیار کا وجود بدیہی بلکہ حسی و مشاہد اور جو چیز یقینی بدیہی اور حسی ہو اس کی مخالفت میں اگر غیر یقینی دلیل کو لائیں تو بداہت و حس کی نفی نہیں کریں گے بلکہ دلیل کو غلط کہیں گے اگرچہ دلیل میں غلطی کی تعیین نہ کر سکیں۔

مثلاً اگر ریاضی کی دلیل سے معلوم ہو کہ فلاں تاریخ فلاں وقت فلاں مقام میں پورے سورج کا گہن ہو گا۔ لیکن مشاہدہ سے گہن کا عدم وقوع ثابت ہو تو مشاہدہ کو غلط نہ کہا جائے گا بلکہ یہی کہیں گے کہ حساب میں غلطی ہو گئی گو یہ تعیین نہ ہو سکے کہ کہاں غلطی ہوئی اور کیا غلطی ہوئی ہے۔ اسی طرح یہاں جب اختیار کی نفی کی دلیل لائے حالانکہ اختیار کا وجود یقینی اور حسی ہے ہر شخص اپنے آپ کو خود مختار پاتا ہے کسی کا پابند نہیں پاتا تو ہم دلیل ہی کو غلط سمجھیں گے خواہ وہ غلطی کچھ ہی ہو۔ مثلاً اشکال میں مذکور دلیل میں یہ غلطی ہے کہ علم باری تعالیٰ جو واقعہ قتل کے ساتھ متعلق ہوا ہے کہ یہ قتل قاتل کے اختیار کے ساتھ ہو گا تو اس سے تو اختیار کا وجود اور زیادہ موکد ہو گیا نہ کہ معدوم ورنہ خلاف علم الٰہی لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ قاتل اپنے اختیار سے قتل کرے گا اور مذکورہ دلیل کی بنا پر لازم آئے گا کہ قاتل محض مجبور ہو کر قتل کرتا ہے۔

تیسرا اشکال

جب بندہ کا ارادہ و اختیار خدا کے ارادہ و اختیار کے تابع ہے تو انسان مجبور ٹھہرتا ہے نیک و بد افعال میں قادر نہیں ٹھہرتا۔

جواب

انسان کا ارادہ و مشیت اس کی ایک صفت ہے اور یقیناً تمام صفات فرع ہوتی ہیں وجود کی۔ انسان اول موجود ہے پھر باارادہ و بااختیار ہے اگر موجود نہ ہو تو ارادہ و اختیار بھی حاصل نہ ہو۔

اب سمجھئے کہ اسلام کی یہ تعلیم کہ انسان کا ارادہ و مشیت خدا تعالیٰ کے ارادہ و مشیت کے تابع ہے ویسی ہی ہے جیسے یہ تعلیم ہے کہ انسان کا وجود خدا کے وجود کے تابع ہے۔ جس طرح انسان کا وجود بغیر وجود الٰہی کے نہیں ہو سکتا اسی طرح اس کا ارادہ بغیر ارادۂ خداوندی کے نہیں ہو سکتا۔

اب اگر انسان کے ارادہ کو ارادہ خداوندی کا تابع ماننے سے اس کا مجبور ہونا اور اس کے ارادہ کا معدوم ہونا لازم آئے تو چاہئے کہ انسان کے وجود کو خدا کے وجود کا تابع ماننے سے انسان کے وجود کا معدوم ہونا بھی لازم آئے کیونکہ جبر و اضطرار اسی طرح ارادہ و اختیار کی ضد ہے جس طرح عدم وجود کی ضد ہے حالانکہ انسان کے وجود کا وجود الٰہی کے تابع ہونا ہر عاقل تسلیم کرتا ہے اور باوجود تابع ماننے کے سب اس کو موجود سمجھتے ہیں۔ تو اس کی کیا وجہ کہ انسان کے ارادہ و اختیار کو خدا کے ارادہ و اختیار کے تابع ماننے سے اس کا مجبور و مضطر ہونا لازم آئے۔

بندوں کی قدرت و اختیار کا بیان

قرآن پاک میں ہے لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا یعنی اللہ تعالیٰ کسی شخص کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی طاقت کے موافق۔ پس جو چیز بندے کی طاقت و

استطاعت سے باہر ہو عام ہے کہ وہ فی نفسہ ممتنع (IMPOSSIBLE) ہو جیسا ضدین کا جمع کرنا مثلاً بیک وقت کھڑا ہونا اور بیٹھنا یا فی نفسہ ممکن ہو لیکن بندے سے نہ ہو سکے مثلاً جو شخص کسی عارضہ کی وجہ سے کھڑے ہونے سے بالکل عاجز ہو اس کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنا۔ اللہ تعالیٰ اس کے کرنے کا حکم بندے کو نہیں دیتا۔

استطاعت کے دو معنی ہیں۔

پہلا معنی

سلامتی آلات و اسباب۔

اس معنی میں استطاعت پر انسان کے مکلف کئے جانے کا دار و مدار ہوتا ہے۔ جو شخص جس چیز کے لئے آلات و اسباب نہیں رکھتا اس کو اس کام کی استطاعت نہیں لہذا اللہ تعالیٰ اس کو وہ کام کرنے کا حکم نہیں دیتا۔ اور جس چیز کے آلات و اسباب رکھتا ہو گا اس کو اس کام کی استطاعت ہے لہذا اس کے کرنے کی اللہ تعالیٰ بندے کو تکلیف دیتا ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ہے وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے جن شخصوں پر کہ کعبہ تک جانے کی طاقت رکھتے ہیں حج فرض ہے۔

دوسرا معنی

وہ قدرت حقیقی جو کام کرنے کے وقت پائی جاتی ہے۔

اس قدرت کے سبب سے بندہ افعال اختیاری کو کرتا ہے اور اگر یہ قدرت نہ ہو تو وہ افعال اختیاری نہ کر سکے۔ غرض افعال کے ادا کرنے میں سلامتی اسباب و آلات کے بعد یہ قدرت شرط ہے۔

اس کی صورت یہ ہے کہ کسی کام کو کرنے کے اسباب و آلات کی سلامتی جب بندے کو حاصل ہو اور بندہ اس کام کو کرنے کا مصمم ارادہ کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کام کو کرنے کی قدرت بندے کو عطا فرما دیتے ہیں۔ اگر بندہ نیک کام کرنے کا ارادہ کرتا

ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو نیک کام کرنے کی قدرت عطا فرما دیتے ہیں اور برے کام کا قصد کرتا ہے تو اس کو برے کام کی قدرت بخش دیتے ہیں۔

پس جس وقت چور نے چوری کا ارادہ کیا اور اللہ نے حسب عادت اس کو اس کی قدرت دی تو گویا اس چور نے نیک کام کی قدرت زائل کر دی کیونکہ اگر اس چوری کا ارادہ نہ کرتا بلکہ نماز کا قصد کرتا تو حسب عادت اس کو نماز کی قدرت عطا ہوتی۔ بس اسی سبب سے بندہ افعال بد میں ذم و عقاب کا مستحق اور افعال خیر میں مدح و ثواب کا مستحق ہوتا ہے اور ارادے کے سبب سے اس کو ثواب و عقاب ہوتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ قدرت دو مختلف چیزوں (یعنی خیر اور شر) کی صلاحیت رکھتی ہے پس جس نے کفر اختیار کیا تو اس نے ایمان کی قدرت کو زائل کر دیا کیونکہ یہی قدرت ایمان کے لئے بھی تھی اس سبب سے عقاب کے قابل ہوا اور اگر اس قدرت کو ایمان میں صرف کرتا تو ثواب کا مستحق ہوتا۔

بعض اعمال مثلاً دعا سے تقدیر و قضا کا بدل جانا

ایک حدیث میں آتا ہے لا یرد القضاء الا الدعاء (دعا قضا کو پھیر دیتی ہے) تو جاننا چاہئے کہ تقدیر کے دو درجے ہیں ایک تقدیر مبرم ہے جو ازل ہے اور اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ اور دوسری تقدیر معلق ہوتی ہے (یعنی وہ تقدیر جو کسی عمل کے ساتھ معلق ہو) اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض چیزوں کو جب فرشتوں کو نافذ و جاری کرنے کے لئے بتاتے ہیں تو ان کے بارے میں یوں ذکر ہوتا ہے کہ ------- فلاں شخص کے ساتھ ایسا معاملہ کرنا لیکن اگر وہ مثلاً دعا کرے یا صدقہ کرے تو اس کے ساتھ ویسا معاملہ کرنا یہ تقدیر معلق کہلاتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے علم و ارادہ میں ہوتا ہے کہ بالآخر وہ بندہ دعا کرے گا یا نہیں کرے گا اور اس کے ساتھ بالآخر (FINALLY) یہ معاملہ کیا جائے گا۔ یہ تقدیر مبرم کہلاتی ہے۔ تقدیر معلق کے درجے میں تو تغیر و تبدل ہو سکتا ہے لیکن تقدیر مبرم کے درجے میں کچھ تغیر و تبدل

نہیں ہوتا۔ جس کو علم کہتے ہیں کہ وہ اٹل ہوتا ہے اور جیسا کہ حدیث میں بھی آتا ہے لا راد لقضائہ (اللہ کی قضا کو کوئی چیز پھیرنے والی نہیں) تو وہ تقدیر مبرم ہوتی ہے اور جس کو ہم کہتے ہیں کہ بعض اعمال سے بدل جاتی ہے اور جیسا کہ حدیث میں ہے لا یرد القضاء الا الدعاء (دعا تقدیر کو پھیر دیتی ہے) تو اس سے مراد تقدیر معلق ہے۔

سولھواں باب

امامت و خلافت

خلافت اور امامت کی بحث اہل سنت و الجماعت کے نزدیک اگرچہ اصول دین میں سے نہیں لیکن چونکہ روافض اور اہل بدعت نے اس میں بہت افراط و تفریط کی ہے اس لئے علماء حق نے اس بحث کو علم کلام (عقائد) میں داخل کر دیا تاکہ حقیقت حال واضح ہو جائے۔

مسلمانوں پر واجب ہے کہ جس شخص کو دینی اور دنیوی اور سیاسی اور انتظامی امور میں ممتاز دیکھیں اس کو باہمی اتفاق سے اپنا امام اور خلیفہ مقرر کرلیں تاکہ وہ مسلمانوں کے دینی اور دنیوی امور کا انتظام کرے اس لئے کہ مسلمانوں کے باہمی نزاعات کا شریعت کے مطابق فیصلہ اور حدود و قصاص کا جاری کرنا اور اسلامی سلطنت کی حفاظت کرنا اور کافروں سے جہاد کے لئے لشکر تیار کرنا اور چوروں اور بدمعاشوں کا انتظام کرنا اور ضعیف اور کمزور اور مجبور و معذور مسلمانوں کے معاش اور پرورش کا انتظام کرنا مظلوم کا ظالم سے انصاف کرنا کمزور کا زور آور سے حق دلانا وغیرہ یہ تمام امور عقلاً و شرعاً واجب ہیں اور یہ کام کسی امیر اور حاکم کے بغیر انجام نہیں پا سکتے لہٰذا معلوم ہوا کہ امیر کا مقرر کرنا فرض اور واجب ہے۔

صحابہ کرام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ حضرت ابوبکر صدیق کو اپنا امیر مقرر کیا۔ اگر خلیفہ اور امیر کا مقرر کرنا شرعاً فرض نہ ہوتا تو صحابہ کرام انتخاب امیر کے مسئلہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن پر مقدم نہ کرتے اور صحابہ کرام کا اجماع خود ایک مستقل حجت و دلیل ہے۔

اسلامی حکومت کی تعریف

اسلامی حکومت وہ حکومت ہے جس کا نظام مملکت اسلامی شریعت کے ماتحت اور

اس کے مطابق ہو اور اس کا دستور اور آئین و قانون بھی شریعت کے مطابق ہو اور وہ اپنے آپ کو دین و شریعت کا پابند سمجھتی ہو۔

خلافت راشدہ

اگر حکومت کا ملکی و ملی تمام نظام منہاج نبوت پر ہو تو ایسی حکومت کو خلافت راشدہ کہتے ہیں اس لئے کہ جو حکومت سراسر منہاج (طریق) نبوت پر ہوتی وہ یقیناً راشدہ (سراپا رشد و ہدایت) ہو گی۔

اور خلیفہ راشد وہ ہے جو علم اور عمل صالح اور پرہیز گاری و تقویٰ میں نبی کا نمونہ ہو۔ ظاہر میں حکمران اور باطن میں اعلیٰ درجہ کا ولی ہو اور اس کی ولایت نبی کی نبوت کا عکس ہو۔ پس جس تن اور بدن میں حکمرانی اور ولایت دونوں جمع ہو جائیں تو وہ تن اور بدن خلیفہ راشد ہے۔

اور اگر حکومت کا نظم و نسق منہاج نبوت پر نہ ہو تو اگر اس میں عدل و انصاف اور امانت و دیانت غالب ہو تو وہ حکومت حکومت عادلہ کہلائے گی ورنہ حکومت ظالمہ اور جائرہ کہلائے گی۔

بادشاہ اسلام

بادشاہ اسلام وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کو ملک کا مالک حقیقی اور حاکم اصلی جانے اور مانے اور خدا کا بندہ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہونے کی حیثیت سے قانون شریعت کے مطابق ملک کا انتظام کرے۔ لہٰذا اسلامی حکومت کے فرماں روا کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو اور نبی آخر الزماں پر ایمان رکھتا ہو۔

بادشاہ اسلام کی تعریف میں نائب نبی ہونے کی حیثیت سے انتظام کرنے کی قید اس

لئے لگائی تاکہ انبیاء کرام اور خلفائے اسلام میں فرق ظاہر ہو جائے اس لئے کہ انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اور نائب ہوتے ہیں کما قال تعالیٰ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا بے شک میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں)۔ اور یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ (اے داود بے شک ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے)

اور خلیفہ اسلام اور بادشاہ اسلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہوتے ہیں اور اسی حیثیت سے آپ کی شریعت کے مطابق حکم چلاتے ہیں۔

تنبیہہ

اگر حکومت زبان سے تو اسلام کا اقرار کرتی ہو مگر درپردہ دیدہ و دانستہ بے دین لوگوں کے مشورہ سے ملک میں ایسے قوانین اور احکام جاری کرتی ہے جو کتاب و سنت اور اجماع امت کے صریح خلاف ہیں تو ایسی حکومت حکومت نفاق ہے اور یہ دین اسلام کے لئے سم قاتل ہے ایسی حکومت ضالہ کی مخالفت اور منازعت بقدر استطاعت شرعاً و عقلاً فرض ہے بشرطیکہ اس حکومت اور اقتدار کے ختم ہو جانے کے بعد حکومت عادلہ اور ریاست صالحہ کے قائم ہو جانے کا یقین یا ظن غالب ہو۔ اگر ایسا یقین یا ظن غالب نہ ہو تو پھر فی الحال صبر کرنا چاہئے اور اصلاح احوال کی جو بھی کوشش ہو سکتی ہو اس سے دریغ نہ کرنا چاہئے۔

خلیفہ اور امیر کی شرائط

ا۔ وہ مسلمان ہو۔

کسی کافر کو اسلامی سلطنت کا سربراہ اور امیر بنانا تو درکنار کافر کو تو وزارتی یا فوجی یا سول کسی قسم کا کلیدی عہدہ دینا بھی جائز نہیں ہے اور نہ ہی کافروں سے سلطنت کے

سیاسی اور اہم امور میں مشورہ لینا جائز ہے۔

۲۔ وہ عاقل اور بالغ ہو۔ بے وقوف اور نابالغ تو اپنا ہی انتظام نہیں کر سکتا وہ سلطنت کا انتظام کیسے کر سکتا ہے۔

۳۔ اس کی گویائی سماعت اور بصارت درست اور سالم ہو تاکہ حقیقت حال کو سمجھنے میں کوئی اشتباہ نہ رہے۔

۴۔ وہ شجاع، مدبر اور صاحب رائے ہو۔ آرام طلب، ناتجربہ کار اور غیر ذی رائے نہ ہو۔

ایک اعرابی کا کسی عیسائی سلطنت پر گزر ہوا تو وہاں کے امیر نے اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق دریافت کیا تو اس نے جواب دیا۔

امیرنا لا یخدع ولا یخدع ہمارا امیر (یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ) نہ کسی کو دھوکہ دیتا ہے اور نہ کسی کے دھوکہ میں آتا ہے۔

۵۔ وہ مرد ہو عورت نہ ہو۔ اس پر امت کے مجتہدین کا اجماع ہے اور حدیث میں ہے۔

لن یفلح قوم ولوا امرھم امراۃ وہ قوم ہرگز کامیاب نہیں ہو گی جس نے اپنا ملکی انتظام عورت کے ہاتھ میں دے دیا۔

۶۔ وہ عادل یعنی انصاف کرنے والا ہو اور امین یعنی سراپا امانت ہو۔ امانت کا ایک اہم جزو یہ ہے کہ حکومت کا کوئی عہدہ اور کوئی منصب کسی نااہل اور غیر مستحق کو نہ دے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ (اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مالکوں کو ادا کرو اور لوگوں میں جب کوئی فیصلہ کرو تو انصاف سے کرو)۔

۷۔ وہ قریشی ہو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے الائمة من قریش۔

۸۔ وہ عالم دین ہو اور متقی و پرہیز گار ہو بامروت اور صاحب اخلاق ہو اس لئے

کہ اسلامی حکومت کا سب سے اہم اور مقدم فریضہ شعائر اسلام کا اعزاز اور احترام اور ملت اسلامیہ اور شریعت محمدیہ کی ترویج اور علوم اسلامیہ کو زندہ رکھنا ہے اور یہ باتیں علم دین کے بغیر سرانجام نہیں پا سکتیں اور جو شخص خود متقی اور پرہیز گار نہ ہو گا وہ ملک سے حکام کے ظلم و ستم اور رشوت ستانی وغیرہ کو دور نہیں کر سکے گا۔

امامت کے بارے میں مذہب شیعہ

شیعہ کہتے ہیں کہ امامت کے لئے عصمت بھی ضروری ہے یعنی یہ ضروری ہے کہ امام ہاشمی اور فاطمی اور امام حسن اور امام حسین کی اولاد میں سے ہو اور معصوم اور صاحب وحی و الہام ہو کیونکہ معصوم کے بغیر دنیا کے فتنہ و فساد کا انسداد نہیں ہو سکتا۔ اہل سنت کہتے ہیں کہ عصمت نبوت کا خاصہ لازمہ ہے۔ سوائے نبی کے کوئی شخص معصوم نہیں۔ خاتم الانبیاء کے بعد کسی کو معصوم اور صاحب وحی و الہام اور واجب الاطاعت ماننا درپردہ ختم نبوت کے انکار اور اجراء نبوت کے ہم معنی ہیں۔ عصمت فقط نبوت کے لئے لازم ہے۔ امام و امیر کا کام خاتم الانبیاء کی شریعت کو جاری اور نافذ کرنا ہے لہٰذا امام و امیر کے لئے نبی کی شریعت کا عالم باعمل اور متقی و پرہیز گار ہونا ضروری ہے۔

نیز ائمہ اہل بیت نے کبھی عصمت کا دعویٰ نہیں کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے متعدد مسائل میں حضرت ابن عباس کے کہنے سے رجوع کیا۔ نیز شیعوں کی کتابوں میں ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے بھائی امام حسن رضی اللہ عنہ سے اس بات پر ناراض تھے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کیوں صلح کی۔ حضرات شیعہ کے نزدیک جب امام حسن امام معصوم اور صاحب وحی و الہام تھے تو ان کی صلح پر دل و جان سے ایمان لانا چاہئے تھا۔

فرائض امیر مملکت اور خلیفہ

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ ازالۃ الخفاء فی خلافۃ الخلفاء میں فرماتے ہیں کہ خلیفہ کے فرائض یہ ہیں:

۱۔ خلیفہ (یعنی بادشاہ اسلام) پر دین محمدی کا اس طرح محفوظ رکھنا واجب اور ضروری ہے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مشہورہ سے ثابت ہوا ہے اور جس پر سلف صالحین کا اجماع اور اتفاق منعقد ہو چکا ہے۔

۲۔ خلاف شرع امور کا مٹانا لازم اور فرض ہے بایں طور کہ مرتدوں اور زندیقوں اور ملحدوں کو قتل کرے اور اہل بدعت کو سزا دے (تاکہ دین میں کسی قسم کا خلل نہ آئے)۔

۳۔ وہ ارکان اسلام اور شعائر دین کو قائم کرے مثلاً جمعہ اور جماعت اور روزہ اور زکوۃ اور حج کو اپنی جگہ میں ان ارکان کو بذات خود قائم کرے اور مقامات بعیدہ میں ائمہ مساجد اور زکوۃ وصول کرنے والوں کو مقرر کرے اور مسلمانوں کو حج کرانے کے لئے ایک امیر حج مقرر کرے۔

۴۔ جس قدر ممکن ہو وہ بذات خود علوم دینیہ کو زندہ کرے اور زندہ رکھے اور ہر شہر میں علوم دینیہ کے درس کے لئے مدرسین کا تقرر کرے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن مسعود کو صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ کوفہ میں علوم دینیہ کی تعلیم کے لئے مقرر فرمایا اور معقل بن یسار اور عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہما کو بصرہ میں علوم دینیہ کی تعلیم دینے کے لئے مدرس بنا کر بھیجا۔

۵۔ وہ اہل خصومت اور اہل دعوی کے درمیان شریعت کے مطابق فیصلہ کرے اور اس کے لئے (جابجا) قاضی مقرر کرے

۶۔ وہ تمام اسلامی علاقوں کو کافروں اور رہزنوں اور غاصبوں کے شر و فساد سے محفوظ رکھے۔

۷۔ وہ دارالاسلام کی تمام سرحدوں کی دشمنوں سے حفاظت کرے بایں طور کہ فوجوں اور آلات جنگ سے سرحدوں کو معمور رکھے (تاکہ دشمن اچانک حملہ نہ کر سکے)

۸۔ وہ (بشرط قدرت) دشمنان خدا سے جس طرح ممکن ہو جہاد کرے خواہ اس جہاد کی ابتداء مسلمانوں کی طرف سے ہو یا ابتداء کافروں کی طرف سے ہو اور مسلمانوں کی طرف سے مدافعت ہو۔

۹۔ وہ جہاد کے لئے لشکروں کو مرتب کرے اور مجاہدین کے لئے وظیفہ اور تنخواہ مقرر کرے۔

۱۰۔ وہ کافروں سے جزیہ اور خراج وصول کرے اور مجاہدین پر اس کو تقسیم کرے۔

۱۱۔ وہ قاضیوں اور مفتیوں اور مدرسوں اور ائمہ مساجد کے مشاہرے اور وظیفے اور تنخواہیں اپنی رائے سے ایسے مقرر کرے کہ اسراف اور بخل دونوں سے خالی ہوں۔

۱۲۔ وہ امور سلطنت کے لئے جن عمال اور حکام کا تقرر کرے وہ امانت دار اور عادل ہوں اور سلطنت اور مسلمانوں کے خیر خواہ ہوں۔

۱۳۔ وہ خود رعایا اور فوج اور حکام اور امراء لشکر اور قاضیوں وغیرہ کے حالات کی ہمیشہ پوری نگرانی اور خبرداری رکھے تاکہ سلطنت میں کسی قسم کی کوئی خیانت اور ظلم نہ ہونے پائے۔

۱۴۔ اس کے ذمے یہ بھی واجب ہے کہ مسلمانوں کا کوئی کام اور کوئی عہدہ کسی کافر کے ہرگز سپرد نہ کرے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے نہایت سخت ممانعت فرمائی ہے چنانچہ عارف سہروردی نے عوارف میں وثیق رومی (نصرانی) سے روایت کیا ہے کہ میں عمر کا غلام تھا پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجھ سے فرمایا کرتے تھے کہ اے وثیق تو اسلام قبول کر لے کیونکہ اگر تو مسلمان ہو جائے تو میں تجھ سے

مسلمانوں کے کام میں مدد لوں اس لئے کہ یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ مسلمانوں کے کاموں میں ایسے شخص سے مدد لوں جو مسلمانوں میں سے نہ ہو۔" وثیق کہتے ہیں کہ میں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا دین میں زبردستی نہیں پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے مجھ کو آزاد کر دیا اور یہ فرمایا کہ جہاں تیرا جی چاہے چلا جا۔

(غرض یہ کہ مسلمان بادشاہ کے لئے یہ ہرگز جائز نہیں کہ کافر کو کوئی وزارتی یا افسری یا کسی قسم کا کلیدی عہدہ سپرد کرے بلکہ کافروں سے مملکت کے سیاسی امور میں مشورہ لینا بھی جائز نہیں۔

طریقہ انتخاب امیر

انتخاب امیر کے چند طریقے ہیں۔

پہلا طریقہ: اہل حل و عقد یعنی علماء و صلحاء اور ملک کے امراء و اہل رائے و دانش لوگ جو اسلام اور مسلمانوں کے سچے خیر خواہ ہوں اپنے اتفاق اور رضامندی سے کسی کو اپنا امیر منتخب کریں تو وہ امیر اور خلیفہ بن جاتا ہے اور مسلمانوں پر اس کی اطاعت واجب ہو جاتی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا انعقاد اسی طریقہ سے ہوا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اسی طریقے سے خلیفہ بنے۔

دوسرا طریقہ: ایسا امیر و خلیفہ جس کی امانت و دیانت اور خیر خواہی لوگوں میں مسلم ہو وہ اپنی صوابدید سے کسی کو نامزد کر دے جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وفات کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلافت کے لئے نامزد فرما دیا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو نامزد کرنے سے پہلے دیگر اکابر صحابہ سے مشورہ بھی کیا تھا۔

تیسرا طریقہ: امیر و خلیفہ (جو خود اہلیت کی شرائط پر پورا اترتا ہو) امارت و خلافت کو

کسی معین جماعت میں دائر کر دے کہ جو امارت اور حکومت کی اہل ہو اور یہ کہہ دے کہ اس جماعت میں سے کسی ایک کو امیر منتخب کر لیا جائے۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت چھ آدمیوں کو نامزد کیا یعنی حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ حضرت زبیر حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور یہ وصیت کر دی کہ ان چھ آدمیوں میں سے کسی ایک کو اپنا خلیفہ مقرر کر لینا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اسی طرح سے خلیفہ منتخب ہوئے۔

زبردستی امیر و خلیفہ بننا

انعقاد و امارت و خلافت کا چوتھا طریقہ استیلاء یعنی غلبہ و تسلط ہے یعنی مذکورہ بالا تینوں طریقوں سے ہٹ کر کوئی شخص اپنے غلبہ و تسلط سے خلافت حاصل کر لے اور کسی طریقے سے لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لے تو یہ بھی امیر اور خلیفہ بن جائے گا۔

ویسے تو یہ طریقہ اصول کے خلاف ہے اور ہونا تو یہ چاہئے کہ ایسے امیر کو امارت سے ہٹا دیا جائے لیکن جس شخص میں اقتدار کی ہوس ہو اور اس نے بہت بڑی قوت بہم پہنچا کر پوری سلطنت پر قبضہ کر لیا ہو اور سلطنت کے وسائل بھی حاصل کر لئے ہوں ظاہر ہے اس حکومت کو ہٹانے کے لئے بہت بڑی قوت چاہئے اور وہ بھی مخلص اور جانثاروں کی۔ اول تو اتنی قوت فراہم ہونا دشوار ہے۔ اور اگر کوئی صاحب عزیمت جانثاروں کی کچھ جماعت لے کر مقابلہ پر آ ہی جائے جیسا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور بعض دیگر حضرات نے کیا تو تجربہ سے معلوم ہوا کہ اس میں خونریزی اور فساد کا اندیشہ زیادہ ہے اور اصلاح احوال کی امید کم ہے۔ اور ناکامی کی صورت میں اس بات کا بھی قوی اندیشہ ہے کہ حکمران مسلمانوں اور اسلام کو زیادہ نقصان پہنچائیں۔ اور اگر دوسری عام قوتوں کے ساتھ شریک ہو کر اس حکمران کو معزول کرنے اور ہٹانے میں کامیاب بھی ہو گئے تو اس کا بھی احتمال ہے کہ اس کی جگہ ایسا شخص آ جائے جو اسی کی

طرح کا ہو یا اس سے بھی بدتر ہو۔ لہٰذا جب ایسے حکمران کو ہٹانے کی قوت نہ ہو یا اس کو ہٹانے میں فتنہ و فساد یقینی ہو تو اس وقت مناسب یہی ہے کہ صبر کیا جائے اور حکمران اور حالات کی جہاں تک ممکن ہو اصلاح کی کوشش کی جائے۔

تنبیہہ: جب اہل حل و عقد نے امیر منتخب کرنا ہو تو ضروری ہے کہ صرف اس شخص کو منتخب کرے جس میں امیر کی تمام شرائط پائی جاتی ہوں۔ البتہ جب کوئی اپنی قوت و غلبہ سے زبردستی امیر و خلیفہ بن جائے تو تمام شرائط کا اس میں پایا جانا ضروری نہیں ہے کیونکہ وہ اپنے اختیار میں نہیں ہے کسی شرط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ امارت و خلافت نہیں ہے۔ سلاطین عثمانیہ اگرچہ قریشی نہیں تھے لیکن اسی ضابطہ کے تحت ان کی امارت بھی خلافت ہی تھی۔ یہ کہنا کہ چونکہ وہ قریشی نہیں تھے لہٰذا ان کی امارت کو خلافت نہیں کہہ سکتے صحیح نہیں ہے۔

سترھواں باب

ایمان کا بیان

لغت عرب میں ایمان کے معنی تصدیق کے ہیں یعنی کسی کو سچا سمجھ کر اس کی بات پر یقین کرنا اور اس کو قبول کرنا اور ماننا۔

اصطلاح شریعت میں وہ تمام دینی امور جن کا یقینی طریقے سے دین محمدی سے ہونا ثابت ہے ان کو نبی کے بھروسہ پر دل سے سچا جاننے اور ماننے کو ایمان کہتے ہیں۔

یہ یقینی الثبوت چیزیں بہت سی ہیں لیکن ان میں سے پانچ چیزوں کی اور بھی زیادہ تاکید ہے۔

اول: اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے۔ اس کو تمام صفات حسنہ سے موصوف اور بری صفتوں سے پاک سمجھے۔

دوسرے: فرشتوں کو حق سمجھے۔

تیسرے: تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لائے

چوتھے: کتابوں کو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں پر خلق کی ہدایت کے لئے نازل کی تھیں ان کو حق سمجھے۔

پانچویں: مرنے کے بعد زندہ ہونے اور قیامت کے آنے کو حق سمجھے۔

قرآن مجید میں ان چیزوں پر ایمان لانے کی بہت تاکید ہے اور جابجا ان کا ذکر ہے مثلاً

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنزَلَ مِن قَبْلُ ۚ وَمَن يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَ

رُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا (سورہ نساء: ۱۳۶)

اے ایمان والو تم اعتقاد رکھو اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ اور اس کتاب کے ساتھ جو اس نے رسول پر نازل فرمائی اور ان کتابوں کے ساتھ جو کہ پہلے نازل ہو چکی ہیں۔ اور جو شخص اللہ کا انکار کرے اور اس کے فرشتے کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور روز قیامت کا تو وہ گمراہی میں بڑی دور جا پڑا۔

اور حدیث میں بھی ان کا بہت ذکر ہے ان کا قدر مشترک حد تواتر کو پہنچ گیا ہے۔ چنانچہ بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کی تفسیر پوچھی تو آپ نے فرمایا ان تومن باللہ و ملئکتہ و کتبہ و رسولہ و الیوم الآخر ایمان یہ ہے کہ اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو اور اس کے رسولوں کو اور قیامت کے دن کو حق جانے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ خیر اور شر اللہ کی تقدیر سے ہے اس پر بھی ایمان لائے۔

زبان سے اقرار

امام شمس الائمہ اور امام فخر الاسلام کے نزدیک ایمان کے رکن دو ہیں۔ ایک تصدیق قلب اور دوسرے زبان سے اقرار۔ لیکن ان کے نزدیک بھی کسی عذر اور مجبوری سے زبانی اقرار ساقط ہو سکتا ہے۔

جمہور محققین اور امام ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ کے نزدیک ایمان فقط تصدیق قلبی کا نام ہے۔ رہا زبان سے اقرار تو وہ دنیا میں اس پر مسلمان ہونے کا حکم لگانے کے لئے شرط ہے۔ کیونکہ تصدیق قلبی ایک پوشیدہ چیز ہے ہر ایک شخص اس کو نہیں جانتا لہٰذا ضروری ہے کہ اس کے لئے کوئی علامت ہو کہ اس سے وہ تصدیق معلوم ہو جایا کرے۔ سو وہ علامت زبان کا اقرار ہے۔

جمہور کے قول کی تائید ان آیات سے ہوتی ہے۔

اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ — ان لوگوں کے دلوں میں ایمان لکھ دیا ہے

وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ — اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو

وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ — اے اعراب ابھی تمہارے دل میں ایمان داخل نہیں ہوا ہے

ان آیات سے ثابت ہوا کہ ایمان دل سے ہوتا ہے نہ کہ زبان سے۔

ایمان اور اعمال صالحہ

اعمال صالحہ سے ایمان کو روشنی اور رونق حاصل ہوتی ہے لیکن اعمال ایمان کا جزو نہیں۔ اسی وجہ سے برے اعمال کرنے سے ایمان ختم نہیں ہوتا البتہ رونق جاتی رہتی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے۔

۱۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اعمال صالحہ کی صحت کے لئے ایمان کو شرط ٹھہرایا ہے اور قاعدہ ہے کہ مشروط شرط میں داخل نہیں ہوتا وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ یعنی جو کرے نیک کام خواہ مرد ہو خواہ عورت ہو بشرطیکہ مومن ہو۔

۲۔ قاعدہ ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ ایک دوسرے کے غیر ہوتے ہیں۔ قرآن پاک میں اعمال کو ایمان پر عطف کیا اور اعمال کو معطوف اور ایمان کو معطوف علیہ قرار دیا ہے لہٰذا اس قاعدے کے مطابق ایمان سے غیر ہونے چاہئیں۔ فرمایا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یعنی جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے۔

۳۔ جس شخص سے بعض اعمال صالحہ ترک ہو جائیں اس کو بھی مومن کہا۔

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں لڑائی کریں۔ حالانکہ لڑائی کرنا گناہ ہے۔

جمہور محدثین اور امام شافعی اور امام مالک رحمہم اللہ اعمال صالحہ کو کامل ایمان کا

جزو کہتے ہیں یعنی اعمال صالحہ کے بغیر ایمان کامل نہ ہو گا ہاں ناقص ایمان رہے گا اسی لئے یہ حضرات بھی اس کے قائل ہیں کہ بے عمل اور بد عمل کی بالاخر مغفرت ہو جائے گی۔

اوپر والا قول جو کہ حنفیہ کا ہے اور اس قول میں حقیقی فرق نہیں ہے صرف نزاع لفظی (یعنی لفظی فرق و اختلاف) ہے۔

البتہ معتزلہ اعمال صالحہ کو نفس ایمان کا جزو کہتے ہیں اور جس سے گناہ کبیرہ ہو جائے کہتے ہیں کہ وہ مومن نہیں رہا اگرچہ کافر نہیں ہوا۔

ایمان کا کم و بیش ہونا

اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ایمان کم و بیش نہیں ہوتا الایمان لا یزید ولا ینقص اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایمان زیادہ اور کم ہوتا ہے الایمان یزید و ینقص۔

امام ابوحنیفہؒ کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایمان جو تمام اہل ایمان میں قدر مشترک ہے اور جس پر ایمانی اخوت کا دار و مدار ہے اور جس ایمان کی بنا پر تمام مسلمان رشتہ اخوت میں منسلک ہوتے ہیں جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ

یہ ایمان زیادہ اور کم نہیں ہوتا البتہ طاعات اور حسنات کے اعتبار سے ایمان میں کمی بیشی بھی ہوتی ہے۔ جس قدر طاعات زیادہ ہوں گی اسی قدر ایمان زیادہ کامل ہو گا۔ پس عام مومنوں کا ایمان حضرات انبیاء کرام کے ایمان جیسا نہ ہو گا اور نہ ہو سکتا ہے اس لئے کہ حضرات انبیاء کا ایمان بوجہ کمال یقین اور کمال معرفت الٰہی اور کمال طاعات اس درجہ بلند ہے کہ عام مومنوں کا ایمان وہاں تک نہیں پہنچ سکتا اگرچہ نفس ایمان میں دونوں مشترک ہیں۔

ایمان اور اسلام

لغوی معنی کے اعتبار سے دونوں میں فرق کیا جاتا ہے۔ ایمان تصدیق قلبی کو کہتے ہیں اور اسلام اطاعت و فرمانبرداری کا نام ہے۔ اسی فرق کے اعتبار سے حدیث جبرئیل میں اسلام کے بارے میں علیحدہ سوال ہے اور ایمان کے بارے میں علیحدہ ہے اور دونوں کے جواب بھی مختلف دیئے۔ اسلام کے بارے میں سوال کے جواب میں نماز پنج گانہ، رمضان کے روزوں، زکوٰۃ اور حج کا ذکر کیا گیا اسی طرح قرآن پاک میں آیا ہے

قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَ لٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ

(سورہ حجرات : ۱۴)

یہ (بعضے) گنوار (بنی اسد وغیرہ کے آپ کے پاس آ کر جو ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہیں یہ اس میں کئی امر قبیح کے مرتکب ہوتے ہیں ایک تو جھوٹ کے کہ تصدیق قلبی کے بغیر محض زبان سے) کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے۔ آپ فرما دیجئے تم ایمان تو نہیں لائے (کیونکہ وہ موقوف ہے تصدیق قلبی پر اور وہ موجود نہیں وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ) لیکن (ہاں) یوں کہو کہ (ہم مخالفت چھوڑ کر) مطیع ہو گئے اور (باقی) ایمان ابھی تک تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔

مگر شریعت کی اصطلاح میں دونوں کا ایک ہی مصداق ہے کیونکہ ایمان اگرچہ تصدیق قلبی کا نام ہے مگر اس کے ساتھ عملی اطاعت اور فرمانبرداری بھی فرض اور ضروری ہے اور اسلام اگرچہ اطاعت و فرمانبرداری کا نام ہے لیکن شریعت میں وہی اطاعت و فرمانبرداری معتبر ہے جس کے ساتھ تصدیق قلبی ہو ورنہ محض ظاہری اطاعت بغیر تصدیق قلبی کے ذرہ برابر معتبر نہیں۔

ایمان میں شک نہ چاہئے

جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دل سے تصدیق کی اور زبان سے اقرار کیا تو وہ شخص قطعی مومن بن گیا لہٰذا وہ شک کے طور پر یوں نہ کہے کہ "میں مومن ہوں انشاء اللہ" بلکہ انشاء اللہ کے لفظ کو ترک کرے۔ البتہ اگر اس نیت سے کہے کہ خاتمہ

کا حال اللہ ہی کو معلوم ہے یا تبرک سمجھ کر کہے تو درست ہے لیکن بہرحال نہ کہنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس کلمہ کے کہنے سے سننے والے کو اس کا شک ثابت ہو گا اور یہ بھی برا ہے۔

موت کا عذاب دیکھ کر ایمان لانا مقبول نہیں

اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایمان وہی مقبول اور کار آمد ہے جو بالغیب ہو یعنی جن چیزوں کی خدا کے پیغمبر نے خبر دی ہے ان کو بغیر دیکھے نبی کے بھروسہ اور اعتماد پر بے چون و چرا قبول کرے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ کے شروع ہی میں متقین کی صفت اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ (جو یقین لائے ہیں چھپی ہوئی چیزوں پر) بیان فرمائی اور اس ایمان بالغیب پر ہدایت اور فلاح کا وعدہ فرمایا۔ اُولٰٓئِکَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (بس یہی لوگ ہیں ٹھیک راہ پر جو ان کے رب کی طرف سے ملی ہے اور یہ لوگ پورے کامیاب ہیں)۔

لہٰذا جو شخص مرنے کے وقت فرشتوں کو اور احوال آخرت کو آنکھوں سے دیکھ کر ایمان لائے تو وہ ایمان معتبر نہ ہو گا۔ قرآن پاک میں ہے۔

۱۔ لَیْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ حَتّٰٓی اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْاٰنَ

ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں جو گناہ کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب موت آ گئی تو اس وقت کہتے ہیں کہ میں توبہ کرتا ہوں۔

۲۔ فَلَمْ یَکُ یَنْفَعُهُمْ اِیْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا (سورہ مومن: ۸۵)

سو ان کو انکا یہ ایمان لانا نافع نہ ہوا جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا۔

کبیرہ گناہ سے ایمان نہیں جاتا

مومن گناہ کرنے سے ایمان سے خارج نہیں ہوتا اگرچہ گناہ کبیرہ ہو اس لئے کہ ایمان کی اصل حقیقت تصدیق قلبی ہے اور اعمال صالحہ ایمان کی اصل حقیقت میں

داخل نہیں۔ اس لئے گناہ کرنے سے اصل ایمان سے تو خارج نہیں ہوتا مگر اس کا ایمان ناقص ضرور ہو جاتا ہے اور اس کی رونق جاتی رہتی ہے۔

معتزلہ کہتے ہیں کہ کبیرہ کرنے سے ایمان جاتا رہتا ہے کیونکہ ان کے نزدیک اعمال صالحہ ایمان میں داخل ہیں اور کافر بھی نہیں ہوتا ہے۔ یہ معتزلہ کی پہلی بدعت تھی جو انہوں نے حضرت حسن بصریؒ کے روبرو ایجاد کی تھی اور کفر و ایمان کے بیچ انہوں نے ایک واسطہ اور درجہ نکالا۔

خوارج کے نزدیک کبیرہ سے کیا بلکہ صغیرہ سے بھی کافر ہو جاتا ہے۔ انہوں نے من ترک الصلوۃ متعمدا فقد کفر (جس نے جان بوجھ کر نماز ترک کی اس نے کفر کیا) جیسی حدیثوں سے استدلال کیا ہے۔ لیکن جب پیچھے ذکر کردہ نصوص (قرآنی آیات و احادیث) میں کبیرہ گناہ کرنے والے کو مومن کہا گیا ہے تو ضروری ہے کہ من ترک الصلوۃ متعمدا فقد کفر جیسی حدیثوں سے ان کا ظاہری معنی مراد نہ لیا جائے بلکہ تاویل کی جائے یعنی دوسرے مناسب معنی مراد لئے جائیں۔ لہٰذا یہ مراد ہو گا کہ اس نے کافروں کا سا کام کیا یا یہ مراد ہو گا کہ جو ترک نماز کو حلال سمجھ کر ترک کرے گا وہ کافر ہو گیا۔

نیز قرآن پاک کی یہ آیت بھی ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ بے شک اللہ نہ بخشے گا یہ کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور بخش دے گا اس کے سوائے جس کے لئے چاہے۔

اس آیت میں سوائے شرک کے سب گناہوں کی بخشش کی بشارت ہے جس کے لئے اللہ چاہیں جب کہ کافر اور مشرک کے لئے تو بالاتفاق بخشش نہیں ہے اور توبہ کرنے سے بالاتفاق بخشش ہے تو اگر بے توبہ گناہ بھی کفر ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کی بخشش کس کے لئے ہو گی؟

دار و مدار خاتمہ پر ہے

ایمان اور کفر کا مدار خاتمہ پر ہے بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ تمام عمر ایمان

یا کفر پر رہا اور اخیر میں جا کر حالت بدل گئی تو اعتبار خاتمہ کا ہو گا۔

کسی ویرانے میں بالغ ہونے والے اور وہ شخص جس کو دعوت اسلام نہ پہنچی ہو ان کے اسلام و ایمان کا مسئلہ

امت کا اس پر اجماع ہے کہ حکم دینے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے اور اللہ تعالیٰ جس کام کے کرنے کا حکم دیتے ہیں اس میں حسن یعنی اللہ تعالیٰ کی جانب سے مدح و ثواب کا استحقاق پایا جاتا ہے اور جس کام سے روکتے ہیں اس میں قبح یعنی اللہ تعالیٰ کی جانب سے مذمت اور عقاب کا استحقاق پایا جاتا ہے۔

لیکن پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ معنیٰ میں حسن و قبح کو ہم اپنی عقل سے جان سکتے ہیں یا ان کا علم صرف شرع ہی سے ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ حسن و قبح شرعی ہیں یا عقلی ہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

اشاعرہ کا کہنا ہے کہ یہ شرعی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جس کام کا حکم دیا اس میں حسن ہے یعنی مدح و ثواب کا استحقاق ہے اور جس کام سے منع کر دیا اس میں قبح یعنی مذمت و عقاب کا استحقاق ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ممنوع کو کرنے کا حکم دے دیں تو اس میں حسن پیدا ہو جائے گا اور مامور کو منع کر دیں تو اس میں قبح موجود ہو جائے گا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے شراب پینے سے منع کیا ہے لہٰذا شراب پینے میں قبح ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ شراب پینے کا حکم دے دیں تو اس میں حسن پیدا ہو جائے گا۔

ماتریدیہ اور معتزلہ کا کہنا ہے کہ حسن و قبح بمعنیٰ مذکور عقلی ہیں۔ یعنی کسی فعل میں مدح و ثواب کے استحقاق کو اور کسی دوسرے فعل میں مذمت و عقاب کے استحقاق کو ہم اپنی عقل سے سمجھ سکتے ہیں اور یہ کوئی شرع پر موقوف نہیں ہیں۔ غریب پروری میں اور محسن کا شکر ادا کرنے میں حسن ہے اور ناحق قتل کرنے میں قبح ہے ان کو ہم عقل سے سمجھ سکتے ہیں۔

ماتریدیہ اور معتزلہ کا معنیٰ مذکور میں حسن و قبح کو عقلی مان لینے کے بعد پھر ان میں

اختلاف ہوا۔

۱۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ حسن و قبح اللہ تعالیٰ پر حکم کرنے کو واجب کر دیتا ہے۔ اور اگر بالفرض رسول نہ بھیجے جاتے اور شرع نہ آتی تب بھی یہ احکام واجب ہوتے۔

۲۔ ماتریدیہ کہتے ہیں کہ حسن و قبح سے فعل میں یہ استحقاق پیدا ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا حکم نازل فرما دیں۔ لیکن جب تک اللہ تعالیٰ کی جانب سے حکم نہ آئے وہ حکم موجود نہ سمجھا جائے گا۔

۳۔ ابن ہمامؒ کہتے ہیں کہ گو حسن و قبح عقلی ہیں لیکن اس سے نہ تو حکم واجب ہوتے ہیں اور نہ ہی بندے کے ذمہ کے ساتھ حکم کے تعلق کا پتہ چلتا ہے۔

پھر ماتریدیہ کا آپس میں کچھ اختلاف ہے۔

۱۔ بعض بڑے بڑے حضرات مثلاً امام ابو منصور ماتریدی امام فخر الاسلام، صاحب میزان اور صدر الشریعہ وغیرہ اس بات کے قائل ہیں اللہ تعالیٰ کے بعض احکام کا ادراک عقل بذات خود کر سکتی ہے مثلاً ایمان کا اور محسن کے شکر ادا کرنے کا۔ اس وجہ سے یہ حضرات ہر اس شخص کے لئے ایمان کو واجب قرار دیتے ہیں جس کو اتنی زندگی ملی ہو کہ اس میں غور و فکر کر سکتا ہو۔ اور کفر کو حرام اقرار دیتے ہیں خواہ اس کو رسول کی دعوت پہنچی ہو یا نہ پہنچی ہو۔ اس بارے میں امام ابو حنیفہؒ سے بھی روایت یہ ہے کہ کسی بھی شخص کے لئے اپنے خالق کی عدم معرفت اور جہالت کا کوئی عذر قابل سماع نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو پہچاننے کے بے شمار دلائل آفاق و انفس میں پھیلے ہوئے ہیں۔

۲۔ باقی حضرات یہ کہتے ہیں کہ آدمی احکام کا مکلف ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کو دعوت پہنچے۔ لہٰذا وہ کافر جس کو دعوت اسلام نہ پہنچی ہو وہ ایمان کا مکلف ہی نہیں ہے اور آخرت میں اس سے کفر پر مواخذہ نہیں ہو گا۔

ان تمام اقوال کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص مثلاً کسی ویرانے یا پہاڑ پر بالغ ہوا ہو اس کے بارے میں۔

۱۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ اگر اس نے کفر اختیار کیا تو فعل قبیح پر اور اگر ایمان و کفر دونوں سے خالی رہا تو ترک حسنات پر اس سے مواخذہ ہو گا اور اگر ایمان کو اختیار کیا تو حسنات کے کرنے پر ثواب ہو گا۔

۲۔ بعض بڑے ماتریدیہ جن کا ذکر اوپر ہوا وہ کہتے ہیں کہ اگر اس نے کفر کو اختیار کیا تو اس پر مواخذہ ہو گا اور اگر اس نے نہ کفر کو اختیار کیا نہ ایمان کو تو ترک ایمان پر صرف اس صورت میں مواخذہ ہو گا جب اس کو غور و فکر اور تامل کرنے کے بقدر زندگی ملی ہو۔

۳۔ اشاعرہ اور ابن ہمام کہتے ہیں کہ کسی صورت میں بھی مواخذہ نہ ہو گا اگرچہ وہ شرک بھی کرتا رہا ہو۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ایسے شخص کے بارے میں خاصا اختلاف ہے کہ آخرت میں اسکے ساتھ کیا معاملہ ہو گا اور کوئی قطعی دلیل اس بارے میں موجود نہیں ہے۔ لہٰذا اصل اس میں یہی ہے کہ اس کو ہم خدا کے سپرد کر دیں کہ وہی بہتر جانتے ہیں کہ آخرت میں وہ ایسے لوگوں کے ساتھ کیا معاملہ فرمائیں گے۔

اٹھارھواں باب

شرک کا بیان

شرک یہ تو ہے ہی کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کے برابر سمجھے اور اس کے مقابل جانے لیکن شرک بس اسی پر موقوف نہیں ہے بلکہ شرک یہ بھی ہے کہ جو چیزیں اللہ پاک نے اپنی ذات والا صفات کے لئے مخصوص فرمائی ہیں اور بندوں پر بندگی کی علامتیں قرار دی ہیں انہیں غیروں کے آگے بجا لایا جائے مثلاً سجدہ' خدا کے نام کی قربانی' منت' آڑے وقت پکارنا' خدا کو حاضر و ناظر سمجھنا' قدرت و تصرف وغیرہ۔ سجدہ خدا ہی کی ذات کے لئے مخصوص ہے' قربانی اسی کے لئے کی جاتی ہے' منت اسی کی مانی جاتی ہے' آڑے وقت اسی کو پکارا جاتا ہے' وہی ہر جگہ حاضر و ناظر ہے اور ہر طرح کا تصرف و اختیار اسی کے قبضے میں ہے' اگر ان میں سے کوئی بات غیر اللہ میں ثابت کی جائے تو شرک ہے گو اس کو خدا سے چھوٹا ہی سمجھا جائے اور خدا کی مخلوق اور اس کا بندہ ہی مانا جائے پھر اس معاملہ میں نبی' ولی امام جن' شیطان' وغیرہ سب برابر ہیں جس سے بھی یہ معاملہ کیا جائے گا۔ شرک ہو گا اور کرنے والا مشرک ہو جائے گا۔ چنانچہ اللہ پاک نے بت پرستوں کی طرح یہودیوں اور عیسائیوں پر بھی عتاب کیا ہے حالانکہ وہ بت پرست نہ تھے البتہ انبیاء اور اولیاء سے ایسا ہی معاملہ رکھتے تھے فرمایا۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۝ (سورہ توبہ ۳۱)

انہوں نے اپنے علماء کو اور درویشوں کو اللہ کو چھوڑ کر رب بنا لیا اور مسیح ابن مریم کو بھی حالانکہ انہیں ایک ہی اللہ کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں جو مشرکوں کے شرک سے پاک اور بلند و برتر ہے۔

یعنی اللہ کو تو سب سے بڑا مالک جانتے ہیں اور اس سے چھوٹے اور مالکوں کے بھی قائل ہیں جو ان کے عالم اور درویش ہیں انہیں اس بات کا حکم نہیں ملا۔ وہ شرک کر رہے ہیں۔ اللہ پاک تو تن تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا سب اس کے بے بس بندے ہیں اور بے بسی میں برابر ہیں جیسا کہ فرمایا۔

اِنْ کُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا○ لَقَدْ اَحْصٰھُمْ وَعَدَّھُمْ عَدًّا○ وَکُلُّھُمْ اٰتِیْہِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فَرْدًا○ (سورۂ مریم)

آسمان و زمین کا ایک ایک شخص رحمٰن کے سامنے غلامانہ حیثیت میں آنے والا ہے۔ رب نے انہیں شمار کر رکھا ہے اور ایک ایک کو گن رکھا ہے اور سارے خدا کے سامنے فردا فردا آنے والے ہیں۔

یعنی انسان ہو یا فرشتہ خدا کا غلام ہے۔ خدا کے سامنے اس کا اس سے زیادہ رتبہ نہیں یہ خدا کے قبضے میں ہے اور عاجز و بے بس ہے اس کے اختیار میں کچھ نہیں‘ سب کچھ مالک الملک کے اختیار میں ہے۔ خدا سب پر قابض و متصرف ہے کسی کو کسی کے قبضے میں نہیں دیتا۔ اس کے سامنے حساب و کتاب کے لئے ہر شخص حاضر ہونے والا ہے۔ وہاں نہ کوئی کسی کا وکیل بنے گا اور نہ حمایتی۔

اب یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ اللہ پاک نے کون کون سی چیزیں اپنی ذات کے لئے مخصوص فرمائی ہیں تاکہ ان میں کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ ایسی چیزیں بے شمار ہیں ہم یہاں چند چیزوں کو بیان کر کے قرآن و حدیث سے ثابت کریں گے تاکہ ان کی مدد سے دوسری باتیں سمجھی جا سکیں۔

۱۔ پہلی چیز یہ ہے کہ خدا ہر جگہ حاضر و ناظر ہے یعنی اس کا علم ہر چیز کو گھیرے میں لئے ہوئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہر چیز سے ہر وقت خبردار ہے۔ خواہ وہ چیز دور ہو یا قریب۔ سامنے ہو یا پیچھے۔ چھپی ہوئی ہو یا کھلی ہوئی۔ آسمانوں میں ہو یا زمینوں میں۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر ہو یا سمندر کی تہہ میں۔ اگر کوئی اٹھتے بیٹھتے کسی غیر اللہ کا نام لے یا دور و نزدیک سے اسے پکارے کہ وہ اس کی مصیبت رفع کر دے یا دشمن پر

اس کا نام پڑھ کر حملہ کرے یا اس کے نام کا ختم پڑھا جائے یا اس کے نام کا ورد رکھے یا اس کی خیالی صورت ذہن میں جمائے اور یہ عقیدہ رکھے کہ جس وقت میں زبان سے اس کا نام لیتا ہوں یا دل میں اس کا تصور آتا ہے یا اس کی صورت کا خیال کرتا ہوں یا اس کی قبر کا دھیان کرتا ہوں تو اس کو خبر ہو جاتی ہے۔ میری کوئی بات اس سے چھپی ہوئی نہیں۔ اور مجھ پر جو حالات گزرتے ہیں جیسے بیماری و صحت‘ فراخی و تنگی‘ موت و زیست اور غم و مسرت اس کو ان سب کی ہر وقت خبر رہتی ہے جو بات میری زبان سے نکلتی ہے وہ اسے سن لیتا ہے اور میرے دل کے خیالات اور تصورات سے واقف رہتا ہے۔ ان تمام باتوں سے شرک ثابت ہو جاتا ہے۔ یہ شرک فی العلم ہے یعنی حق تعالیٰ جیسا علم غیر اللہ کے لئے ثابت کرنا۔ بلاشبہ اس عقیدے سے انسان مشرک ہو جاتا ہے گو یہ عقیدہ کسی بڑے سے بڑے انسان سے رکھے یا مقرب سے مقرب فرشتے سے اگرچہ یہ سمجھا جائے کہ یہ علم ان کو اپنی ذات سے حاصل ہے یعنی ان کا یہ علم ذاتی سمجھا جائے یا خدا کا عطا کیا ہوا ہر صورت میں شرکیہ عقیدہ ہے۔

۲۔ کائنات میں ارادے سے تصرف و اختیار کرنا‘ حکم چلانا‘ خواہش سے مارنا جلانا‘ فراخی و تنگی‘ تندرستی و بیماری‘ فتح و شکست‘ اقبال و ادبار‘ مرادیں بر لانا‘ بلائیں ٹالنی‘ نازک دور میں دستگیری کرنا اور وقت پڑنے پر مدد کرنا خدا ہی کی شان ہے کسی غیر اللہ کی یہ شان نہیں خواہ وہ کتنا ہی بڑا انسان یا فرشتہ کیوں نہ ہو۔ پھر جو شخص کسی غیر اللہ میں ایسا تصرف ثابت کرے اس سے مرادیں مانگے اور اسی غرض سے اس کے نام کی منت مانے یا قربانی کرے اور آڑے وقت اس کو پکارے کہ وہ اس کی بلائیں ٹال دے ایسا شخص مشرک ہے اور اس کو شرک فی التصرف کہا جاتا ہے۔ یعنی اللہ کا سا تصرف غیر اللہ میں مان لینا شرک ہے خواہ وہ ذاتی مانا جائے یا خدا کا دیا ہوا ہر صورت میں یہ عقیدہ شرکیہ ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے بعض کام اپنی عبادت کے لئے مخصوص فرما دیے ہیں جن کو عبادات کہا جاتا ہے جیسے سجدہ‘ رکوع‘ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا‘ خدا کے نام پر خیرات

کرنا اس کے نام کا روزہ رکھنا اور اس کے مقدس گھر کی زیارت کے لئے دور دور سے سفر کر کے آنا اور ایسی ہیئت میں آنا کہ لوگ پہچان جائیں کہ یہ زائرین حرم ہیں۔ راستے میں خدا کا ہی نام پکارنا' نامعقول باتوں سے اور شکار سے بچنا' پوری احتیاط سے جا کر اس کے گھر کا طواف کرنا' اس کی طرف سجدہ کرنا' اس کی طرف قربانی کے جانور لے جانا' وہاں منتیں ماننا' کعبہ پر غلاف چڑھانا' کعبہ کی چوکھٹ کے آگے کھڑے ہو کر دعائیں مانگنا دین و دنیا کی بھلائیاں طلب کرنا' حجر اسود کو چومنا' کعبہ کی دیوار سے منہ ملنا اور چھاتی لگانا' اس کا غلاف پکڑ کر دعائیں مانگنا' اس کے چاروں طرف روشنی کرنا' اس میں خادم بن کر رہنا جھاڑو دینا روشنی کرنا فرش بچھانا حاجیوں کو پانی پلانا وضو کے لئے اور غسل کے لئے پانی مہیا کرنا۔ آب زمزم کو تبرک سمجھ کر پینا' بدن پر ڈالنا' کوکھیں تان کر پینا۔ آپس میں تقسیم کرنا۔ عزیز و اقارب کے لئے لے جانا۔ اس کے آس پاس کے جنگل کا ادب و احترام کرنا وہاں شکار نہ کرنا درخت نہ کاٹنا۔ گھاس نہ اکھاڑنا۔ جانور نہ چرانا یہ سب کام اللہ نے اپنی عبادت کے مسلمانوں کو بتائے ہیں۔ پھر اگر کوئی شخص نبی کو یا ولی کو یا کسی سچی یا جھوٹی قبر کو' یا کسی کے تھان و چلے کو یا کسی کے مکان و نشان کو یا کسی کے تبرک و تابوت کو سجدہ کرے یا رکوع کرے یا اس کے لئے روزہ رکھے یا ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جائے یا چڑھاوا چڑھائے یا ان کے نام کی چھڑی کھڑی کرے یا جاتے وقت الٹے پاؤں چلے یا قبر کو چومے یا قبروں یا تھانوں کی زیارت کے لئے دور سے سفر کر کے جائے یا وہاں چراغ جلائے اور روشنی کا انتظام کرے یا ان کی دیواروں پر غلاف چڑھائے یا قبر پر چادر چڑھائے یا مور چھل جھلے یا شامیانہ تانے یا ان کی چوکھٹ کا بوسہ لے یا ہاتھ باندھ کر دعائیں مانگے یا مرادیں مانگے یا مجاور بن کر خدمت کرے یا اس کے آس پاس کے جنگل کا ادب کرے غرض کہ اور اسی قسم کی باتیں کرے تو اس نے کھلا شرک کیا اس کو شرک فی العبادت کہتے ہیں۔ یعنی غیر اللہ کے لئے اللہ کی سی تعظیم کرنا خواہ یہ عقیدہ ہو کہ وہ ذاتی اعتبار سے ان تعظیموں کے لائق ہے یا خدا ان کی اس طرح تعظیم کرنے سے خوش ہوتا ہے اور اس کی تعظیم کی برکت سے بلائیں ٹل جاتی ہیں۔

ہر صورت میں یہ شرکیہ عقیدہ ہے۔

۴۔ حق تعالیٰ نے بندوں کو یہ ادب سکھایا ہے کہ وہ دنیوی کاموں میں اللہ کو یاد رکھیں اور اس کی تعظیم بجالائیں تاکہ ایمان بھی سنور جائے اور کاموں میں برکت بھی ہو جیسے وقت پڑنے پر اللہ کی نذر مان لینا اور مشکل کے وقت اسی کو پکارنا اور کام شروع کرتے وقت برکت کے لئے اسی کا نام لینا۔ اگر اولاد ہو تو اس نعمت کے شکریے کے لئے اس کے نام پر جانور ذبح کرنا۔ اولاد کا نام عبد اللہ عبد الرحمٰن' خدا بخش' اللہ دیا' امت اللہ اور اللہ دی وغیرہ رکھنا۔ کھیتی کی پیداوار میں سے تھوڑا سا غلہ اس کے نام کا نکالنا۔ پھلوں میں سے کچھ پھل اس کے نام کے نکالنا۔ جانوروں میں سے کچھ جانور اللہ کے نام کے مقرر کرنا اور اس کے نام کے جو جانور بیت اللہ کو لے جائے جائیں ان کا ادب و احترام بجالانا یعنی نہ ان پر سوار ہونا نہ انہیں لادنا۔ کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے میں خدا کے حکم پر چلنا۔ جن چیزوں کے استعمال کا حکم ہے انہیں استعمال کرنا اور جن کی ممانعت ہے ان سے باز رہنا۔ دنیا میں گرانی و ارزانی' صحت و بیماری' فتح و شکست اقبال و ادبار اور رنج و مسرت جو کچھ بھی پیش آتی ہے سب کو خدا کے اختیار میں سمجھنا۔ ہر کام کا ارادہ کرتے وقت انشاء اللہ کہنا مثلاً یوں کہنا کہ انشاء اللہ ہم فلاں کام کریں گے۔ خدا کے اسم گرامی کو اس عظمت کے ساتھ لینا جس سے اس کی تعظیم نمایاں ہو اور اپنی غلامی کا اظہار ہوتا ہو جیسے یوں کہنا ہمارا رب ہمارا مالک' ہمارا خالق' ہمارا معبود وغیرہ۔ اگر کسی موقع پر قسم کھانے کی ضرورت پڑ جائے تو اسی کے نام کی قسم کھانا یہ تمام باتیں اور اسی قسم کی دیگر باتیں اللہ پاک نے اپنی تعظیم ہی کے واسطے مقرر فرمائی ہیں پھر جو کوئی اسی قسم کی تعظیم غیر اللہ کے لئے کرے مثلاً کام رکا ہوا ہو یا بگڑ رہا ہو اس کو چالو کرنے یا سنوارنے کے لئے غیر اللہ کی نذر مان لی جائے۔ اولاد کا نام عبد النبی' امام بخش رکھا جائے۔ کھیت و باغ کی پیداوار میں ان کا حصہ رکھا جائے۔ جب پھل تیار ہو کر آئیں تو پہلے ان کا حصہ الگ کر دیا جائے تب اسے استعمال میں لایا جائے۔ جانوروں میں اس کے نام کے جانور مقرر کر دیے جائیں پھر ان کا ادب و احترام

بجا لایا جائے۔ پانی سے یا چارے سے انہیں نہ ہٹایا جائے لکڑی سے یا پتھر سے انہیں نہ مارا جائے اور کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے میں رسموں کا خیال رکھا جائے کہ فلاں فلاں کھانا نہ کھائیں فلاں فلاں کپڑا نہ پہنیں۔ بی بی کی صحنک مرد نہ کھائیں' لونڈی نہ کھائے اور شوہر والی عورت نہ کھائے شاہ عبدالحق کا توشہ حقہ پینے والا نہ کھائے' دنیا کی بھلائی برائی کو انہیں کی طرف منسوب کیا جائے کہ فلاں فلاں ان کی لعنت میں گرفتار ہے پاگل ہو گیا ہے۔ فلاں محتاج ہے انہیں کا راندہ ہوا تو ہے اور دیکھو فلاں کو انہوں نے نوازا تھا آج سعادت و اقبال اس کے پاؤں چوم رہے ہیں۔ فلاں تارے کی وجہ سے قحط آیا۔ فلاں کام فلاں ساعت میں فلاں دن شروع کیا گیا تھا آخر کار پورا نہ ہوا یا یہ کہا جائے کہ اگر اللہ اور رسول چاہے گا تو میں آؤں گا یا پیر صاحب کی مرضی ہو گی تو ہو گی' یا گفتگو میں غیر اللہ کے لئے داتا' بے پروا' خداوند خدائے گان' مالک الملک' شہنشاہ جیسے الفاظ استعمال کئے جائیں۔ قسم کی ضرورت پڑ جائے تو نبی کی یا علی کی یا امام و پیر کی یا ان کی قبروں کی قسم کھائی جائے ان تمام باتوں سے شرک پیدا ہوتا ہے اس کو شرک فی العادت کہتے ہیں یعنی عادت کے کاموں میں اللہ کی سی تعظیم غیر اللہ کے لئے کی جائے۔ شرک کی ان چاروں قسموں کا قرآن و حدیث میں صراحت کے ساتھ بیان آیا ہے۔ ذکر کیا جاتا ہے۔

شرک کی برائی۔ توحید کی خوبیاں

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ وَ یَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ مَنۡ یُّشۡرِکۡ بِاللّٰہِ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیۡدًا۔ (نساء ۱۱۵)

یاد رکھو اللہ پاک اپنے ساتھ شرک کئے جانے کو معاف نہیں فرماتا اور اس سے سوا جسے چاہے معاف فرما دے اور جس نے شرک کیا وہ راہ سے بہت دور بھٹک گیا۔ یعنی اللہ کی راہ سے بھٹکنا یہ بھی ہے کہ انسان حلال و حرام میں تمیز نہ کرے

چوری کرے' بیکاری میں مبتلا رہے۔ نماز روزہ چھوڑ بیٹھے۔ بیوی بچوں کی حق تلفی کرنے لگے۔ ماں باپ کی نافرمانی پر تلا رہے۔ لیکن جو شرک کی دلدل میں پھنس گیا وہ راہ سے زیادہ بھٹک گیا۔ کیونکہ وہ ایک ایسے گناہ میں مبتلا ہو گیا جس کو حق تعالیٰ بلا توبہ کبھی نہ معاف فرمائے گا۔ شاید اور تمام گناہوں کو اللہ تعالیٰ بلا توبہ معاف بھی فرما دے معلوم ہوا کہ شرک ناقابل عفو جرم ہے اس کی سزا قطعی مل کر رہے گی اگر انتہائی درجہ کا شرک ہے جس سے انسان کافر ہو جاتا ہے تو اس کی سزا ابدی جہنم ہے نہ اس سے نکلا جائے گا اور نہ اس میں اسے چین و آرام میسر آئے گا اور جو کم درجے کا شرک ہیں (یعنی اگرچہ آدمی کافر تو نہیں ہوا لیکن شرک کا کام کیا) ان کی سزا حق تعالیٰ کے یہاں جو مقرر ہے وہ ضرور ملے گی اور دیگر گناہوں کی حق تعالیٰ کے یہاں جو سزائیں مقرر ہیں وہ اللہ کی مرضی پر ہیں خواہ دے یا نہ دے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ شرک سے بڑا کوئی گناہ نہیں۔ اس کو اس مثال سے سمجھو۔ مثلاً بادشاہ کے یہاں رعیت کے لئے ہر قسم کے جرم کی سزائیں مقرر ہیں۔ مثلاً چوری' ڈکیتی' پہرہ دیتے دیتے سو جانا' دربار میں دیر سے پہنچنا' میدان جنگ سے بھاگ آنا' اور سرکار کے پیسے پہنچانے میں غلطی کر بیٹھنا وغیرہ وغیرہ۔ ان سب جرموں کی سزائیں مقرر ہیں اب بادشاہ کی مرضی ہے چاہے تو سزا دے اور چاہے معاف کر دے لیکن بعض جرائم ایسے ہوتے ہیں جن سے بغاوت نکلتی ہے مثلاً کسی امیر کو' وزیر کو یا چودھری کو یا رئیس کو یا بھنگی کو یا چمار کو بادشاہ کی موجودگی میں بادشاہ بنا دیا جائے تو اس قسم کی حرکت بغاوت ہے یا ان میں سے کسی کے واسطے تاج یا تخت شاہی بنایا جائے' یا اسے ظل سبحانی کہا جائے یا اس کے سامنے شاہانہ آداب بجا لائے جائیں یا اس کے لئے ایک جشن کا دن ٹھہرایا جائے اور بادشاہ کی سی نذر دی جائے یہ جرم تمام جرموں سے بڑا ہے اس جرم کی سزا یقیناً ملنی چاہئے۔

وَاِذۡ قَالَ لُقۡمٰنُ لِابۡنِہٖ وَ ہُوَ یَعِظُہٗ یٰبُنَیَّ لَا تُشۡرِکۡ بِاللّٰہِ ؕؔ اِنَّ الشِّرۡکَ لَظُلۡمٌ عَظِیۡمٌ (لقمان ۱۳)

جب لقمان نے نصیحت کرتے وقت اپنے بیٹے سے کہا اللہ کے ساتھ شریک نہ کرنا شرک یقیناً بڑا بھاری ظلم ہے۔

یعنی اللہ پاک نے حضرت لقمان کو بصیرت عطا فرمائی تھی انہوں نے عقل سے معلوم کیا کہ کسی کا حق کسی دوسرے کو دے دینا بڑی بے انصافی ہے پھر جس نے اللہ کا حق اللہ کی مخلوق میں سے کسی کو دے دیا اس نے بڑے سے بڑے کا حق بہت چھوٹے کو دے دیا معلوم ہوا کہ جس طرح شریعت نے شرک کو بڑا بھاری گناہ بتایا اسی طرح عقل بھی اس کو بڑا گناہ مانتی ہے شرک تمام عیبوں سے بڑا عیب ہے سچی بات یہی ہے کیونکہ انسان میں سب سے بڑا عیب یہی ہے کہ وہ اپنے بڑوں کی بے ادبی کرے۔ پھر اللہ سے بڑھ کر بڑا کون ہو سکتا ہے اور شرک اس کی شان میں بے ادبی ہے۔

انبیاء کی بعثت کا اصل مقصد توحید ہے

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ۔ (انبیاء ۲۵)

آپ سے پہلے ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہم نے اس کو یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی حق دار عبادت نہیں لہٰذا میری ہی عبادت کرو۔

یعنی تمام پیغمبر خدا کے پاس سے یہی حکم لے کر آئے کہ صرف اللہ ہی کو معبود مانا جائے اور اس کے سوا کسی کو الٰہ اور معبود نہ مانا جائے۔ معلوم ہوا کہ توحید کا حکم اور شرک سے ممانعت تمام شریعتوں کا ایک متفقہ مسئلہ ہے اس لئے صرف یہی راہ نجات ہے باقی تمام راہیں غلط اور ٹیڑھی ہیں۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالٰی انا اغنی الشرکاء عن الشرک من عمل عملا اشرک فیہ معی غیری ترکتہ و شرکہ وانا منہ بری۔ (مسلم مشکوۃ۔ باب الریا)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالٰی نے فرمایا میں ساجھیوں میں سب سے زیادہ ساجھے سے بے پرواہ ہوں جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس میں اس نے میرے ساتھ غیر کو شریک کیا تو میں اس کو اور اس کے ساجھے کو چھوڑ دیتا ہوں اور میں اس سے بیزار ہو جاتا ہوں۔

یعنی میں لوگوں کی طرح مشترکہ چیز نہیں بانٹتا میں بے پرواہ ہوں جس نے میرے لئے عمل کیا اور اس میں غیر کو بھی شریک کر لیا تو میں اپنا حصہ بھی نہیں لیتا بلکہ سارا عمل دوسرے ہی کے لئے چھوڑ دیتا ہوں اور اس سے بیزار ہو جاتا ہوں۔ معلوم ہوا کہ جو شخص اللہ کے واسطے کوئی عمل کرے اور وہی عمل کسی غیر اللہ کے واسطے کرے تو اس نے شرک کیا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مشرکوں کی عبادت جو اللہ کے لئے کی جائے ناقابل قبول ہے بلکہ حق تعالٰی اس سے بیزار ہے۔

عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تشرک باللہ شیئا وان قتلت اوحرقت۔ (مسند احمد۔ مشکوۃ باب الکبائر)

حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کر خواہ تجھے مار ڈالا جائے یا جلا دیا جائے۔

یعنی اللہ کے سوا کسی کو اپنا معبود نہ تسلیم کر اور اس بات کا اندیشہ نہ کر کہ کوئی جن یا شیطان تجھے ستائے گا۔ جس طرح مسلمانوں کو ظاہری مصائب پر صبر کرنا چاہئے اور ان کے ڈر سے اپنا ایمان نہ بگاڑنا چاہئے اسی طرح باطنی تکلیفوں پر بھی (جن، بھوت وغیرہ کی ایذاؤں پر بھی) صبر سے کام لینا چاہئے۔ ان سے ڈر کر اپنے ایمان کو نہ بگاڑنا چاہئے۔ یہ عقیدہ رکھنا چاہئے کہ درحقیقت ہر چیز خواہ تکلیف ہو یا آرام اللہ کے اختیار میں ہے خدا کبھی کبھی ایمان والوں کی آزمائش فرماتا ہے۔ مومن کو بقدر ایمان آزمایا جاتا ہے۔ کبھی بروں کے ہاتھوں سے نیکوں کو تکلیفیں پہنچائی جاتی ہیں تاکہ مخلصوں اور منافقوں میں تمیز ہو جائے لہٰذا جس طرح بظاہر پارساؤں کو نافرمانوں سے اور مسلمانوں کو

کافروں سے اللہ کے ارادے سے تکلیفیں پہنچ جاتی ہیں اور وہ صبر ہی سے کام لیتے ہیں۔ تکلیفوں سے گھبرا کر ایمان نہیں بگاڑتے۔ اسی طرح کبھی کبھی نیک لوگوں کو جنوں اور شیطانوں سے اللہ کے ارادے سے تکلیف پہنچ جاتی ہے' لہٰذا اس پر صبر و تحمل سے کام لیا جائے اور تکلیف کے اندیشے سے انہیں ہرگز معبود نہیں ماننا چاہیے۔

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رجل یارسول اللہ ای الذنب اکبر عند اللہ قال ان تدعو للہ ندا وھو خلقک۔ (بخاری۔ مسلم۔ مشکوۃ باب الکبائر)

ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے پوچھا یارسول اللہ سب سے بڑا گناہ کون سا ہے فرمایا کہ تو کسی کو اللہ جیسا سمجھ کر پکارے حالانکہ اللہ نے تجھے پیدا کیا ہے۔

یعنی جس طرح اللہ کو حاضر و ناظر سمجھا جاتا ہے اور کائنات کا تصرف اسی کے قبضے میں بتایا جاتا ہے اسی وجہ سے ہر مشکل کے وقت اسے پکارا جاتا ہے۔ اسی طرح غیر اللہ کو اسی صفت سے متصف مان کر پکارنا سب سے بڑا گناہ ہے اس لئے کہ کسی میں بھی حاجت برلانے کی اور ہر جگہ حاضر و ناظر رہنے کی صلاحیت نہیں۔

شرک فی العلم

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِىْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ (سورۂ انعام ۵۹)

اللہ ہی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں وہی جانتا ہے اور جو کچھ زمین' خشکی اور تری میں ہے اسے بھی جانتا ہے۔ جو بھی پتہ گرتا ہے اسے بھی جانتا ہے زمین کے نیچے اندھیروں میں کوئی دانہ ایسا نہیں اور کوئی تر اور خشک چیز ایسی نہیں جو روشن کتاب میں نہ ہو۔

علم غیب اللہ ہی کو ہے

یعنی جس طرح اللہ پاک نے انسان کو ظاہری چیزیں معلوم کرنے کی کچھ مشینیں دے دی ہیں مثلاً دیکھنے کو آنکھ' سننے کو کان' سونگھنے کو ناک' چکھنے کو زبان' ٹٹولنے کو ہاتھ اور سمجھنے کو عقل بخشی ہے پھر یہ مشینیں انسان کے قبضہ و اختیار میں دے دی ہیں کہ ادھر اس نے ارادہ کیا ادھر اس نے کام کر دیا مثلاً آنکھ سے دیکھنا چاہا آنکھ کھول دی نہ چاہا بند کرلی۔ اسی پر ہر ایک عضو کو قیاس کر لو گویا انسان کو ظاہری چیزوں کے معلوم کرنے کی کنجیاں دے دی ہیں جیسے کنجی والے ہی کے اختیار میں تالے کو کھولنا یا نہ کھولنا ہے اسی طرح ظاہری چیزوں کو معلوم کرنا انسان کے اختیار میں ہے چاہے معلوم کرے یا نہ کرے لیکن غیب کا معلوم کرنا انسان کے اختیار سے باہر ہے اس کی کنجیاں حق تعالیٰ نے اپنے پاس رکھی ہیں۔ کسی بڑے سے بڑے انسان کو اور مقرب ترین فرشتے کو بھی غیب کے معلوم کرنے کا اختیار نہیں دیا گیا کہ جب چاہیں اپنی مرضی سے غیب معلوم کرلیں اور جب چاہیں نہ کریں بلکہ اللہ پاک اپنی مرضی سے کبھی کسی کو غیب کی جس قدر بات بتانا چاہتا ہے بتا دیتا ہے۔ یہ غیب کا بتا دینا اللہ کے ارادے پر موقوف ہے کسی کی خواہش پر نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بارہا ایسا اتفاق ہوا کہ آپ کو بعض بات دریافت کرنے کی خواہش ہوئی مگر وہ بات آپ کو معلوم نہ ہو سکی پھر جب ارادۂ الٰہی ہوا فوراً بتا دی گئی عہد رسالت میں منافقوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ پر الزام لگایا اس سے آپ کو سخت صدمہ ہوا۔ آپ نے کئی دنوں تک معاملہ کی کرید کی مگر کچھ بھی معلوم نہ ہو سکا۔ پھر جب حق تعالیٰ نے چاہا تو وحی بھیج کر بتا دیا کہ منافق کذاب ہیں صدیقہ پاک دامن ہیں۔ اب ایک مسلمان موحد کا یہ عقیدہ ہونا ضروری ہے کہ اللہ نے غیب کے خزانوں کی کنجیاں اپنے ہی پاس رکھی ہیں ان خزانوں کا کسی کو خزانچی نہیں بنایا وہ خود اپنے ہاتھ سے قفل کھول کر جس کو جس قدر

چاہے دے دے اس کا ہاتھ کون پکڑ سکتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو یہ دعویٰ کرے کہ میں ایسا علم جانتا ہوں جس سے غیب معلوم کر لیتا ہوں اور ماضی و مستقبل کی باتیں بتا سکتا ہوں وہ جھوٹا ہے اور خدائی کا دعویٰ کرتا ہے۔ اگر کسی نبی کو یا ولی کو یا جن کو یا فرشتے کو یا امام کو امام کے بیٹے کو یا پیر کو یا شہید کو یا نجومی' رمال' جفار کو یا فال کھولنے والے کو ایسا مان لیا جائے تو ماننے والا مشرک ہوتا ہے اور اس آیت کا انکار کرتا ہے اگر اتفاق سے کسی نجومی وغیرہ کی بات صحیح بھی ہو جائے تو اس سے ان کی غیب دانی کا ثبوت نہیں ہوتا کیونکہ زیادہ تر ان کی باتیں غلط ہی ہوتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ علم غیب ان کے بس کی بات نہیں۔ اٹکل کبھی ٹھیک اور کبھی غلط بھی ہو جاتی ہے۔ صرف وحی ہے جو کبھی غلط نہیں ہوتی اور وہ ان کے قابو میں نہیں' اللہ پاک اپنی مرضی کے مطابق جو چاہتا ہے بتا دیتا ہے۔ ان کی خواہش پر وحی کا دار و مدار نہیں۔

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ۔ (نمل ٦٥)

آپ فرما دیں کہ آسمان و زمین میں جتنے لوگ ہیں اللہ کے سوا غیب کی باتیں نہیں جانتے انہیں تو یہ بھی خبر نہیں کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔

یعنی غیب کو جاننا کسی کے بس کی بات نہیں خواہ وہ بڑے سے بڑا انسان یا فرشتہ ہی کیوں نہ ہو۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ دنیا جانتی ہے کہ قیامت آئے گی لیکن یہ کسی کو خبر نہیں کہ کب آئے گی۔ اگر ہر چیز کا معلوم کرنا ان کے بس میں ہوتا تو قیامت کے آنے کی تاریخ بھی معلوم کر لیتے۔

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌۢ بِاَىِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ۔ (لقمان ٣٤)

بلاشبہ اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے وہی مینہ برساتا ہے وہی پیٹ کے بچے کو

جانتا ہے کسی کو معلوم نہیں کہ کل کیا کمائے گا اور نہ یہ معلوم کہ کہاں مرے گا۔ یاد رکھو اللہ خوب جاننے والا اور بڑا خبردار ہے۔

یعنی غیب کی باتوں کی خبر اللہ ہی کو ہے اس کے سوا کوئی غیب دان نہیں چنانچہ قیامت کی خبر بھی جس کا آنا عوام میں مشہور ہے اور یقینی ہے کسی کو نہیں معلوم کہ کب آئے گی پھر اور چیزوں کا تو کیا کہنا مثلاً فتح و شکست کا' صحت و مرض کا اور اسی قسم کی دوسری باتوں کا کسی کو بھی علم نہیں۔ یہ باتیں نہ تو قیامت کی طرح مشہور ہیں اور نہ یقینی ہیں۔ اسی طرح بارش کی کسی کو خبر نہیں کہ کب ہو گی حالانکہ اس کا موسم بھی مقرر ہے اور اکثر موسم میں بارش ہوتی بھی ہے۔ اکثر لوگوں کو اس کی خواہش بھی رہتی ہے اگر اس کا وقت کسی طرح معلوم ہو سکتا تو کسی نہ کسی کو ضرور معلوم ہو جاتا۔ پھر جو بے موسم کی چیزیں ہیں اور تمام لوگوں کی خواہش ان سے وابستہ بھی نہیں مثلاً کسی شخص کی موت و حیات یا اولاد کا ہونا یا نہ ہونا یا مال دار ہونا یا نہ ہونا یا فتح و شکست کا ہونا۔ ان چیزوں کی بھلا کسی کو کیسے خبر ہو سکتی ہے۔ پیٹ کے بچے کے بارے میں تمام معلومات کوئی نہیں جانتا کہ ایک ہے یا ایک سے زیادہ' نر ہے یا مادہ' کامل ہے یا ناقص' ادھورا ہے یا پورا' اور خوبصورت ہے یا بدصورت نیک بخت ہے یا بدبخت یعنی جنتی ہے یا جہنمی ہے اس کا رزق کتنا ہے اس کی عمر کتنی ہے پھر انسان کے اندرونی حالات بھلا کوئی کیسے معلوم کر سکتا ہے مثلاً خیالات' ارادے' نیتیں اور ایمان و نفاق کا حال۔ جب کوئی یہ نہیں جانتا کہ کل کیا کروں گا تو وہ دوسروں کا حال کیسے جان سکتا ہے۔ بہرحال اللہ کے سوا کوئی آئندہ کی باتیں اپنے اختیار سے نہیں جانتا۔ معلوم ہوا کہ غیب دانی کا دعویٰ کرنے والے سب جھوٹے ہیں۔

پکار صرف اللہ ہی سن سکتا ہے

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗ اِلٰى يَوْمِ

الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ۝ (احقاف ۵)

اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہو گا جو اللہ کو چھوڑ کر ایسوں کو پکار رہا ہے جو قیامت تک بھی اس کی بات کا جواب نہ دے سکیں گے بلکہ وہ اس کی پکار سے بے خبر ہیں۔

یعنی مشرک پرلے درجے کے بے وقوف ہیں کہ خدا جیسے قدرت و علم والے کو چھوڑ کر دوسروں کو پکارتے ہیں جو نہ تو ان کی پکار کو سنتے ہیں اور نہ کسی بات کی ان میں قدرت و سکت ہے اگر یہ قیامت تک بھی پکارتے ہیں تو وہ کچھ نہیں کر سکتے معلوم ہوا کہ جو لوگ بزرگوں کو دور سے پکارتے ہیں اور انہیں پکار کر صرف یہی کہتے ہیں کہ یا حضرت آپ دعا فرما دیں کہ حق تعالیٰ ہماری حاجت پوری کر دے یہ بھی شرک ہے گو وہ اس وجہ سے اس کو شرک نہ سمجھتے ہوں کہ حاجت بر آری کی دعا تو خدا ہی سے کی گئی ہے کیونکہ پکارنے کی وجہ سے اس میں شرک آیا کہ ان کے بارے میں یہ اعتقاد رکھا گیا کہ وہ دور سے اور قریب سے برابر سنتے ہیں حالانکہ یہ خدائی شان ہے۔ اور اس آیت میں حق تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ ان کے پکارنے سے بے خبر ہیں۔ پکارنے والے کی پکار کو سنتے ہی نہیں گو وہ قیامت تک چیختا رہے۔

نفع و نقصان کا مالک صرف اللہ ہے

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِىْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِىَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۝ (احقاف ۵)

آپ فرما دیں کہ مجھے اپنے لئے بھی بھلائی برائی کا اختیار نہیں مگر جو خدا کو منظور ہو اگر میں غیب جانتا تو کثرت سے بھلائی جمع کر لیتا اور مجھ تک برائی نہ پہنچتی۔ میں تو صرف ایمان والوں کو ڈرانے والا اور خوش خبری سنانے والا ہوں۔

یعنی پیغمبر اسلام علیہ الصلوۃ و السلام سرتاج انبیاء ہیں۔ آپ سے بڑے بڑے

معجزے ظاہر ہوئے لوگوں نے آپ سے اسرار و رموز سیکھے۔ بزرگوں کو آپ کی راہ پر چلنے سے بزرگی نصیب ہوئی۔ اللہ پاک نے آپ ہی سے فرمایا کہ لوگوں کے سامنے اپنا حال بیان فرما دیں کہ مجھے نہ تو کچھ قدرت حاصل ہے اور نہ ہی غیب دان ہوں میری قدرت کا یہاں سے اندازہ لگاؤ کہ میں اپنی جان تک کے لئے نفع و نقصان کا مالک نہیں، دوسروں کو تو کیا بھلائی برائی پہنچا سکوں گا۔ اگر میں غیب دان ہوتا تو کام سے پہلے اس کا انجام معلوم کر لیا کرتا اگر اس کا انجام برا معلوم ہوتا تو اس میں کبھی ہاتھ نہیں ڈالتا۔ غیب دانی خدا کی شان ہے اور میں پیغمبر ہوں پیغمبر کا صرف اتنا کام ہوتا ہے کہ وہ برے کاموں کے انجام سے خبردار کر دے اور نیک کاموں پر خوش خبری سنا دے' یہ بات بھی انہیں کو فائدہ پہنچاتی ہے جن کے دلوں میں یقین ہو اور یقین پیدا کرنا اللہ ہی کا کام ہے۔

عظمت انبیاء کی اصل وجہ

معلوم ہوا کہ انبیاء اور اولیاء میں یہی بڑائی ہے کہ وہ اللہ کی راہ بتاتے ہیں اور جن اچھے برے کاموں سے واقف ہیں ان سے لوگوں کو آگاہ کرتے ہیں۔ اللہ پاک نے ان کی تبلیغ میں تاثیر رکھی ہے۔ بہت لوگ ان کی تبلیغ سے سیدھی راہ پر آ جاتے ہیں۔ یہ کوئی بڑائی نہیں کہ ان میں تصرف عالم کی قدرت رکھ دی گئی ہو کہ جسے چاہیں مار ڈالیں یا بیٹا بیٹی دے دیں یا آئی بلا ٹال دیں یا مرادیں بر لائیں یا فتح و شکست دے دیں یا تونگر بنا دیں یا فقیر و قلاش کر دیں یا کسی کو بادشاہ بنا دیں اور کسی کے ہاتھ میں کاسہ گدائی دے دیں یا کسی کو امیر یا وزیر بنا دیں اور کسی کو فقیر و حقیر کر دیں۔ کسی کے دل میں ایمان ڈال دیں اور کسی سے چھین لیں۔ کسی بیمار کو تندرست یا تندرست کو بیمار کر دیں یہ خدا ہی کی شان ہے اور ان باتوں سے سب چھوٹے بڑے عاجز ہیں اور عجز میں سب برابر ہیں اسی طرح یہ کوئی بڑائی نہیں کہ اللہ تعالیٰ غیب کی کنجیاں انہیں دے دے کہ جب چاہیں کسی کے دل کی بات معلوم کر لیں یا جس غیب کی بات کو چاہیں

معلوم کرلیں کہ فلاں کے ہاں اولاد ہو گی یا نہیں تجارت میں فائدہ ہو گا یا نہیں۔ لڑائی میں فتح ہو گی یا شکست۔ ان باتوں سے سب چھوٹے بڑے یکساں بے خبر ہیں پھر جس طرح کوئی بات عقل سے یا کسی قرینے سے کہہ دی جاتی ہے اور وہ اسی طرح ہو جاتی ہے جس طرح کہی گئی تھی اسی طرح یہ بڑے لوگ بھی جو بات عقل و قرینہ سے کہہ دیتے ہیں کبھی تو وہ ٹھیک ہو جاتی ہے اور کبھی غلط ہو جاتی ہے لیکن وحی یا الہام کی بات غلط نہیں ہوتی مگر وحی اختیار میں نہیں ہوتی۔

عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت من اخبرک ان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الخمس التی قال اللہ تعالیٰ ان اللہ عندہ علم الساعة فقد اعظم الفریة (بخاری۔ مشکوۃ۔ باب رویۃ اللہ)

عائشہؓ نے فرمایا جس نے تمہیں خبر دی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان پانچ باتوں کو جانتے تھے۔ جن کی اللہ پاک نے اس آیت اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَةِ میں خبر دی ہے اس نے بڑا زبردست بہتان باندھا۔

یعنی وہ پانچ باتیں سورۂ لقمان کے اخیر میں ہیں۔ جس کا بیان گزر چکا کہ تمام غیب کی باتیں ان ہی پانچ چیزوں میں داخل ہیں لہٰذا جو کوئی یہ کہے کہ آپ غیب کی سب باتیں جانتے تھے اس نے بڑا بھاری طوفان اٹھایا۔ غیب تو خدا کے سوا کوئی جانتا ہی نہیں۔

شرک فی التصرف

قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ○ (مومنون ۸۹)

آپ فرما دیں کون ہے وہ جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابل میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ اگر تم علم والے ہو تو وہ اللہ ہی کو بتائیں

گے آپ فرما دیں پھر کیوں دیوانے بنے جاتے ہو۔

یعنی جس مشرک سے پوچھا جائے کہ ایسی شان کس کی ہے جس کے اختیار و تصرف میں ہر چیز ہے جو چاہے کرے۔ اس کا ہاتھ کوئی پکڑنے والا نہ ہو اور کوئی اس کی بات ٹال نہ سکے تو وہ اللہ ہی کو بتائیں گے تو پھر دوسروں سے مرادیں مانگنا پاگل پن ہوا۔ معلوم ہوا کہ عہد رسالت میں بھی لوگ اس بات کے قائل تھے کہ اللہ کے برابر اور مقابلے کا کوئی نہیں مگر بتوں کو اپنا وکیل سمجھ کر پوجتے تھے اور ان سے مانگتے تھے اسی وجہ سے مشرک ہوئے۔ آج بھی اگر کوئی اس عالم میں کسی مخلوق کے تصرف کا قائل ہو اور اپنا وکیل سمجھ کر اس کی عبادت کرے تو مشرک ہو جائے گا گو اس کو خدا کے برابر نہ سمجھتا ہو اور اس کے مقابلے کی طاقت اس میں نہ جانتا ہو۔

قُلْ اِنِّيْ لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا○ قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا○ (سورۂ جن)

آپ فرما دیں کہ میں تم پر نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتا آپ فرما دیں کہ مجھے کوئی اللہ سے ہرگز ہرگز نہیں بچا سکتا اور میں اس کے سوا کہیں بچاؤ نہیں پاتا۔

یعنی میں تمہارے نفع و نقصان پر اختیار نہیں رکھتا۔ میرے امتی ہونے کی وجہ سے تم لوگ مغرور ہو کر یہ خیال کر کے حد سے نہ بڑھنا کہ ہمارا پایہ مضبوط ہے۔ ہمارا وکیل بہت بڑا ہے۔ اور ہمارا شفیع محبوب داور محشر ہے ہم جو چاہیں کریں وہ ہمیں اللہ کے عذاب سے بچا لے گا کیونکہ میں تو خود ہی ڈرتا ہوں اور اللہ کے سوا کہیں پناہ گاہ نہیں دیکھتا۔ دوسروں کو کیا بچا سکوں گا۔ معلوم ہوا کہ جو عوام پیروں پر بھروسہ کر کے اللہ کو بھول جاتے ہیں اور حکم عدولی کرتے ہیں محض گمراہ ہیں کیوں کہ تمام پیروں کے پیر سرکار رسالت دن رات اللہ سے ڈرتے تھے اور اس کی رحمت کے سوا کہیں اپنا بچاؤ نہیں جانتے تھے بھلا کسی اور کا تو کہنا ہی کیا ہے۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ۔ (نحل ۷۳)

مشرک خدا کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہیں جو آسمان و زمین سے روزی پہنچانے میں کچھ بھی دخل نہیں رکھتے اور نہ رکھ سکتے ہیں۔

یعنی ایسے لوگوں کی اللہ کی سی تعظیم کرتے ہیں جو قطعی بے بس ہیں۔ روزی پہنچانے میں ان کا کچھ بھی دخل نہیں۔ نہ آسمان سے مینہ برسا سکیں اور نہ زمین سے کچھ اگا سکیں انہیں کسی طرح کی بھی سکت نہیں۔ معلوم ہوا عوام میں جو یہ بات مشہور ہے کہ بزرگوں کو عالم میں تصرف کی تو قدرت ہے مگر تقدیر الٰہی پر شاکر ہیں۔ ادب سے دم نہیں مارتے ورنہ اگر چاہیں تو کائنات کو زیر و زبر کر دیں لیکن شرع کی عظمت کا خیال کر کے چپ ہیں یہ قطعی غلط ہے کائنات میں نہ انہیں بالفعل دخل ہے نہ بالقوہ (Potentially) یعنی ان میں اس قسم کے تصرف کی صلاحیت و قدرت ہی نہیں۔

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ۝ (یونس ۱۰۶)

اللہ کو چھوڑ کر اس کو مت پکاریئے۔ جو آپ کو نہ نفع پہنچا سکے اور نہ نقصان۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو آپ ظالم بن جائیں گے۔

یعنی عزت و جلال والے خدا کے ہوتے ہوئے ایسے لوگوں کو پکارنا جو نہ نفع کے مالک ہیں اور نہ نقصان کے سراسر ظلم ہے کیونکہ بڑی سے بڑی ہستی کا مقام محض ناکارہ لوگوں کو دیا جا رہا ہے۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ۝ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ۝ (سورہ سبا)

آپ فرما دیجئے پکار کر دکھاؤ تو سہی جن کو تم نے اللہ کو چھوڑ کر معبود خیال کر رکھا ہے جو آسمانوں میں اور زمین میں ذرہ برابر بھی اختیار نہیں رکھتے نہ ان میں ان کا کوئی حصہ ہے اور نہ ان میں کوئی اللہ کا مدد گار ہے اس کے آگے کسی کی سفارش کام نہیں

آئے گی مگر جس کو وہ اجازت دے دے یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو کہتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا اور جواب دیتے ہیں کہ حق ہی فرمایا ہو گا وہی سب سے بلند و بڑا ہے۔

یعنی آڑے وقت کسی سے مراد مانگنا اور جس سے مراد مانگی ہے اس کا مراد کو برلانا کئی طرح ہے۔ جس سے مراد مانگی ہے وہ خود مالک ہو یا اس کا ساجھی ہو یا اس کا مالک پر دباؤ ہو جیسے بادشاہ دیگر امراء کا کہنا مان لیتا ہے کیونکہ وہ اراکین سلطنت ہیں اور ان کے ناراض ہونے سے حکومت کا نظم و نسق بگڑتا ہے یا وہ مالک سے سفارش کرے اور مالک کو اس کی سفارش ماننی ہی پڑتی ہے خواہ دل سے مانے یا نہ مانے مثلاً شاہزادیوں سے یا بیگمات سے بادشاہ کو محبت ہوتی ہے اور ان کی محبت کی وجہ سے ان کی سفارش رد نہیں کی جاتی۔ اب غور کرو کہ مشرک خدا کو چھوڑ کر جن بزرگوں کو پکارتے ہیں اور ان سے مرادیں مانگتے ہیں نہ تو وہ کائنات میں مچھر کے ایک پر کے مالک ہیں نہ ان کا رتی بھر ساجھا ہے نہ خدائی سلطنت کے رکن ہیں اور نہ خدا کے معین و مدد گار کہ ان سے دب کر اللہ تعالیٰ ان کی بات مان لے اور نہ بلا اجازت خداوندی سفارش کے لئے لب ہلا سکتے ہیں کہ خواہ مخواہ اس سے کچھ دلا دیں۔ بلکہ بارگاہ الوہیت میں ان کا یہ حال ہے کہ اس کے آگے سب کے ہوش اڑ جاتے ہیں اور بدحواس و مرعوب ہو جاتے ہیں۔ احترام و دہشت کی وجہ سے دوسری دفعہ پوچھنے کی بھی جرات نہیں ہوتی۔ بلکہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ رب نے کیا کہا اور تحقیق کے بعد آمنا و صدقنا ہی کہنا پڑتا ہے چہ جائیکہ بات نہ مانی جائے یا کوئی وکالت و حمایت کی جرات کرے۔

شفاعت کی حقیقت

یہاں ایک بات انتہائی کام کی ہے اس کو یاد رکھا جائے کہ عوام انبیاء اور اولیاء کی

شفاعت پر نازاں ہیں اور شفاعت کے غلط معنی سمجھ کر اللہ کو بھول گئے ہیں در حقیقت شفاعت کے معنی سفارش کے ہیں۔ دنیا میں سفارش کی کئی صورتیں ہیں مثلاً بادشاہ کی نگاہ میں چور کی چوری ثابت ہو جائے اور کوئی امیر یا وزیر اس کی سفارش کر کے سزا سے بچا لے بادشاہ تو چور کو سزا ہی دینا چاہتا تھا جیسا کہ آئین حکومت ہے مگر امیر سے دب کر اسے چھوڑ دیتا ہے کیونکہ امیر رکن سلطنت ہے اور اس کی وجہ سے سلطنت میں دن رات ترقی ہو رہی ہے بادشاہ یہ خیال کرے کہ اس امیر کو ناراض نہیں کرنا چاہئے ورنہ حکومت کے نظم و نسق میں گڑ بڑ پیدا ہو جائے گی اور غصے کو پی جانا عین مناسب ہے چور کو معاف فرما دیتا ہے۔ اس قسم کی سفارش کو شفاعت وجاہت کہا جاتا ہے یعنی امیر کی جاہ و عزت کی وجہ سے اس کی بات مانی گئی۔ خدا کے ہاں شفاعت وجاہت قطعی طور پر ناممکن ہے جو شخص کسی غیر اللہ کو اس قسم کا شفیع مان لے وہ قطعی مشرک ہے اور بڑا جاہل ہے اس نے خدا کے معنی سمجھے ہی نہیں شہنشاہ کی قدر و منزلت پہچانی ہی نہیں۔ اس شہنشاہ (خداوند قدوس) کی تو یہ شان ہے کہ اگر چاہے تو لفظ کن سے کروڑوں نبی' ولی' جن' فرشتے' جبرئیل اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر ایک آن میں پیدا کر دے اور ایک دم میں عرش سے فرش تک ساری کائنات کو زیر و زبر کر دے اور دوسرا عالم پیدا کر دے۔ اس کے تو ارادے ہی سے ہر چیز پیدا ہو جاتی ہے۔ اسے مادے کی اور سامان کی حاجت ہی نہیں۔ اگر آدم سے لے کر قیامت تک کے تمام انسان اور جن جبرئیل و پیغمبر جیسے ہو جائیں تو ان کی وجہ سے سلطنت میں کچھ بھی رونق نہ بڑھے گی اور اگر سب شیطان و دجال بن جائیں تو اس کی حکومت کی کچھ رونق بھی نہ گھٹے گی وہ ہر حال میں تمام بڑوں کا بڑا اور تمام بادشاہوں کا بادشاہ ہے نہ کوئی اس کا کچھ بگاڑ سکے اور نہ بنا سکے۔

سفارش کی دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی شاہزادہ' بیگم یا بادشاہ کا محبوب کھڑا ہو جائے اور چور کو سزا نہ دینے دے۔ بادشاہ اس کی محبت کی وجہ سے اسے ناراض نہ کرنا چاہے اور چور کو معاف فرما دے اس کی سفارش کو شفاعت محبت کہا جاتا ہے۔ بادشاہ

نے اس کی محبت سے مجبور ہو کر اس خیال سے کہ محبوب کی ناراضگی سے خود مجھے تکلیف پہنچے گی محبوب کی بات مان لی۔ خدا کے دربار میں یہ بات بھی ناممکن ہے اگر کوئی کسی نبی یا ولی کو اس قسم کا شفیع سمجھے وہ بھی پکا مشرک اور نرا جاہل ہے۔ وہ شہنشاہ اپنے بندوں کو کتنا ہی نوازے۔ کسی کو حبیب' کسی کو کلیم' کسی کو روح اللہ اور کسی کو وجیہ کا خطاب عطا فرمائے اور کسی کو رسول کریم' مکین' روح القدس اور روح الامین کے معزز القاب سے نوازے مگر مالک مالک ہی ہے اور غلام غلام ہی ہے۔ ہر ایک کا ایک مقام ہے جس سے آگے وہ نہیں بڑھ سکتا۔ غلام جس طرح اس کی رحمت سے متاثر ہو کر مسرت سے جھومتا ہے' اسی طرح اس کی ہیبت سے بھی اس کا پتہ پانی ہوتا ہے۔

سفارش کی تیسری صورت یہ ہے کہ چور کی چوری تو ثابت ہو گئی مگر وہ پیشہ ور چور نہیں ہے' بدقسمتی سے اس سے چوری سرزد ہو گئی۔ شرم کے مارے پانی پانی ہے۔ ندامت سے سر جھکا ہوا ہے۔ دن رات سزا کا خوف اسے کھا رہا ہے۔ آئین کی حرمت کو سر اور آنکھوں میں جگہ دیتا ہے اور خود کو سیہ کار' گنہ گار اور سزا کا مستحق سمجھ رہا ہے۔ بادشاہ سے بھاگ کر کسی امیر یا وزیر کی طرف رخ نہیں کرتا۔ اور اس کے مقابلے میں کسی کی حمایت کا قائل نہیں' شب و روز بادشاہ ہی کا منہ تک رہا ہے کہ سرکار عالی کے یہاں سے اس باغی گنہ گار کے لئے کیا سزا تجویز ہوتی ہے۔ بادشاہ کو اس کے حال زار پر ترس آ جاتا ہے' اور اس سے درگزر کرنا چاہتا ہے مگر حرمت آئین کا لحاظ رکھنا چاہتا ہے کہ کہیں قانون کا احترام لوگوں کی نگاہ سے گر نہ جائے۔ اب کوئی امیر یا وزیر بادشاہ کا اشارہ پا کر سفارش کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے بادشاہ اس امیر کی عزت افزائی کے لئے بظاہر اس کی سفارش کا نام کر کے چور کا قصور معاف فرما دیتا ہے امیر نے چور کی اس لئے سفارش نہیں کی کہ وہ اس کا رشتہ دار ہے یا دوست آشنا ہے یا اس کی حمایت کا اس نے ذمہ لے لیا تھا۔ بلکہ محض بادشاہ کی مرضی دیکھ کر سفارش کے لئے کھڑا ہوا ہے کیونکہ وہ تو بادشاہ کا امیر ہے نہ کہ چوروں کا حمایتی کیونکہ چور کا حمایتی بھی چور ہوتا

ہے اس قسم کی سفارش کو شفاعت بالاذن (اجازت و مرضی سے سفارش) کہا جاتا ہے۔ دربار خداوندی میں اس قسم کی سفارش ہو گی۔ قرآن پاک میں جس نبی یا ولی کی شفاعت کا بیان ہے وہ یہی شفاعت ہے لہٰذا ہر انسان کا فرض ہے کہ اللہ ہی کو پکارے اسی سے ہر وقت ڈرتا رہے۔ اسی سے گناہوں کی معافی مانگتا رہے۔ اسی کے آگے گناہوں کا معترف رہے۔ اسی کو اپنا مالک اور حمایتی سمجھے۔ اللہ کے سوا اپنا کہیں ٹھکانا نہ جانے اور کبھی کسی حمایت پر اعتماد نہ کرے۔ کیونکہ ہمارا رب بڑا ہی معاف کرنے والا اور انتہائی مہربان ہے وہ اپنے فضل و کرم سے سب بگڑے کام بنا دے گا' اور اپنی مہربانی سے سارے گناہ معاف فرما دے گا۔ اور جس کو چاہے گا اپنے حکم سے تمہارا شفیع بنا دے گا۔

عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیسئال احدکم ربہ حاجتہ کلھا حتی لیسال الملح وحتی یسئلہ شسع نعلہ اذا انقطع (ترمذی)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر ایک مسلمان کو اپنے رب سے اپنی ساری ضرورتیں مانگنی چاہئیں۔ یہاں تک کہ نمک اور جوتے کا تسمہ جب وہ ٹوٹ جائے اسی سے مانگے۔

یعنی اللہ پاک کو دنیوی بادشاہوں کی طرح نہ سمجھو کہ بڑے کام تو خود کرتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے کام نوکروں سے کراتے ہیں اس لئے لوگوں کو چھوٹے چھوٹے کاموں میں نوکروں سے التجا کرنی پڑتی ہے خدا کا کارخانہ ایسا نہیں ہے وہ قادر مطلق تو پلک جھپکنے میں بے شمار چھوٹے بڑے کام ٹھیک فرما دیتا ہے اس کی سلطنت میں کوئی شریک اور ساجھی نہیں اس لئے چھوٹی سے چھوٹی چیزیں بھی براہ راست اس سے مانگو کیونکہ اس کے سوا تو کوئی اور نہ چھوٹی چیز دے سکتا ہے اور نہ بڑی۔

عن ابی ہریرۃ قال لما نزلت و انذر عشیرتک الاقربین دعا النبی صلی اللہ علیہ وسلم قرابتہ فعم و خص فقال یا بنی کعب ابن

لوی انقذوا انفسکم من النار فانی لا املک لکم من اللہ شیئا ویابنی مرۃ بن کعب انقذوا انفسکم من النار فانی لا اغنی عنکم من اللہ شیئا ویا بنی عبد شمس انقذوا انفسکم من النار فانی لا اغنی عنکم من اللہ شیئا و یا بنی عبد مناف انقذوا انفسکم من النار فانی لا اغنی عنکم من اللہ شیئا و یابنی ھاشم انقذوا انفسکم من النار فانی لا اغنی عنکم من اللہ شیئا و یابنی عبد المطلب انقذوا انفسکم من النار فانی لا اغنی عنکم من اللہ شیئا ویا فاطمۃ انقذی نفسک من النار سلینی ماشئت من مالی فانی لا اغنی من اللہ شیئا۔ (بخاری۔ مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا جب وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ (اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ) اتری تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رشتے داروں کو بلا کر فرمایا کہ اے اولاد کعب بن لوی اپنی جانوں کو آگ سے بچاؤ میں اللہ کے عذاب سے تمہارے کام نہ آسکوں گا۔ اے اولاد مرہ بن کعب اپنی جانوں کو آگ سے بچاؤ میں اللہ کے عذاب سے تمہارے کام نہ آسکوں گا۔ اے اولاد عبد شمس اپنی جانوں کو آگ سے بچاؤ میں اللہ کے عذاب سے تمہارے کام نہ آسکوں گا اے اولاد عبد مناف اپنی جانوں کو آگ سے بچاؤ میں اللہ کے عذاب سے تمہارے کام نہ آسکوں گا اے اولاد ہاشم اپنے نفسوں کو آگ سے بچاؤ میں اللہ کے عذاب سے تمہارے کام نہ آسکوں گا۔ اے اولاد عبد المطلب اپنی جانوں کو آگ سے بچاؤ میں اللہ کے عذاب سے تمہارے کام نہ آسکوں گا۔ اے فاطمہ اپنی جان کو عذاب سے بچالے مجھ سے میرا مال لے لے جو کچھ تجھے چاہئے کیونکہ میں اللہ کے عذاب سے کام نہیں آؤں گا۔

یعنی جو لوگ کسی بزرگ کے رشتہ دار ہوتے ہیں انہیں بزرگوں کی حمایت کا بھروسہ ہوتا ہے اسی وجہ سے وہ مغرور ہو کر نڈر ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اللہ پاک نے اپنے محبوب پیغمبر سے فرمایا کہ اپنے رشتہ داروں کو ہوشیار کر دیں۔ آپ نے ایک ایک

کو یہاں تک کہ اپنی لاڈلی صاحبزادی کو بھی صاف صاف بتا دیا کہ حق قرابت اسی چیز میں ممکن ہے جو انسان کے اختیار میں ہے میرے اختیار میں مال ہے اس کے دینے میں بخل سے کام نہیں لیتا لیکن خدا کے ہاں کا معاملہ میرے اختیار سے باہر ہے وہاں کسی کی بھی حمایت نہیں کر سکتا اور کسی کا بھی وکیل نہیں بن سکتا۔ ہر شخص قیامت کے لئے اپنی اپنی تیاری کر لے اور دوزخ سے بچنے کی آج ہی فکر کر لے۔ معلوم ہوا کہ کسی بزرگ کی فقط رشتہ داری خدا کے ہاں کام آنے والی نہیں جب تک انسان خود نیک عمل نہ کرے بیڑا پار ہونا مشکل ہے۔

شرک فی العبادت

عبادت ان کاموں کو کہا جاتا ہے جو حق تعالیٰ نے اپنی تعظیم کے واسطے مقرر فرما کر بندوں کو سکھائے ہیں۔ یہاں ہمیں یہ بتلانا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی تعظیم کے واسطے کون کون سے کام بتائے ہیں تاکہ غیر اللہ کے لئے وہ کام نہ کئے جائیں اور شرک سے بچا جائے۔

عبادت صرف اللہ ہی کے لئے ہے

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖۤ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ○ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ○ (سورۂ ہود)

بلاشبہ ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ انہوں نے کہا کہ اے قوم میں تمہیں ایک کھلا ڈرانے والا ہوں اس بات سے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو مجھے تم پر قیامت کے دن کے دردناک عذاب کا اندیشہ ہے۔

یعنی مسلمانوں اور کافروں میں حضرت نوحؑ کے زمانے سے جھگڑا چلا آ رہا ہے۔

اللہ کے مقبول بندے یہی کہتے آئے ہیں کہ اللہ کی سی تعظیم غیر اللہ کی نہ کرو۔ فرمایا:

وَمِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ○ (حم سجدہ ۳۷)

رات، دن اور سورج اور چاند اس کی نشانیوں میں سے ہیں۔ سورج کو اور چاند کو سجدہ نہ کرو۔ اس اللہ کو سجدہ کرو۔ جس نے انہیں پیدا کیا گیا اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اسلام میں سجدہ خالق ہی کا حق ہے لہٰذا کسی مخلوق کو سجدہ نہ کیا جائے خواہ وہ چاند سورج ہوں یا نبی ولی ہوں یا جن اور فرشتے ہوں۔

غیر اللہ کو پکارنا شرک ہے

وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ○ وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ یَدْعُوْهُ كَادُوْا یَكُوْنُوْنَ عَلَیْهِ لِبَدًا ○ قُلْ اِنَّمَاۤ اَدْعُوْا رَبِّیْ وَلَاۤ اُشْرِكُ بِهٖۤ اَحَدًا ○ (سورۂ جن)

یقین مانو مسجدیں اللہ ہی کی ہیں لہٰذا اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو اور جب اللہ کا بندہ اس کی عبادت کے لئے کھڑا ہوا تو قریب تھا کہ وہ بھیڑ کی بھیڑ بن کر اس پر جھک پڑیں آپ فرما دیں کہ میں تو اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتا۔

یعنی جب کوئی اللہ کا بندہ اپنے پاک و صاف دل سے خدا کو پکارتا ہے تو یہ نادان سمجھتے ہیں کہ بڑا پہنچا ہوا ہے۔ غوث و قطب ہے جس کو جو چاہے دے دے اور جس سے جو چاہے چھین لے اس لئے ٹھٹ کے ٹھٹ اس کے پاس اس امید پر جمع ہو جاتے ہیں کہ بگڑی بنا دے گا اب اس بندے کا فرض ہے کہ صحیح صحیح بات بتا دے کہ آڑے

وقت خدا ہی کو پکارنا چاہئے یہ حق کسی اور کا نہیں ہے۔ اللہ ہی سے نفع و نقصان کی امید رکھنی چاہئے کیونکہ اس طرح کا معاملہ غیر اللہ سے کرنا شرک ہے میں شرک سے اور شرک کرنے سے بیزار ہوں اگر کوئی مجھ سے اس قسم کا معاملہ کرنا چاہے تو میں اس سے راضی نہیں اور دینا لینا خدا ہی کا کام ہے۔ وہی دیتا ہے اور وہی لیتا ہے میرے ہاتھ میں کچھ نہیں وہی میرا اور تمہارا رب ہے لہٰذا آؤ اور معبود ان باطل کو چھوڑ کر اسی ایک وحدہ لاشریک لہ کو پکارو جو اپنی واحدنیت میں' معبودیت میں' ربوبیت میں اور حاکمیت میں اکیلا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ (ہاتھ باندھ کر) ادب سے کھڑا ہونا پکارنا اور نام کا وظیفہ پڑھنا ان کاموں میں سے ہیں جن کو حق تعالیٰ نے اپنی تعظیم کے لئے مخصوص فرما دیا ہے یہ معاملہ غیر اللہ سے کرنا شرک ہے۔

شعائر اللہ کی تعظیم

وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ○ لِیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَیَذْکُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِیْ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰی مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ فَکُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِیْرَ ثُمَّ لْیَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْیُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْیَطَّوَّفُوْا بِالْبَیْتِ الْعَتِیْقِ

لوگوں میں حج کی آواز لگا دو وہ تمہارے پاس پیادہ اور دبلے دبلے اونٹوں پر چلے آئیں گے کہ وہ (اونٹ) چلے آتے ہیں دور دور کے رستے سے تاکہ (لوگ) اپنے فائدہ کی جگہوں میں پہنچ جائیں اور (تاکہ) لیں اللہ کا نام مقرر دنوں میں ان چوپایوں پر جو اللہ نے ان کو دیئے۔ سو کھاؤ ان سے اور کھلاؤ بدحال محتاج کو۔ پھر چاہیے کہ تمام کریں اپنا میل کچیل اور پوری کریں اپنی نذریں اور طواف کریں اس قدیم گھر کا۔

یعنی حق تعالیٰ نے اپنی تعظیم کے لئے بعض جگہیں مقرر فرمائی ہیں جیسے کعبہ عرفات' مزدلفہ' منیٰ' صفا' مروہ' مقام ابراہیم' مسجد حرام بلکہ سارا مکہ معظمہ بلکہ سارا

حرم۔ لوگوں کو ان مقامات کی زیارت کا شوق دیا ہے کہ دنیا کے گوشے گوشے سے سمٹ کر خواہ سوار ہو کر خواہ پاپیادہ دور دور سے بیت اللہ کی زیارت کے لئے آئیں سفر کی مشقتیں اٹھا کر ایک خاص بے سلے لباس میں مخصوص ہیئت سے وہاں پہنچیں' اور خدا کے نام کی قربانیاں کریں۔ اپنی منتیں پوری کریں۔ بیت اللہ کا طواف کریں اور دلوں میں مالک کی تعظیم کی جو امنگیں کروٹیں لے رہی ہیں۔ بیت اللہ آ کر انہیں پوری کریں اس کی چوکھٹ کو چومیں۔ اس کے دروازے کے سامنے بلک بلک کر دعائیں مانگیں پھر کوئی بیت اللہ کا پردہ تھام کر رو رو کر خدا سے دعائیں مانگ رہا ہے۔ کوئی وہاں اعتکاف میں بیٹھ کر رات دن ذکر الٰہی کر رہا ہے۔ کوئی مودب چپ چاپ حسرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھ ہی رہا ہے۔ بہرحال یہ سب کام خدا کی تعظیم و اکرام کے لئے کئے جاتے ہیں۔ خدا ان سے ان کاموں کے سبب خوش ہوتا ہے اور ان سے دونوں جہان میں فائدہ ہوتا ہے لہٰذا اس قسم کے کام غیر اللہ کی تعظیم کے لئے حرام و شرک ہیں۔ کسی قبر کی زیارت کے لئے' یا کسی تھان یا چلہ پر دور دراز سے سفر کی مشقتیں اٹھا کر آنا اور میلے کچیلے ہو کر وہاں پہنچنا' وہاں جا کر جانوروں کی قربانی کرنا منتیں پوری کرنا کسی گھر کا یا قبر کا طواف کرنا اس کے آس پاس کے جنگل کا ادب کرنا وہاں کا شکار نہ کرنا وہاں کے درختوں کو نہ کاٹنا' گھاس کے تنکے نہ توڑنا اور نہ اکھاڑنا اور اسی قسم کے اور کام کرنے اور ان سے دونوں جہان کی بھلائیوں کو امید رکھنا سب شرک ہے ان سے بچنا چاہئے کیونکہ شریعت نے جن مقامات کی تعظیم کرنے کا حکم دیا ہے ان کے علاوہ اور جگہوں پر ایسا کرنا اور اپنی طرف سے اس کو دین میں داخل سمجھنا بدعت ہے اطاعت و فرمانبرداری کا معاملہ اللہ ہی سے کرنا چاہئے' نہ کہ مخلوق سے۔

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّکُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّکَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ

(انعام ص ۱۳۶)

آپ فرما دیجئے کہ میں کھانے والے پر کسی چیز کو حرام نہیں پاتا کہ وہ اسے کھائے مگر وہ چیز جو مردار ہے یا بہنے والا خون ہے' یا خنزیر کا گوشت ہے کیونکہ یہ ناپاک ہے یا گناہ کی چیز ہے کہ اسے غیر اللہ کے نام پر مشہور کیا گیا ہو۔ اور اگر کوئی مجبور ہو جائے نہ تو نافرمانی کرے نہ حد سے باہر نکل جائے تو تمہارا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے۔

یعنی جس طرح سور' خون اور مردار حرام ہے اسی طرح وہ جانور حرام ہے جو گناہ کی صورت میں ہو کہ اللہ کے نام کا نہیں بلکہ کسی اور کے نام کا ہے معلوم ہوا کہ جو جانور کسی مخلوق کے نام پر نامزد کر دیا جائے وہ حرام و ناپاک ہے۔ مثلاً یہ کہہ دیا جائے کہ یہ سید احمد کبیر کی گائے' یہ شیخ سدو کا بکرا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس آیت میں اس بات کا بیان نہیں کہ وہ جانور جب ہی حرام ہو گا جب ذبح کرتے وقت اس پر غیر اللہ کا نام لیا جائے بلکہ محض نامزد کرنے ہی سے حرام ہو گیا۔ اگر کوئی جانور مرغی ہو یا بکری' اونٹ ہو یا گائے کسی مخلوق کے نام کا کر دیا جائے خواہ ولی کے نام کا ہو یا نبی کے۔ باپ' دادا کے نام کا ہو یا پیر و شیخ کے نام کا ہو وہ قطعی حرام و ناپاک ہے اور نام کرنے والا مشرک ہے۔

شرک فی العادت سے متعلق ارشاد نبویؐ

عن معاویة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سرہ ان یتمثل لہ الرجال قیاما فلیتبوء مقعدہ من النار۔ (ترمذی)

حضرت معاویہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو اس بات سے مسرت ہو کہ لوگ اس کے سامنے تصویروں کی مانند کھڑے رہیں تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔

یعنی جس شخص کی یہ خواہش ہو کہ لوگ اس کے سامنے باادب ہاتھ باندھے ہوئے کھڑے رہیں' نہ ہلیں جلیں' نہ ادھر ادھر دیکھیں اور نہ بولیں چالیں بلکہ بت بنے

ہوئے کھڑے رہیں وہ دوزخی ہے کیونکہ وہ خدائی کا دعویدار ہے کہ جو تعظیم اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے خاص ہے وہی اپنے لئے چاہتا ہے۔ نماز میں نمازی ہاتھ باندھ کر چپ چاپ ادھر ادھر دیکھے بغیر کھڑے ہوتے ہیں اور ایسا قیام اللہ کی ذات کے ساتھ خاص ہے۔ معلوم ہوا کہ کسی کے سامنے ادب و تعظیم کی غرض سے کھڑا ہونا ناجائز اور شرک ہے۔

عن ثوبان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تقوم الساعة حتی تلحق قبائل من امتی بالمشرکین و حتی تعبد قبائل من امتی الاوثان۔

حضرت ثوبان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت نہیں آئے گی جب تک میری امت کے قبیلے مشرکوں میں نہ جا ملیں اور بت پرستی اختیار نہ کرلیں۔ (ترمذی)

بت دو طرح کے ہوتے ہیں۔ کسی کے نام کی تصویر یا مورتی بنا کر اس کو پوجا جائے اس کو عربی میں صنم کہا جاتا ہے۔ کسی جگہ کو درخت کو یا پتھر یا لکڑی کو یا کاغذ کو کسی کے نام کر مقرر کر کے پوجا جائے اس کو وثن کہا جاتا ہے۔ قبر' چلہ' لحد' چھڑی' تعزیہ' علم' امام قاسم کی اور شیخ عبد القادر کی مہندی۔ امام کا چبوترہ اور استاد و مشائخ کے بیٹھنے کی جگہیں یہ سب وثن میں داخل ہیں اسی طرح شہید کے نام کا طاق' نشان اور توپ جس پر بکرا چڑھایا جاتا ہے اور اسی طرح بعض مکانات بیماریوں کے نام سے مشہور ہیں جیسے ستیلا کلیا مسانی کلیا بھوانی کلیا کالی کلکتہ والی کا یا کالکا کلیا براہی کا یہ سب وثن ہیں۔ صنم اور وثن دونوں کی پرستش سے شرک ثابت ہوتا ہے۔ پیغمبر اسلامؐ نے خبر دی کہ قیامت کے قریب مسلمانوں کا شرک اسی قسم کا ہو گا۔ برخلاف دوسرے مشرکوں کے جیسے ہندو یا عرب کے مشرک کہ اکثر مورتوں کو مانتے ہیں اور اللہ کے رسولؐ کے دشمن ہیں۔

عن ابی الطفیل ان علیا رضی اللہ عنہ اخرج صحیفة فیھا لعن

اللہ من ذبح لغیر اللہ۔ (مسلم)

حضرت ابو الطفیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک کتاب نکالی جس میں یہ حدیث تھی کہ جس نے جانور کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا اس پر خدا کی لعنت ہے۔

یعنی جو شخص اللہ کے سوا کسی مخلوق کے نام کا جانور ذبح کرے وہ ملعون ہے۔ حضرت علیؓ نے ایک کاپی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی حدیثیں لکھ رکھی تھیں۔ نکالی ان میں یہ حدیث بھی تھی۔ معلوم ہوا کہ جانور اللہ ہی کا نام لے کر ذبح کرنے سے حلال ہوتا ہے۔ غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرنا شرک ہے اور جانور بھی حرام ہو جاتا ہے۔ اسی طرح وہ جانور بھی حرام ہوتا ہے جو غیر اللہ کا نامزد ہو خواہ اس پر ذبح کے وقت اللہ ہی کا نام لیا گیا ہو۔

شرک فی العادات

اس باب میں ان آیات و احادیث کا بیان ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح انسان دنیوی کاموں میں طرح طرح سے اللہ کی تعظیم بجالاتا رہتا ہے ایسا معاملہ غیر اللہ سے نہ کیا جائے۔

اِنْ یَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ یَّدْعُوْنَ اِلَّا شَیْطٰنًا مَّرِیْدًا ○ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا ○ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّیَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَیُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ یَّتَّخِذِ الشَّیْطٰنَ وَلِیًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِیْنًا ○ یَعِدُهُمْ وَیُمَنِّیْهِمْ ؕ وَمَا یَعِدُهُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ○ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۫ وَلَا یَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِیْصًا ○ (نساء ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰)

یہ مشرک اللہ کو چھوڑ کر عورتوں ہی کو پکارتے ہیں بلکہ سرکش شیطان ہی کو

پکارتے ہیں جس پر اللہ نے پھٹکار ڈال دی ہے اس نے کہہ رکھا ہے کہ میں تیرے بندوں سے ایک مقرر حصہ الگ کر رکھوں گا میں انہیں گمراہ کیے بغیر آرزو دلائے بغیر اور حکم کیے بغیر نہ رہوں گا۔ وہ جانوروں کے کان کاٹ ڈالیں گے اور میں انہیں حکم کروں گا کہ وہ اللہ کی پیدائش کو بدل ڈالیں گے جو اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنائے وہ زبردست گھاٹے میں پڑ گیا۔ شیطان ان سے وعدہ کرتا ہے اور امیدیں بندھاتا ہے شیطان ان سے وعدہ کر کے محض دھوکہ کر رہا ہے انہیں لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے جس سے وہ رہائی نہ پا سکیں گے۔

یعنی جو غیر اللہ کو پکارتے ہیں وہ اپنے خیال میں عورتوں کے پجاری ہیں۔ کوئی تو حضرت بی بی کو، کوئی بی بی آسیہ کو، کوئی بی بی اناؤلی کو، کوئی لال پری کو، کوئی سیاہ پری کو، کوئی سیتلا کو، کوئی سمانی کو اور کوئی کالی کو پوجتا ہے۔ یہ محض خیالات ہیں ورنہ ان کی حقیقت کچھ بھی نہیں۔ نہ کوئی عورت ہے نہ کوئی مرد۔ محض خیال خام اور شیطانی وسوسہ ہے۔ جس کو معبود بنا لیا ہے اور یہ جو بولتا ہے اور کبھی کوئی تماشہ بھی دکھا دیتا ہے شیطان ہے۔

ان مشرکوں کی تمام عبادتیں شیطان کے لئے ہو رہی ہیں یہ اپنے خیال میں نذر و نیاز عورتوں کو دیتے ہیں مگر درحقیقت شیطان لے لیتا ہے۔ انہیں ان باتوں سے نہ دینی فائدہ ہے اور نہ دنیوی کیونکہ شیطان راندۂ درگاہ ہے اس سے دینی فائدہ تو ہونے سے رہا کیونکہ یہ انسان کا دشمن ہے بھلا کیسے اس کا بھلا چاہے گا یہ تو خدا کے سامنے کہہ چکا ہے کہ میں تیرے بہت سے بندوں کو اپنا بندہ بنا لوں گا۔ ان کی عقلیں ایسی ماروں گا کہ اپنے خیالات ہی کو ماننے لگیں گے میرے نام کے جانور مقرر کریں گے۔ جن پر میری نیاز کا نشان ہو گا مثلاً اس کا کان چیر ڈالیں گے یا اس کے گلے میں کمربند ڈال دیں گے۔ ماتھے پر مہندی لگا دیں گے منہ پر سہرا باندھ دیں گے۔ منہ کے اندر پیسہ رکھ دیں گے۔ بہرحال ہر وہ علامت جو یہ بتائے کہ یہ جانور فلاں کی نیاز کا ہے اسی میں داخل ہے۔ شیطان یہ بھی کہہ آیا ہے کہ میرے اثر سے لوگ اللہ تعالیٰ کی پیدائش کو بگاڑ ڈالیں

گے۔ کوئی کسی کے نام کی چوٹی رکھ لے گا۔ کوئی کسی کے نام پر ناک یا کان چھدوالے گا' کوئی داڑھی منڈوائے گا' کوئی چار ابرو صاف کر کے فقیری کا اظہار کرے گا یہ سب شیطانی باتیں ہیں اور اسلام کے خلاف ہیں پھر جس نے اللہ جیسے کریم کو چھوڑ کر شیطان جیسے دشمن کی راہ اختیار کی اس نے صریح دھوکہ کھایا۔ کیوں کہ اول تو شیطان دشمن ہے۔ دوسرے اس میں بجز وسوسے ڈالنے کے اور کوئی قدرت بھی نہیں۔ جھوٹے سچے وعدوں سے انسان کا وقتی طور پر دل بہلا دیتا ہے کہ اگر اتنے پیسے ہوں تو ایسا باغ تیار ہو جائے گا اور خوبصورت محل بن جائے گا۔ چونکہ یہ امیدیں پوری ہوتی نہیں اس لئے انسان گھبرا کر خدا کو بھول کر غیروں کی طرف دوڑنے لگتا ہے اور ہوتا وہی ہے جو مقدر میں ہے۔ کسی کے ماننے یا نہ ماننے سے کچھ نہیں ہوتا۔ یہ تو محض ایک شیطانی وسوسہ اور اس کا مکرو فریب ہے ان باتوں کا انجام یہ ہوتا ہے کہ انسان شرک میں گرفتار ہو کر جہنمی بن جاتا ہے اور شیطانی جال میں اس بری طرح سے پھنس جاتا ہے کہ لاکھ ہاتھ پاؤں مارے مگر رہائی نصیب نہیں ہوتی۔

اولاد میں شرک

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ فَلَمَّاۤ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَیْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ○ فَلَمَّاۤ اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِیْمَاۤ اٰتٰهُمَا فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ○

(اعراف ۱۸۹' ۱۹۰)

اس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کی بیوی پیدا کی تاکہ اس سے چین پائے پھر جب اس نے اس سے ہم بستری کر لی تو اس کو حمل رہ گیا وہ اسے لے کر چلتی پھرتی رہی پھر جب بھاری ہو گئی تو دونوں نے اللہ کو جو ان کا رب ہے پکارا

کہ اگر تو ہمیں تندرست اولاد دے گا ہم تیرے شکر گزار ہوں گے پھر جب اس نے ان کو تندرست بچہ دیا تو اس بچے میں اللہ کے شریک بنانے لگے۔ ان کے شرک سے اللہ بلند و برتر ہے۔

یعنی شروع میں بھی اللہ ہی نے انسان کو بنایا۔ اسے بیوی دی اور دونوں میں محبت پیدا کی۔ پھر جب اولاد کی امید ہوئی تو دونوں اللہ سے دعائیں مانگنے لگے کہ اگر صحیح سالم اور تندرست بچہ پیدا ہو جائے تو ہم خدا کا بہت ہی احسان مانگیں گے پھر جب حسب خواہش بچہ پیدا ہو گیا تو غیر اللہ کو ماننے لگے۔ اور ان کی نذر و نیاز کرنے لگے۔ کوئی بچہ کو کسی کی قبر پر لے گیا۔ کوئی تھان پر۔ کسی نے کسی کے نام کی چوٹی رکھ لی۔ کسی نے بدھی پہنا دی اور کسی نے بیڑی ڈال دی کسی نے کسی کا فقیر بنا دیا اور نام بھی رکھے تو شرکیہ جیسے نبی بخش' علی بخش' پیر بخش ستیلا بخش' گنگا بخش' جمنا داس وغیرہ۔ اللہ تو ان نیازوں سے بے پرواہ ہے مگر ان ناوانوں کا ایمان جاتا رہتا ہے۔

کھیتی باڑی میں شرک

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِیْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا یَصِلُ اِلَى اللّٰهِ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ یَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ○ (انعام ۱۳۷)

اور مشرک ان چیزوں میں سے جو اللہ نے پیدا کی ہیں یعنی کھیتی اور جانوروں میں ایک حصہ مقرر کر چکے ہیں اور اپنے خیال میں کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا ہے اور یہ ہمارے شریکوں کا۔ پھر جو ان کے شریکوں کا ہے وہ اللہ کو نہیں پہنچتا اور جو اللہ کا ہے وہ ان کے شرکاء کو مل جاتا ہے یہ جو فیصلہ کر رہے ہیں برا ہے۔

یعنی تمام غلے اور جانور اللہ ہی نے پیدا کئے ہیں پھر مشرک جس طرح ان میں سے خدا کی نیاز نکالتے ہیں اسی طرح غیر اللہ کی بھی نیاز نکالتے ہیں جب کہ غیر اللہ کی نیاز

میں جو ادب و احترام بجالاتے ہیں وہ اللہ کی نیاز میں نہیں بجالاتے۔

چوپایوں میں شرک

وَقَالُوا هٰذِهٖ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ۝ (انعام ۱۳۹)

کہتے ہیں کہ یہ جانور اور کھیتی اچھوتی ہے اسے کوئی نہ کھائے علاوہ اس کے جسے ہم چاہیں (محض اپنے خیال سے) بعض جانوروں کی سواری منع ہے اور بعض جانوروں پر اللہ کا نام نہیں لیتے یہ سب اللہ پر بہتان ہے وہ ان کے بہتان کی جلدی سزا دے دے گا۔

یعنی لوگ محض اپنے خیال سے کہہ دیتے ہیں کہ فلاں چیز اچھوتی ہے اس کو فلاں شخص کھا سکتا ہے۔ بعض جانوروں کو لادتے نہیں اور سواری بھی نہیں کرنے دیتے کہ یہ فلاں کی نیاز کا جانور ہے اس کا ادب کرنا چاہئے اور بعض جانوروں کو غیر اللہ کے نام پر نامزد کر دیتے ہیں کہ ان کاموں سے اللہ خوش ہو گا اور مرادیں برلائے گا مگر ان کے یہ خیالات و افعال جھوٹے ہیں جن کی وہ ضرور سزا پائیں گے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ۔ (مائدہ ۱۰۳)

اللہ نے نہ بحیرہ کو نہ سائبہ کو، نہ وصیلہ کو اور نہ حامی کو جائز قرار دیا لیکن کافر اللہ پر طوفان اٹھاتے ہیں اور اکثر نا سمجھ ہیں۔

جو جانور کسی کے نام کا نامزد کر دیا جاتا تو اس کا کان چیر دیا جاتا اس کو بحیرہ کہتے تھے سانڈ کو سائبہ کہا جاتا تھا۔ جس جانور کے بارے میں یہ منت مانی جائے کہ اس کا بچہ نر پیدا ہو تو اس کو نیاز میں دے دیا جائے گا پھر اس کے نر اور مادہ دونوں پیدا ہوتے ہیں تو

نر کو بھی نیاز میں نہ دیتے ان دونوں بچوں کو وصیلہ کہا جاتا تھا اور جس جانور سے دس بچے پیدا ہو جاتے تھے اس پر سوار ہونا اور لادنا چھوڑ دیتے تھے اس کو حامی کہا جاتا تھا۔ فرمایا یہ باتیں شرعی نہیں ہیں رسمی ہیں۔ معلوم ہوا کہ کسی جانور کو کسی کے نام کا ٹھہرا دینا اور اس پر اس کی علامت لگا دینا اور یہ مقرر کرنا کہ فلاں کی نیاز گائے فلاں کی بکری اور فلاں کی مرغی ہی ہوتی ہے یہ سب جاہلانہ رسمیں ہیں اور شریعت مطہرہ کے خلاف ہیں۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ۔ (نحل ۱۱۶)

جھوٹ نہ کہو جس کو تمہاری زبانیں بیان کرتی ہیں کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے تاکہ اللہ تعالٰی پر جھوٹ باندھو۔ یقین مانو جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ فلاح کو نہیں پہنچتے۔

یعنی اپنی طرف سے حلال و حرام مقرر نہ کرو یہ خدا ہی کی شان ہے اور اس طرح کہنے سے اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے۔ یہ خیال کرنا کہ اگر فلاں کام اس طرح کیا جائے تو ٹھیک ہو جائے گا ورنہ اس میں گڑ بڑ ہو جائے گی غلط ہے کیونکہ خدا پر جھوٹ باندھ کر انسان کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔ معلوم ہوا کہ یہ عقیدہ کہ محرم میں پان نہ کھایا جائے۔ لال کپڑے نہ پہنے جائیں، محرم اور رجب میں نکاح نہ کیا جائے دسویں محرم کو کھچڑا پکایا اور تقسیم کیا جائے اور شب برات کے موقع پر حلوہ ہی کھایا کھلایا جائے شاہ عبد الحق صاحب کا تحفہ حلوہ ہی ہے اس کو احتیاط سے بناؤ اور حقہ پینے والے کو نہ کھلاؤ۔ شاہ مدار کی نیاز مالیدہ ہی ہے۔ بو علی قلندر کی نیاز سویاں اور اصحاب کہف کی گوشت روٹی ہے۔ شادی کے موقعہ پر فلاں فلاں اور موت و غمی کے موقعہ پر فلاں فلاں رسموں کا انجام دینا ضروری ہے۔ شوہر کی موت کے بعد نہ شادی کرو، نہ شادی میں بیٹھو نہ اچار ڈالو۔ فلاں نیلا کپڑا اور فلاں سرخ کپڑا نہ پہنو، یہ بھی ایک قسم کا شرک

ہے۔ کہ شرع کا حکم دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے جبکہ یہ بھی حکم گھڑ رہے ہیں اور ان کو اللہ کے حکم کی مانند سمجھ رہے ہیں۔ یہ شرک فی الحکم ہے۔

عادات میں شرک کے متعلق احادیث

عن زید ابن خالد الجھنی قال صلی لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوۃ الصبح بالحدیبیۃ علی اثر سماء کانت من اللیل فلما انصرف اقبل علی الناس فقال ھل تدرون ماذا قال ربکم قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال قال اصبح من عبادی مومن بی و کافر بی فاما من قال مطرنا بفضل اللہ و رحمتہ فذلک مومن بی و کافر بالکواکب واما من قال مطرنا بنوء کذا فذلک کافر بی ومومن بالکواکب۔ (بخاری۔ مسلم)

زید بن خالد جہنی سے روایت ہے کہ ایک دن حدیبیہ میں رات کی بارش کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو صبح کی نماز پڑھائی نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا جانتے ہو تمہارے رب نے کیا کہا صحابہ نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے فرمایا کہ اس نے کہا کہ میرے بندوں نے صبح کی کچھ تو مومن تھے اور کچھ کافر تھے جس نے کہا اللہ کے فضل سے اور اس کی رحمت سے بارش ہوئی وہ مجھ پر ایمان لایا اور تاروں کے ساتھ کفر کیا اور جس نے کہا کہ فلاں فلاں تارے سے بارش ہوئی۔ اس نے میرے ساتھ کفر کیا اور تاروں پر ایمان لایا۔

یعنی جو شخص کائنات میں مخلوق کی اصل تاثیر سمجھتا ہے اسے حق تعالیٰ اپنے منکروں میں شمار فرماتا ہے کہ وہ ستارہ پرست ہے اور جو یہ کہتا ہے کہ سارا کارخانہ خدا کے حکم سے چل رہا ہے وہ اس کا مقبول بندہ ہے ستارہ پرست نہیں۔ معلوم ہوا کہ نیک و بد ساعتوں کے ماننے' اچھی بری تاریخوں کے یا دن کے پوچھنے اور نجومی کی باتوں

پر یقین کرنے سے شرک کا در کھلتا ہے کیونکہ ان سب کا تعلق نجوم سے ہے اور نجوم کا ماننا ستارہ پرستوں کا کام ہے۔

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اقتبس بابا من علم النجوم بغیر ما ذکر اللہ فقد اقتبس شعبۃ من السحر المنجم کاھن والکاھن ساحر والساحر کافر۔ (رزین)

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے علم نجوم کا کوئی مسئلہ سیکھا بغیر ایسی صورت کے جو اللہ نے بیان کی ہے' تو اس نے جادو کا ایک حصہ سیکھا۔ نجومی کاہن ہے اور کاہن جادوگر ہے' اور جادوگر کافر ہے۔

یعنی قرآن پاک میں تاروں کا بیان ہے کہ ان سے خدا کی قدرت و حکمت معلوم ہوتی ہے' ان سے آسمان کی خوبصورتی ہے اور ان سے شیطان کو مار مار کر بھگا دیا جاتا ہے یہ بیان نہیں ہے کہ انہیں کارخانہ قدرت میں دخل ہے۔ دنیا کی بھلائی برائی انہیں کے اثرات ہیں۔ اب اگر کوئی تاروں کے پہلے فوائد چھوڑ کر یہ کہے کہ انہیں کی تاثیرات عالم میں کار فرما ہے اور غیب کا دعویٰ کرے۔ جس طرح جاہلیت میں جنوں سے پوچھ پوچھ کر کاہن غیب کی باتیں بیان کیا کرتے تھے اسی طرح نجومی تاروں سے معلوم کر کے بتاتے ہیں گویا کاہن' نجومی' رمال' جفار سب کی ایک ہی راہ ہے۔ کاہن جادوگروں کی طرح جنوں سے دوستی گانٹھتا ہے اور جنوں سے دوستی ان کو مانے بغیر پیدا نہیں ہوتی جب ان کو پکارا جائے اور بھوگ دیا جائے تو دوستی پیدا ہوتی ہے لہٰذا یہ کفر و شرک کی باتیں ہیں۔

عن حفصۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالت قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اتی عرافا فسالہ عن شئی لا یقبل صلاتہ اربعین یوما۔ (مسلم)

ام المومنین حضرت حفصہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو خبریں بتانے والے کے پاس آیا اور اس سے کچھ پوچھا تو اس کی چالیس دن تک نماز

قبول نہیں ہو گی۔

یعنی جو شخص غیب کی باتیں بتانے کا دعویدار ہے اگر اس سے کسی نے جا کر کچھ پوچھ لیا تو اس کی چالیس دن تک عبادت قابل قبول نہیں رہی کیونکہ اس نے شرک کیا اور شرک عبادتوں کا نور مٹا دیتا ہے۔ نجومی' رمال' جفار' فال کھولنے والے نامہ نکالنے سب عراف میں داخل ہیں۔

عن قبیصة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال العیافة والطرق و الطیرة من الجبت۔

حضرت قبیصہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شگون لینے کے لئے جانور اڑانا فال نکالنے کے لئے کچھ ڈالنا اور بدشگونی کفر میں سے ہے۔

عرب میں شگون لینے کا بہت رواج تھا اور ان کا شگون پر بڑا اعتقاد تھا اس لئے آپ نے کئے بار فرمایا کہ یہ شرک ہے تاکہ لوگ باز آ جائیں۔

عن عبد اللہ بن مسعود عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الطیرة شرک الطیرة شرک الطیرة شرک۔ (ابوداؤد)

حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شگون لینا شرک ہے شگون لینا شرک ہے' شگون لینا شرک ہے۔

عن سعد بن مالک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا ھامة ولا عدوی ولا طیرة وان تکن الطیرة فی شئی ففی الدار والفرس والمراة۔ (ابو داؤد)

حضرت سعد بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ الو ہے نہ کسی کا کسی کو مرض لگتا ہے۔ اور نہ کسی چیز میں نحوست ہے اور اگر نحوست ہوتی تو عورت گھر اور گھوڑے میں ہوتی۔

عرب کا عقیدہ تھا کہ جس مقتول کا بدلہ نہ لیا جائے اس کی کھوپڑی میں سے الو نکل کر فریاد کرتا پھرتا ہے اس کو ہامہ کہا جاتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ بات بالکل بے

بنیاد ہے۔ معلوم ہوا کہ تناسخ بھی قطعی بے بنیاد ہے۔ عرب میں بعض بیماریوں کے جیسے کھجلی' کوڑھ وغیرہ کے متعلق یہ خیال تھا کہ ایک دوسرے کو لگ جاتی ہیں اور سمجھتے تھے کہ یہ بیماریوں کی ذاتی تاثیر ہے یا خود ایک کی بیماری (اس کا سبب نہیں) دوسرے کو لگ جاتی ہے فرمایا یہ بات غلط ہے۔

لوگوں میں یہ بات بھی مشہور ہے کہ فلاں کام فلاں کو نامبارک ہے' راس نہیں آیا' یہ بھی غلط ہے فرمایا کہ اگر اس بات کا کچھ اثر ہے تو تین ہی چیزوں میں ہے گھر' گھوڑا' عورت یعنی یہ چیزیں کبھی نامبارک ثابت ہوتی ہیں مگر ان کی نامبارکی معلوم کرنے کی کوئی راہ نہیں بتائی گئی یہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ شیر دہاں گھر' ستارہ پیشانی گھوڑا اور کل جبھی عورت نحس ہوتی ہے بے سند بات ہے مسلمانوں کو ان باتوں کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے۔ اگر نیا مکان یا گھوڑا خریدا جائے یا عورت سے شادی کی جائے تو اللہ ہی سے اس کی بھلائی مانگیں اور اسی سے اس کی برائی سے پناہ مانگیں باقی اور چیزوں میں یہ خیال نہ کریں کہ فلاں کام راس آیا اور فلاں نہیں آیا۔

عن ابی ھریرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا عدوی ولا ھامة ولا صفر۔ (بخاری)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ چھوت چھات ہے نہ الو ہے اور نہ صفر ہے۔

عرب والے جوع الکلب کی بیماری کو بلا کا اثر خیال کیا کرتے تھے کہ اس کے پیٹ میں کوئی بلا گھسی ہوئی ہے جو غذا چٹ کر جاتی ہے اسی لئے اس غریب کا پیٹ نہیں بھرتا اس بھوت کا نام صفر تھا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ محض واہمہ ہے بھوت ووت کچھ نہیں۔ معلوم ہوا کہ بیماریاں بلا کے اثرات سے نہیں ہوتیں۔ بعض لوگ بعض بیماریوں کو بلا کا اثر خیال کرتے ہیں جیسے سیتلا' مسانی۔ براہی وغیرہ مگر یہ بات غلط ہے جاہلیت میں ماہ صفر کو نحس خیال کرتے تھے اور اس میں کوئی نیا کام نہیں کرتے تھے۔ یہ بھی غلط ہے۔ معلوم ہوا کہ صفر کے تیرہ دنوں کو نحس سمجھنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ ان

میں بلائیں اترتی ہیں اسی وجہ سے ان کا نام بھی تیرہ تیزی رکھا گیا کہ ان کی تیزی سے کام بگڑ جاتے ہیں غلط ہے اسی طرح کسی چیز کو' یا تاریخ کو یا دن کو یا ساعت کو نحس سمجھنا شرک کی باتیں ہیں۔

عن جابر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخنبید مجنوم فوضعھا معہ فی القصعۃ فقال کل ثقۃ باللہ و توکلا علیہ۔ (ابن ماجہ)

حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوڑھی کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے ساتھ پیالہ میں رکھ کر فرمایا۔ اللہ پر اعتماد اور بھروسہ کر کے کھاؤ۔

یعنی ہمارا اعتماد و توکل اللہ پر ہے وہ جسے چاہے بیمار کر دے اور جسے چاہے تندرست کر دے۔

عن جبیر بن مطعم قال اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعرابی فقال جھدت الانفس وجاع العیال و ھلکت الانعام فاستسق اللہ لنا فانا نستشفع بک علی اللہ و نستشفع باللہ علیک فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم سبحان اللہ سبحان اللہ فما زال یسبح حتی عرف ذلک فی وجوہ اصحابہ ثم قال ویحک انہ لا یستشفع باللہ علی احد شان اللہ اعظم من ذلک ویحک اتدری ما اللہ ان عرشہ علی سمواتہ ھکذا وقال باصابعہ مثل القبۃ علیہ وانہ لیئط بہ اطیط الرحل بالراکب۔ (ابوداؤد)

حضرت جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دیہاتی نے آکر کہا لوگ مشقت میں پڑ گئے۔ بچے بھوک سے بلبلا رہے ہیں جانور ہلاک ہو گئے۔ آپ ہمارے لئے اللہ سے بارش کی دعا مانگیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کے پاس آپ کو شفیع بنانا چاہتے ہیں اور آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کو شفیع اور سفارشی بنانا چاہتے ہیں فرمایا۔ سبحان اللہ سبحان اللہ یعنی اللہ نرالا ہے۔ آپ اتنی دیر تک اللہ کی پاکی بیان کرتے رہے کہ صحابہ کے چہروں میں اس کا اثر محسوس ہونے لگا۔ پھر فرمایا نادان اللہ

پاک کسی سے سفارش نہیں کرتا اس کی شان اس سے بلند و برتر ہے۔ نادان جانتا ہے اللہ کیا ہے اس کا عرش اس کے آسمانوں پر اس طرح ہے۔ اور انگلیوں سے گنبد کی طرح بنایا اس کی وجہ سے وہ چر چرا رہا ہے جس طرح اونٹ کی کاٹھی سوار کے بوجھ سے چر چراتی ہے۔

یعنی ایک دفعہ عرب میں قحط پڑ گیا۔ بارش بند ہو گئی۔ ایک دیہاتی نے آپ کے پاس آکر لوگوں کی حالت زار بیان کی اور آپ سے دعا کو کہا اور یہ بھی کہا کہ ہم آپ کی سفارش اللہ کے پاس چاہتے ہیں اور اللہ کی سفارش آپ کے پاس چاہتے ہیں۔ یہ بات سن کر آپ خدا کے رعب اور خوف سے کانپنے لگے اور آپ کی زبان پر خدا کی بڑائی کے کلمات آگئے حاضرین مجلس کے چہروں پر خدا کی عظمت سے تغیر کے آثار پیدا ہو گئے۔ پھر آپ نے اس گنوار کو سمجھایا کہ اختیار تو مالک ہی کا ہے اگر مالک سفارش کی وجہ سے کام کر دے تو اس کی مہربانی ہے۔ جب یہ کہا گیا کہ ہم اللہ کو پیغمبر کے پاس سفارش بنا کر لائے تو گویا مالک و مختار پیغمبر کو بنا دیا گیا حالانکہ یہ شان خدا کی ہے۔ آئندہ اس قسم کا کلمہ زبان سے نہ نکالنا۔ خدا کی شان بہت ہی بڑی ہے تمام انبیاء اور اولیاء اس کے سامنے بے بس ہیں۔ تمام آسمان اور زمین کو اس کا عرش ایک گنبد کی طرح گھیرے ہوئے ہے عرش باوجودیکہ اتنا بڑا ہے مگر پھر بھی اس شہنشاہ کی عظمت کو نہیں سنبھال سکتا اور چرچرا رہا ہے مخلوق کے تصور میں اس کی عظمت نہیں آ سکتی اور اس کی عظمت کو اپنے خیالات سے ادا بھی نہیں کر سکتا۔ اس کے کام میں دخل دینا اور اس کی عظیم سلطنت میں ہاتھ ڈالنا تو درکنار وہ شہنشاہ بلا فوج اور لشکر کے اور بلا وزیر و مشیر کے ایک آن میں کروڑہا کام کر دیتا ہے بھلا وہ کس کے پاس آکر سفارش کر سکتا ہے اور کون اس کے سامنے مختار بن سکتا ہے۔

لوگوں میں ایک ختم مشہور ہے جس میں یہ کلمہ پڑھا جاتا ہے۔ یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ۔ یعنی اے شیخ اللہ کے واسطے ہماری مراد پوری کرو۔ یہ شرک اور بے ادبی ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اگرچہ بظاہر بے ادبی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے لیکن اس

سے مراد کچھ اور ہے تو اس کا یہ کہنا خود بے ادبی ہے کیونکہ خدا کی ذات پہیلیوں سے بالاتر ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان احب اسمائکم عبد اللہ و عبد الرحمٰن۔ (مسلم)

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے بہت ہی پیارے نام عبد اللہ اور عبد الرحمن ہیں۔

انہیں ناموں میں عبد القدوس' عبد الجلیل عبد الخالق' خدا بخش اللہ دیا' اللہ داد وغیرہ داخل ہیں جن میں اللہ کی طرف نسبت پیدا ہوتی ہے۔

عن شریح بن ھانی عن ابیہ انہ لما وفد الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع قومہ سمعھم یکنونہ بابی الحکم فدعاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ان اللہ ھو الحکم والیہ الحکم فلم تکنی ابا الحکم (ابوداؤد۔ نسائی)

حضرت ہانی کا بیان ہے کہ جب میں اپنی قوم کے وفد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ نے ان سے سنا کہ مجھے میرے ساتھی ابو الحکم کہہ کر آواز دیتے ہیں۔ آپ نے مجھے بلا کر فرمایا کہ حکم اللہ ہے۔ حکم اسی کا ہے۔ تمہاری کنیت ابو الحکم کیوں رکھی گئی ہے۔

یعنی ہر فیصلہ کا چکا دینا اور جھگڑے کا مٹا دینا اللہ ہی کی شان ہے جس کا ظہور آخرت میں ہو گا کہ وہاں اگلے پچھلے سارے جھگڑے طے ہو جائیں گے ایسی کسی طاقت مخلوق میں نہیں۔ معلوم ہوا کہ جو لفظ اللہ ہی کی شان کے لائق ہے۔ اسے کسی غیر کے لئے استعمال نہ کیا جائے۔ مثلاً شہنشاہ خدا ہی کو کہا جائے سارے جہان کا خداوند جو چاہے کر ڈالے۔ یہ جملہ خدا ہی کی شان میں بولا جا سکتا ہے۔ اسی طرح معبود' بڑا بے نیاز اور بے پرواہ وغیرہ الفاظ خدا ہی کی شان کے لائق ہیں۔

عن حذیفۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تقولوا ماشاء

اللہ و شاء محمد وقولوا ماشاء اللہ وحدہ۔ (شرح السنۃ)

حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوں نہ کہو جو کچھ اللہ نے چاہا اور محمدؐ نے چاہا بلکہ یوں کہو جس کو اللہ وحدہ لاشریک لہ نے چاہا۔

یعنی شان الوہیت میں کسی مخلوق کا دخل نہیں خواہ وہ کتنا ہی بڑا اور کیسا ہی مقرب کیوں نہ ہو مثلاً یوں نہ کہا جائے کہ اللہ اور رسول چاہے گا تو کام ہو جائے گا۔ کیونکہ دنیا کا سارا کاروبار اللہ ہی کے چاہنے سے ہوتا ہے رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ یا اگر کوئی شخص پوچھے کہ فلاں کے دل میں کیا ہے۔ یا فلاں کی شادی کب ہو گی یا فلاں درخت پر کتنے پتے ہیں یا آسمان میں کتنے تارے ہیں تو اس کے جواب میں یوں نہ کہے کہ اللہ اور رسول ہی جانیں کیونکہ غیب کی بات کی اللہ ہی کو خبر ہے۔ رسول کو خبر نہیں۔ ہاں اگر دینی باتوں میں یہ لفظ بول دیا جائے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اللہ نے اپنے رسول کو دین کی ہر بات بتا دی ہے اور لوگوں کو اپنے رسول کی فرمانبرداری کا حکم دیا ہے۔

غیر اللہ کی قسم شرک ہے

عن ابن عمر قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من حلف بغیر اللہ فقد اشرک۔ (ترمذی)

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرما رہے تھے جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔

عن عبد الرحمٰن بن سمرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تحلفوا بالطواغیت ولا بابائکم (مسلم)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بتوں کی قسمیں نہ کھاؤ' اور نہ باپوں کی قسمیں کھاؤ۔

عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ ینھکم

ان تحلفوا بابائکم من کان حالفا فلیحلف باللہ اولیصمت۔ (بخاری۔ مسلم)

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ پاک تم کو باپ دادا کی قسمیں کھانے سے منع فرماتا ہے جو شخص قسم کھائے تو اللہ کی کھائے ورنہ خاموش رہے۔

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من حلف فقال فی حلفہ باللات والعزی فلیقل لا الہ الا اللہ۔ (بخاری، مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا جس نے (سبقت لسانی کے طور پر) لات و عزیٰ کی قسم کھائی اسے لا الہ الا اللہ کہہ لینا چاہیے۔

زمانہ جاہلیت میں بتوں کی قسمیں کھائی جاتی تھیں۔ اسلام میں اگر کسی مسلمان کے منہ سے عادت کے مطابق غیر شعوری طور پر بتوں کی قسم نکل جائے تو فوراً لا الہ الا اللہ پڑھ کر توحید کا اقرار کر لے۔ معلوم ہوا کہ اللہ کے سوا کسی چیز کی قسم نہ کھائی جائے۔ اگر غیر شعوری طور پر غیر اللہ کی قسم زبان سے نکل جائے تو فوراً توبہ کی جائے مشرکوں میں جن کی قسمیں کھائی جاتی ہیں ان کی قسم کھانے سے ایمان میں خلل آتا ہے۔

غیر اللہ کی نذریں

عن ثابت بن ضحاک قال نذر رجل علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ینحرا بلا ببوانۃ فاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاخبرہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھل کان فیھا وثن من اوثان الجاھلیۃ یعبد قالوا لا قال فھل کان فیھا عید من اعیادھم۔ قالوا لا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوف بنذرک فانہ لا وفاء

لنذر فی معصیۃ اللہ۔ (ابوداؤد)

حضرت ثابت بن ضحاک کا بیان ہے کہ ایک شخص نے عہد رسالت میں یہ نذر مانی کہ بوانہ جا کر اونٹ نحر کروں گا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ و سلم کے پاس آ کر آپ کو اپنی نذر کی خبر کی۔ فرمایا جاہلیت کے تھانوں میں سے کوئی تھان تو وہاں نہیں تھا؟ صحابہ نے کہا نہیں۔ فرمایا وہاں کوئی تہوار تو نہیں منایا جاتا بولے نہیں فرمایا اپنی نذر کو پورا کر کیوں کہ اس نذر کو پورا کرنا منع ہے جس میں اللہ کا گناہ ہوتا ہو۔

معلوم ہوا کہ اللہ کے سوا کسی اور کی منت ماننا گناہ ہے۔ ایسی منت کو پورا نہیں کرنا چاہیے (اور کفارہ دے دینا چاہیے) کیونکہ یہ بات خود گناہ ہے پھر اسے پورا کرنا اور گناہ پر گناہ ہو گا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جس جگہ غیر اللہ کے نام پر جانور چڑھائے جاتے ہوں یا غیر اللہ کی پوجا پاٹ ہوتی ہو یا جمع ہو کر شرک کیا جاتا ہو وہاں اللہ کے نام کا بھی جانور نہ لے جایا جائے اور ان میں شرکت نہیں کرنی چاہیے خواہ اچھی نیت ہو یا بری کیونکہ ان میں شرکت خود مستقل بری بات ہے۔

سجدہ صرف اللہ کو اور پیغمبر کی تعظیم کرو

عن عائشۃ رضی اللہ عنھا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان فی نفر من المھاجرین والانصار فجاء بعیر فسجدلہ فقال اصحابہ یا رسول اللہ تسجدلک البھائم و الشجر فنحن احق ان نسجدلک فقال اعبدوا ربکم واکرموا اخاکم۔ (مسند احمد)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مہاجرین و انصار کی ایک جماعت میں تشریف فرما تھے کہ ایک اونٹ نے آ کر آپ کو سجدہ کیا صحابہ نے کہا یارسول اللہ آپ کو جانور اور درخت سجدہ کرتے ہیں۔ ان سے زیادہ تو ہمارا حق ہے کہ ہم آپ کو سجدہ کریں فرمایا اپنے رب کی عبادت کرو۔ اور اپنے بھائی کی تعظیم کرو۔

یعنی تمام انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں جو بہت بزرگ ہو وہ بڑا بھائی ہے اس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کرو باقی سب کا مالک اللہ ہے عبادت اسی کی کرنی چاہیے معلوم ہوا کہ جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں خواہ انبیاء ہوں یا اولیاء ہوں وہ سب کے سب اللہ کے بے بس بندے ہیں اور ہمارے بھائی ہیں مگر حق تعالیٰ نے انہیں بڑائی بخشی تو ہمارے بڑے بھائی کی طرح ہوئے ہمیں ان کی فرمانبرداری کا حکم ہے کیونکہ ہم چھوٹے ہیں لہٰذا ان کی تعظیم انسانوں کی سی کرو۔ اور انہیں خدا نہ بناؤ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض بزرگوں کی تعظیم درخت اور جانور بھی کرتے ہیں چنانچہ بعض درگاہوں پر شیر، بعض پر ہاتھی اور بعض پر بھیڑیے حاضر ہوتے ہیں۔ لیکن انسانوں کو ان کی ریس نہیں کرنی چاہیے۔ انسان خدا کی بتائی ہوئی تعظیم کر سکتا ہے اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ مثلاً قبروں پر مجاور بن کر رہنا شرع شریف میں نہیں ہے اس لئے ہرگز ہرگز مجاور نہ بنا جائے گو اس قبر پر دن رات شیر بیٹھا رہتا ہو کیونکہ آدمی کو جانور کی حرص لائق نہیں ہے۔

عن قیس بن سعد قال اتیت الحیرۃ فرایتھم یسجدون لمر زبان لھم فقلت لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احق ان یسجد لہ فاتیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلت انی اتیت الحیرۃ فرایتھم یسجدون لمزبان لھم فانت احق ان یسجدلک فقال لی ارایت لو مررت بقبری اکنت تسجدلہ فقلت لا فقال لا تفعلوا۔ (ابوداؤد)

حضرت قیس بن سعد کا بیان ہے کہ میں شہر حیرہ میں گیا ہوں میں نے وہاں کے لوگوں کو اپنے راجہ کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔ میں نے دل میں کہا بلاشبہ رسول اللہ ﷺ سجدہ کئے جانے کے زیادہ حق دار ہیں چنانچہ میں نے آپ کے پاس آکر کہا کہ میں نے حیرہ میں لوگوں کو راجہ کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔ آپ اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ ہم آپ کو سجدہ کریں فرمایا بھلا بتا تو سہی کہ اگر تو میری قبر پر گزرے تو کیا تو اسے سجدہ کرے گا۔ میں نے کہا نہیں۔ فرمایا تو ایسا خیال مت کرو۔

یعنی ایک نہ ایک دن میں بھی فوت ہو کر آغوش لحد میں جا سوؤں گا پھر میں سجدہ کے لائق نہ ہوؤں گا۔ سجدہ کے لائق تو وہی پاک ذات ہے جو لازوال ہے معلوم ہوا کہ سجدہ نہ زندہ کو روا ہے اور نہ مردہ کو اور نہ کسی قبر کو روا ہے اور نہ کسی تھان کو۔ کیونکہ زندہ ایک دن مرنے والا ہے اور مرا ہوا بھی کبھی زندہ تھا اور بشر تھا پھر مر کر خدا نہیں ہوا بندہ ہی ہے۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یقولن احدکم عبدی و امتی کلکم عبید اللہ وکل نساء کم اماء اللہ ولا یقل العبد لسیدہ مولای فان مولاکم اللہ (مسلم)

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی عبدی و امتی (میرا بندہ۔ میری بندی) نہ کہے تم سب اللہ کے بندے ہو اور تمہاری ساری عورتیں اللہ کی بندیاں ہیں۔ غلام اپنے سید کو اپنا مالک نہ کہے کیونکہ تم سب کا مالک اللہ ہے۔

معلوم ہوا کہ غلام کو بھی آپس میں ایسی گفتگو سے پرہیز کرنا چاہیے کہ میں فلاں کا بندہ ہوں اور فلاں میرا مالک ہے۔ پھر خواہ مخواہ بندہ بننا عبد النبی' بندہ علی' بندہ حضور' پرستار خاص' امرو پرست' زن پرست' پیرپرست خود کو کہلوانا اور ہر کسی کو خداوند خدائے گان اور داتا کہہ دینا کس قدر بے جا ہے اور کتنی بڑی گستاخی ہے۔ ذرا ذرا سی بات میں کہنا کہ تم ہماری جان اور مال کے مالک ہو۔ ہم تمہارے بس میں ہیں جو چاہو کرو۔ یہ سب باتیں محض جھوٹ اور شرک پر مبنی ہیں۔

عن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تطرونی کما اطرت النصاری عیسی بن مریم فانما انا عبدہ فقولوا عبد اللہ و رسولہ (بخاری۔ مسلم)

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے حد سے مت بڑھانا جیسے عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کو حد سے بڑھا دیا میں تو محض اس کا بندہ ہی ہوں

تو مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔

یعنی حق تعالیٰ نے مجھے جن خوبیوں اور کمالات سے نوازا ہے وہ سب بندہ اور رسول کے کہہ دینے میں آ جاتے ہیں کیونکہ بشر کے لئے رسالت سے بڑھ کر اور کیا مرتبہ ہو گا سارے مراتب اس سے نیچے ہیں مگر بشر رسول بن کر بھی بشر ہی رہتا ہے' بندہ ہونا ہی اس کے لئے سبب فخر ہے۔ نبی بن کر بشر میں خدائی شان نہیں آ جاتی اور خدا کی ذات میں نہیں مل جاتا بشر کو بشریت ہی کے مقام پر رکھو۔ عیسائیوں کی طرح نہ بنو کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ کو بشریت سے نکال کر جامہ الوہیت پہنا دیا جس سے یہ لوگ کافر اور مشرک بن گئے اور خدا کا قہر و عتاب ان پر نازل ہوا" اسی لئے پیغمبر اسلام علیہ الصلوۃ و السلام نے اپنی امت سے فرمایا کہ عیسائیوں کی سی چال نہ چلنا اور میری تعریف میں حد سے نہ بڑھ جانا کہ خدانخواستہ مردود بارگاہ ایزدی ہو جاؤ۔

تکریمی الفاظ میں احتیاط

عن مطرف بن عبد اللہ بن الشخیر قال انطلقت فی وفد بنی عامر الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلنا انت سیدنا فقال السید اللہ فقلنا و افضلنا فضلا و اعظمنا طولا فقال قولوا قولکم اوبعض قولکم فلا یستجر ینکم الشیطن۔ (ابوداؤد)

حضرت مطرف بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ میں بھی رسول اللہ ﷺ کے پاس عامری وفد میں گیا ہم نے کہا آپ ہمارے سید ہیں فرمایا سید اللہ ہے پھر ہم نے کہا آپ ہم میں افضل ہیں اور بڑے ہیں فرمایا ہاں یہ ساری یا بعض بات کہہ سکتے ہو۔ کہیں شیطان تم کو گستاخ نہ بنا دے۔

یعنی کسی بزرگ کی شان میں زبان سنبھال کر بات کرنی چاہیے اس کی انسان ہی کی سی تعریف کرو۔ بلکہ اس میں بھی کمی کرو۔ سید کے دو معنی ہیں۔ (۱) خود مختار' مالک

کل جو کسی کا محکوم نہ ہو آپ جو چاہے کرے یہ شان خدا ہی کی ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے خدا کے علاوہ کوئی سید نہیں۔ (۲) پہلے حاکم کا حکم اس کے پاس آئے اور پھر اس کی زبانی دوسروں تک پہنچے جیسے چودھری زمیندار' اس معنی کے لحاظ سے ہر نبی اپنی امت کا سردار ہے۔ ہر امام اپنے ہم عصر لوگوں کا" ہر مجتہد اپنے ماننے والوں کا۔ ہر بزرگ اپنے عقیدت مندوں کا اور ہر عالم اپنے شاگردوں کا سید ہے کہ یہ بڑے بڑے حضرات پہلے حکم پر خود عامل ہوتے ہیں پھر اپنے چھوٹوں کو سکھاتے پڑھاتے ہیں اس لحاظ سے ہمارے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہان کے سید ہیں۔ خدا کی نگاہ میں آپ کا مرتبہ سب سے بڑا ہے۔ آپ سب سے زیادہ احکام شرعیہ کے پابند تھے' اور خدا کا دین سیکھنے میں لوگ آپ ہی کے محتاج ہیں۔ اس معنی کے لحاظ سے آپ کو سارے جہان کا سردار کہا جا سکتا ہے بلکہ کہنا چاہیے اور پہلے معنی کے لحاظ سے ایک چیونٹی کا سردار بھی آپ کو نہ مانا جائے کیونکہ آپ اپنی طرف سے ایک چیونٹی میں بھی تصرف کے مختار نہیں۔

تصویر کے متعلق ارشاد نبویؐ

عن عائشة انها اشترت نمرقة فیها تصاویر فلما راها رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قام علی الباب فلم یدخل فعرفت فی وجهه الکراهة قالت قلت یا رسول اللہ اتوب الی اللہ والی رسوله ماذا اذنبت فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مابال هذه النمرقة قالت قلت اشتریتها لک لتقعد علیها و توسدها فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اصحاب هذه الصور یعذبون یوم القیمة و یقال لهم احیوا ما خلقتم وقال ان البیت الذی فیه الصور لا تدخله الملئکة (بخاری)

حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ انہوں نے ایک غالیچہ خریدا جس میں تصویریں تھیں

جب اس کو رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو آپ دروازے ہی پر کھڑے رہے اندر نہیں آئے فرماتی ہیں میں نے آپ کے چہرے سے کراہت محسوس کی میں نے کہا یا رسول اللہ میری توبہ ہے میں نے کیا گناہ کیا ہے فرمایا یہ غالیچہ کیسا ہے۔ فرماتی ہیں میں نے کہا میں نے اس کو آپ کے لئے خریدا ہے تاکہ آپ اس پر بیٹھیں اور تکیہ بنائیں فرمایا ان تصویروں والوں پر قیامت کے دن یہ عذاب ہو گا کہ ان سے کہا جائے گا کہ اپنی بنائی ہوئی تصویروں کو زندہ کرو۔ فرمایا جس گھر میں تصویریں ہوتی ہیں اس میں فرشتے نہیں آتے۔

چونکہ اکثر مشرک مورتیاں پوجتے ہیں اس لئے فرشتوں اور نبیوں کو تصویروں سے گھن آتی ہے اس لئے فرشتے نہیں آتے۔ تصویر بنانے والوں پر عذاب ہو گا کہ سامان بت پرستی مہیا کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ تصویر خواہ پیغمبر کی ہو یا امام کی۔ ولی کی ہو یا قطب کی اور پیر کی ہو یا مرید کی بنانی حرام ہے اور اس کا رکھنا بھی حرام ہے جو لوگ اپنے بزرگوں کی تصویروں کی تعظیم کرتے ہیں اور بطور تبرک اپنے پاس رکھتے ہیں وہ سراسر گمراہ اور مشرک ہیں۔ پیغمبر اور فرشتے ان سے گھن کرتے ہیں۔ مسلمان کا فرض ہے کہ وہ ہر قسم کی تصویر کو گندہ سمجھ کر اپنے گھر سے دور کر دے تاکہ رحمت کے فرشتے بھی اس گھر میں آئیں جائیں اور گھر میں برکت ہو۔

عن عبد اللہ بن عباس قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اشد الناس عذابا یوم القیمۃ من قتل نبیا اوقتلہ نبی اوقتل احد والدیہ والمصورون و عالم لا ینتفع بعلمہ (بیہقی)

حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب اس شخص کو ہو گا جس نے نبی کو یا جس کو نبی نے قتل کیا یا اس کو جس نے اپنے باپ کو یا ماں کو قتل کیا اور تصویریں بنانے والوں کو اور اس عالم کو بھی جو اپنے علم پر عمل نہ کرے۔

یعنی تصویر بنانے والا بھی ان بڑے بڑے گناہوں میں داخل ہے غور کرو کہ یزید

اور شمر نے پیغمبر کو نہیں مارا بلکہ پیغمبر کے نواسے کو مارا جو امام وقت تھے اور آپ کے خلیفہ تھے تو جو گناہ شمر کو اور یزید کو ہو گا اس سے بڑھ کر گناہ تصویریں بنانے والوں کو ہو گا کیونکہ ان کو قاتل پیغمبر کا سا گناہ ہے۔

عن ابی ھریرۃ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول قال اللہ تعالٰی ومن اظلم ممن ذھب یخلق کخلقی فلیخلقوا ذرۃ اولیخلقوا حبۃ او شعیرۃ۔ (بخاری۔ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے کہ اللہ نے فرمایا ہے اس سے بڑھ کر کون ظالم ہو گا جو میری طرح پیدا کرنے کی ریس کرے سو بھلا ایک ذرہ یا ایک دانہ یا ایک جو تو پیدا کر کے دکھائیں

یعنی اشیاء کو صورت دینا اللہ تعالٰی کی صفت خاصہ ہے اللہ تعالٰی نے اپنی بنائی ہوئی اور دی ہوئی صورتوں میں سے بے جان اشیاء کی صورتیں نقل کرنے کی تو اجازت دی لیکن جاندار اشیاء کی صورتوں کو نقل کرنے سے منع فرما دیا۔ اب جو کوئی اللہ کا حکم نہ مانے اور ممنوعہ اشیاء میں اللہ کی صفت کی نقالی کرے تو بڑی گستاخی اور جرات کرتا ہے۔ اس مناسبت سے اس کو قیامت کے دن کہا جائے گا کہ جب تو نے ایک صفت میں نقالی کی جرات کی ہے تو دوسری صفت یعنی حیات دینے میں بھی نقل کر کے دکھا جب اتنی قدرت نہیں ہے تو دنیا میں کیوں گستاخی کا ارتکاب کیا لہٰذا اب اس کا عذاب چکھ۔

عبد اور معبود

عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لا ارید ان ترفعونی فوق منزلۃ التی انزلنیھا اللہ تعالٰی انا محمد بن عبد اللہ و رسولہ۔ (رزین)

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نہیں چاہتا کہ تم مجھے میرے اس مرتبہ سے آگے بڑھاؤ جس پر اللہ پاک نے مجھے رکھا ہے میں محمد ہوں عبد اللہ کا بیٹا ہوں اور اللہ کا رسول ہوں۔

یعنی جس طرح اور بڑے لوگ اپنی تعریف میں مبالغہ سے خوش ہوتے ہیں مجھے اپنی تعریف میں مبالغہ ذرہ برابر بھی پسند نہیں۔ ان لوگوں کو تو مبالغہ کرنے والوں کے دین سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا خواہ دین رہے یا نہ رہے لیکن پیغبر اسلام علیہ الصلوۃ و السلام اپنی امت پر بڑے شفیق و مہربان ہیں آپ کو رات دن یہی فکر دامنگیر تھا کہ امت کا دین سنور جائے۔ جب آپ کو معلوم ہوا کہ میرے امتی مجھ سے بڑی محبت کرتے ہیں اور میرے بہت ہی احسان مند ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ محب محبوب کے خوش کرنے کو آسمان اور زمین کے قلابے ملایا کرتا ہے ایسا نہ ہو یہ تعریف میں حد سے بڑھ جائیں جس سے خدا کی شان میں بے ادبی ہو جائے' جس سے ان کا دین غارت ہو جائے اور میری ناخوشی بھی واجب ہو جائے اس لئے آپ نے فرمایا کہ مجھے مبالغہ پسند نہیں۔ میرا نام محمدؐ ہے میں خالق یا رزاق نہیں' میں عام لوگوں کی طرح اپنے باپ ہی سے پیدا ہوا ہوں اور میرا شرف بندہ ہونے ہی میں ہے البتہ عوام سے میں اس بات میں جدا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور اللہ کے احکام کو جانتا ہوں لوگ نہیں جانتے۔ لہٰذا انہیں مجھ سے اللہ کا دین سیکھنا چاہیے۔

سونا، چاندی اور اُن کے زیورات کے اِسلامی احکام

ڈاکٹر مفتی عبدالواحد

طوبیٰ ریسرچ لائبریری

اسلامی اردو، انگلش کتب،

تاریخی، سفرنامے، لغات،

اردو ادب، آپ بیتی، نقد و تجزیہ

toobaa-elibrary.blogspot.com